باتصویر

اپنی نوعیت کی واحد مفصل کتاب

منشیات اور تدارک

مذہبی، معاشرتی اور طبی حوالے سے

ادریس آزاد

حمیدی

منشّیات اور تدارک

مذہبی، معاشرتی اور طبّی حوالے سے

ادریس آزاد

حمیدی

خزینۂ علم و ادب
الکریم مارکیٹ اُردو بازار - لاہور ۷۳۱۴۱۶۹

دیدہ زیب اور
خوبصورتی کا
واحد مرکز

تزئین و اہتمام

نذیر محمد طاہر

حمیدی

جملہ حقوق محفوظ ہیں

اشاعت	۲۰۰۳ء
سرورق	عبیداللہ
اہتمام	محمد نذیر طاہر نذیر
کمپوزنگ	الاشراق کمپوزنگ سنٹر
مطبع	حافظ تکمیل پرنٹنگ پریس
قیمت	180/- روپے

انتساب

اس چمن کی نذر……

جس کے مالی

کی گردن میں زنجیر ہے

اور جھولی میں غیروں کی خیرات ہے

اس جواں سال سوکھے شجر کے لیے……

جس کی بنیاد میں

زہر ہی زہر ہے

درد ہی درد ہے

اور سوکھی ہوئی ایک ٹہنی کے نام……

جس سے آکاس کی بیل لپٹی رہی

خون چوستی رہی

کپکپاتے ہوئے زرد پتوں کے نام……

جن کو شاخوں نے خود سے الگ کر دیا

اور جن کے لیے

اب چمن میں کہیں بھی ٹھکانہ نہیں

☆

فہرست

عرض حال ۱۱

باب:1

شراب کی حقیت ۱۷
۱۔ شراب کی قدیم تاریخ ۱۷
۲۔ کڑوا مشروب ۲۳
۳۔ انگور کی بیٹی ۲۵
۴۔ شراب اہل یونان کی نظر میں ۲۸
۵۔ طب یونانی اور شراب ۳۱
۶۔ موجز القانون میں شراب کا ذکر ۳۳
۷۔ دیسی شراب ۴۲
۸۔ انگریزی شراب ۴۶
۹۔ کاک ٹیل ۵۱
۱۰۔ گھٹیا شرابیں ۵۳
۱۱۔ مختلف شرابوں کے نام ۵۶

باب:2

اُم الخبائث ۵۹
۱۔ دیوتاؤں کا مشروب ۶۲
۲۔ اُم الخبائث کی تاریخ خباثت ۶۷

حمیدی

۳ـ قرآنی آیات کا شان نزول ۷۳
۴ـ شراب سے متعلق قرآنی آیات ۷۹
۵ـ جنت میں شراب ملے گی! ۸۳
۶ـ شراب حرام ہے ۹۳
۷ـ من عمل الشیطان ۹۵
۸ـ شراب سے متعلق احادیث ۱۰۱
۹ـ امام شاہ ولی اللہ کا بیان ۱۰۶
۱۰ـ شراب کا شرعی مسئلہ ۱۱۱
۱۱ـ صحابہ کرامؓ سے منسوب نشے کے واقعات ۱۱۹
۱۲ـ نبیذ ایک حلال شراب ۱۲۵

باب:3

شاعری اور شراب ۱۲۹
۱ـ فکر سے وجدان تک ۱۳۵
۲ـ تصوف، شاعری اور شراب ۱۴۳
۳ـ عربی شاعری اور شراب ۱۵۰
۵ـ عربی کے متفرق اشعار ۱۶۳
۶ـ فارسی شاعری اور شراب ۱۶۵
۷ـ حافظ شیراز ۱۶۷
۸ـ فارسی سے چند اشعار ۱۷۳
۹ [illegible] شراب ۱۸۰

حمیدی

۱۰ـ اسد اللہ خان غالبؔ ۱۸۵

باب:4

منشیات ۱۹۰
۱ـ بھنگ ۱۹۸
۲ـ چرس ۲۰۸

باب:5

ڈرگز (Drugs) ۲۱۳
۱ـ افیون ۲۱۵
۲ـ ہیروئن ۲۲۱
۳ـ اینل جیزک ۲۳۵
۴ـ اینس تھیٹک ڈرگز ۲۳۷
۵ـ ادویات کے مریض ۲۳۹
۶ـ انجکشن ۲۵۳
۷ـ سیرپ (کھانسی کا شربت) ۲۶۸
۸ـ سلوشن ۲۷۳

باب:6

انسان نشہ کیوں کرتا ھے؟ ۲۷۸
۱ـ شخصیت کا خلاء ۳۰۰
۲ـ ایڈکشن ۳۰۶

باب:7

ہمارے اعصاب اور نفسیاتی بیماریاں ۳۱۶
۱۔ ہمارے اعصاب ۳۲۹
۲۔ انسانی دماغ ۳۳۲
۳۔ عصبی لہر ۳۳۷
۴۔ دماغ ۳۳۸
۵۔ شخصیت ۳۴۲
۶۔ نفسیاتی بیماریاں ۳۴۶
۷۔ نفسیاتی امراض کی پہچان اور علامات ۳۵۰
۸۔ ڈپریشن ۳۵۳
۹۔ مینیا ۳۵۷
۱۰۔ شیزوفرینیا ۳۵۹

باب:8

وہم کا علاج ممکن ہے! ۳۶۶
۱۔ نفسیاتی بیماریاں اور روحانیات ۳۷۰
۲۔ کیا نشہ ایک نفسیاتی بیماری ہے؟ ۳۷۵
۳۔ منشیات کا علاج ممکن ہے! ۳۸۰
۴۔ نشہ اور اسلام ۳۹۱
۵۔ اظہارِ تشکر ۳۹۵

حمیدی

عرضِ حال

اس حقیقت کے ساتھ سب ہی متفق ہیں کہ کرۂ ارض پر موجود......''انسان'' کے دکھ درد میں ماضی کی نسبت کئی گنا اضافہ ہو چکا ہے۔ ابتدائی ادوار کا انسان جن بلاؤں اور مصیبتوں کا شکار تھا۔ وہ قدرتی آفات تھیں۔ لیکن موجودہ دور کا انسان جو قدرتی آفات پر قابو پا چکا ہے۔ اپنی ذات کی گوناگونی اور وسعت سے خوفزدہ ہے۔ چنانچہ اس زمانے میں انسانیت کے دکھ بھی گہرے اور زیادہ تکلیف دہ ہیں۔

انسان اپنی ذات کی گہرائی سے جوں جوں واقف ہوتا جا رہا ہے۔ اس کے دل میں طرح طرح کے ہول اٹھ رہے ہیں۔.........میں کون ہوں؟ دنیا کی حقیقت کیا ہے؟ یہ سب کچھ کیسے پیدا ہو گیا؟ کیا میں مر کر فنا ہو جاؤں گا؟ میں کیسے زندہ رہ سکتا ہوں؟ یہ ساری کائنات کس نے بنائی ہے؟ ہر شے کی حقیقت کیا ہے؟.........اس طرح کے ان گنت سوال ہیں۔ جو ہر ذی شعور انسان کے ذہن میں صبح و شام اٹھتے رہتے ہیں۔ یہ درحقیقت تڑپ ہے، تلاش ہے، جستجو ہے۔ ایک جاگتا ہوا شعور حقیقت سے روشناس ہونا چاہتا ہے۔ ایک بے چین روح سچائی کو پانا چاہتی ہے۔ یہی بے چینی اور اضطراب انسان کو نئے نئے راستے دکھاتا ہے۔ اسے اپنی ذات میں خلا محسوس ہوتا ہے۔ وہ اپنی نادانی سے یہ سمجھ بیٹھتا ہے.......کہ شاید ابھی بہت کچھ ہے۔ جو اسے ملتا ہے۔ وہ اپنے خلاء کو پر کرنے کے لیے اپنے تئیں خوب ہاتھ پیر مارتا ہے۔ وہ حصولِ منزل کے لیے نہ صرف اپنی عقل کا سہارا لیتا ہے۔ بلکہ دوسروں کی دانش و بینش سے بھی استفادہ کرتا ہے۔ اسے اپنی بے چینی کو دور کرنے کا جو بھی راستہ نظر آتا ہے۔

وہ اسے اپناتا چلا جاتا ہے۔ کبھی تو وہ دولت کے حصول اور عیش وعشرت کی طلب میں دیوانہ دکھائی دیتا ہے۔ اور کبھی شہرت کا شوق اسے مال وجان سے بے پرواہ کر دیتا ہے۔ کبھی یوں بھی ہوتا ہے کہ اس کی بے چینی اسے علم کے راستوں پر کھینچ لاتی ہے۔ اور وہ اس روشن راستے پر چلتا ہوا حقیقت سے بغلگیر ہونے کی سرشاری حاصل کرتا ہے۔ علم اللہ کا نور ہے۔ اور تاریک باطن کو روشن کرتا ہے۔ لیکن جب ایک بے چین روح علم کی دنیا میں گھاٹ گھاٹ کا پانی پی کر بھی سیر نہیں ہو پاتی۔ تو اس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو جاتا ہے۔ اب اسے ایسا کچھ دکھائی نہیں دیتا جو علم سے بڑھ کر ہو۔ چنانچہ وہ بے اختیار ہو کر پکار اٹھتا ہے.........''اے حقیقت مستور! میری بے قراری پر نظر کر۔ مجھے سیدھا راستہ دکھا''۔ وہ صراط مستقیم کی طلب کرتا ہے۔ ایسے میں اسے صدا سنائی دیتی ہے....... ذالک الکتاب لا ریب فیہ........ یہ ہے وہ سیدھا راستہ۔ جس میں کوئی الجھاؤ نہیں۔

لیکن کچھ لوگ وہ ہوتے ہیں۔ جو اپنی تڑپ، بے چینی، اضطراب اور بیقراری کی حقیقت کو نہیں سمجھ پاتے۔ گویا وہ اپنے مرض کی تشخیص ہی نہیں کر پاتے۔ بھٹک جاتے ہیں، گمراہ ہو جاتے ہیں۔ لیکن بے چینی ہے کہ بڑھتی جاتی ہے۔ وہ طرح طرح کی دوائیں استعمال کرتے ہیں۔ آرام وآسائش کا سہارا لیتے ہیں۔

محنت کم کرنے والی مشینیں خریدتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ مادی اشیاء جمع کر لینے سے ان کی ذات کا خلاء پر ہو جائے گا۔ لیکن ایسا نہیں ہوتا۔ بلکہ یوں ہوتا ہے کہ:

ے مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

جب انہیں کوئی راستہ دکھائی نہیں دیتا۔ تو وہ گھبرا اٹھتے ہیں۔ اس گھبراہٹ میں کیا کیا جائے؟....... کسی ایسی دوا کا سہارا لیا جائے۔ جو دماغ کو ماؤف کر دے؟۔ بقول

شاعر:

ے یادِ ماضی عذاب ہے یارب!
چھین لے مجھ سے حافظہ میرا

ایسے عالم میں ساغر ومینا کی محفلیں جاگ اٹھتی ہیں۔ میکدے سجنے لگتے ہیں۔ اور جام کھنکنے لگتے ہیں۔

پھر وہ بھی تو ہیں۔ جنہیں ساقی نے اذنِ باریابی نہیں دیا۔ جن کی رسائی جام وسبو تک نہیں۔ وہ اپنے ذہن کو تاریک کرنے کے لیے منشیات کا سہارا لیتے ہیں۔ لیکن المیہ یہ ہے کہ شراب یا منشیات میں رنجیدہ دلوں کا مداوا نہیں۔ یہ وہ سائبان ہے، جو چھید چھید ہے۔ جو دشتِ جگر تاب کا وہ نخلستان ہے، جس کی حقیقت سراب سے زیادہ کچھ نہیں۔ چنانچہ منشیات کا سہارا لے کر بھی دل ونگاہ کی بے چینی کا مداوا نہیں ہو پاتا۔ اور صاحبِ غم منشیات کی گہری کھائی میں اترتا چلا جاتا ہے۔

ماضی کی نسبت آج کا انسان آلام ومصائب کا زیادہ شکار ہے۔ زمانہ قدیم کا انسان ہر بوجھ سے آزاد تھا۔ لیکن آج ہمارے دل ودماغ پر دس ہزار سالہ تہذیب کا بوجھ ہے.......تہذیب، معاشرت، ثقافت، روایات، رسم ورواج، خاندان، قبیلہ، برادری، قانون، حکومت اور نہ جانے کیا کیا، آج کے انسانی ذہن پر سوار ہے۔ اور پھر سب سے بڑھ کر مذہبی حدود وقیود۔ جن سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے ایک معاشرتی حیوان ہمہ وقت تیار ہے.......سب سے زیادہ انسانی ذہن کو دباؤ کا شکار کرتی ہیں۔ نشے میں وقتی نجات ہے.......بالکل عارضی۔ جو نشہ اترنے پر رنج وآلام کو پہلے سے بھی بڑا کر جاتی ہے۔ تب نشہ کرنے والا پھر نشہ کرتا ہے۔ اور یوں اس کی زندگی بذاتِ خود باقی معاشرے کے لیے بوجھ بن جاتی ہے۔

نشہ خداداد قوتِ مدافعت کو تباہ کر دیتا ہے۔ اور نشئی کسی کام کا اہل نہیں رہتا۔ یہ نا اہلی اس کی کاہلی اور تن آسانی کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے۔ نتیجتاً معاشرے میں ایک کام کرنے والا مزید کم ہو جاتا ہے۔ اور........ ایک، کھانے والا مزید بڑھ جاتا ہے۔ دھیرے دھیرے پوری قوم اعصابی تناؤ کا شکار ہو کر منشیات کے راستے پر چل نکلتی ہے۔ اور یوں پوری قوم کی قوتِ مدافعت دم توڑنے لگتی ہے۔ ایسی حالت میں کوئی اور قوم ان مفلوجوں پر چڑھ دوڑتی ہے۔ اور یوں تاریخ ایک نئی کروٹ لے کر نئے سرے سے بیدار ہونا شروع ہو جاتی ہے۔

اُردو اَدب میں جتنا کم کام اس حوالے سے ہوا ہے۔ کسی اور حوالے سے نہیں ہوا۔ منشیات کے مسئلے کو عوامی سطح پر سمجھانے کی اَشد ضرورت ہے۔ اس کام کے لیے اگرچہ بہت سے رجسٹرڈ اور فیشن ایبل ادارے جن میں مغربی طرز کی این جی اَوز شامل ہیں، شب و روز مصروف ہیں۔ لیکن فی الحقیقت ان کی کارروائیاں سیمینار اور مذاکرے منعقد کرنے تک محدود ہیں۔ دراصل جب تک فلسفی، دانشور، مفکرین اور مذہبی پیشوا انسدادِ منشیات کی جانب متوجہ نہ ہوں گے۔ اس بیماری کی روک تھام ممکن نہیں۔ ادیب اور قلم کار کسی معاشرے کا دیدۂ بینا ہوتے ہیں۔ اگر دیدۂ بینا خود ہی خمار آلود ہو۔ تو وہ خمار آور اشیاء سے کیسے روک سکتا ہے۔ جبکہ یہاں یہ عالم ہے کہ ہمارے شاعر اور اَدیب زیادہ تر خود منشیات کے عادی ہیں۔ اور شراب و خمار کے حق میں رطب اللسان ہیں۔

چنانچہ ضرورت اس امر کی ہے کہ منشیات پر لکھا جائے۔ اور خوب لکھا جائے۔ اس کا انسداد، سیمینار اور مذاکروں سے ممکن نہیں۔ بلکہ ان عوامل اور اسباب کی نشاندہی سے ممکن ہے جو کسی قوم کے نوجوانوں کو نشہ کی جانب مائل کرتے ہیں۔ اور یہ نشاندہی کرنے والے لوگ صرف دانشور، لکھاری، حکماء اور علماء ہی ہو سکتے ہیں۔ منشیات کا مسئلہ فی الحقیقت دو چار اشخاص یا دو چار گھروں کا نہیں۔ بلکہ یہ پوری قوم کا مسئلہ ہے۔ جو لوگ شراب نہیں پیتے۔ وہ دوسری قسم کی

منشیات لیتے ہیں۔ اور جو لوگ چرس، افیون، ہیروئن اور بھنگ وغیرہ استعمال نہیں کرتے۔ وہ نشئی میڈیسن لیتے ہیں۔ گلی گلی میں بیٹھے عطائی ڈاکٹر انہیں لوگوں کے سر پر روزی کماتے ہیں۔ اول تو انگریزی ادویات میں ایسی کوئی گولی نہیں جس میں نشہ نہ ہو۔ اور اس پر مستزاد یہ کہ ہر خوراک میں ٹرنکولائیزر یعنی نیند آور ادویات استعمال کی جاتی ہیں۔ پاکستان کا ہر شہری ہر وقت بیمار رہتا ہے۔ اور ہمہ وقت کوئی نہ کوئی دوا استعمال کرتا رہتا ہے۔ عطائی ڈاکٹر اپنے گاہکوں کو پکا کرنے کے لیے مریضوں کو نشیلی ادویات کا عادی کر دیتے ہیں۔ اور اس طرح وہ لوگ جو بظاہر کوئی نشہ نہیں کرتے اور شرفاء کہلاتے ہیں۔ فی الحقیقت بدترین نشے یعنی میڈیسن کے عادی ہو جاتے ہیں۔

بالفاظِ دیگر ہماری پوری قوم کی قوتِ مدافعت دم توڑنے والی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ غیروں کی غلامی اور مغربی تہذیب کی واہیات یلغار ہمارا مقدر بن چکی ہے۔ مجموعی طور پر پوری دنیا کے مسلمان غفلت کے بدترین نشے میں مدہوش ہیں۔ لیکن خصوصاً ہمارا معاشرہ جسمانی طور پر بے پناہ ضعف اور ناتوانی کا شکار ہے۔ میرے نزدیک اس کی سب سے بنیادی وجہ اربابِ مذہب و ملت کی غفلت ہے۔ ہمارے مذہبی رہنماؤں کے پاس موسیقی اور تصویر کو حرام قرار دینے کے لیے بے حساب وقت ہے۔ لیکن منشیات حرام قرار دینے کے لیے ان کے پاس کوئی وقت نہیں۔ حالانکہ تمام ماہرین نفسیات اس بات پر متفق ہیں کہ امریکہ سمیت دنیا کی زیادہ تر آبادی آج بھی اپنی روحانی بیماریوں کے لیے مذہبی رہنماؤں کے پاس جاتی ہے۔ اس حساب سے اگر ہمارے روحانی پیشوا انسدادِ منشیات کا بیڑا اٹھا لیتے۔ تو یہ بات یقینی تھی کہ ہماری پوری قوم صحتمند اور تندرست ہوتی۔

میں نے غالباً پہلی مرتبہ اس کام کا آغاز کیا۔ میں مذہبی احکامات اور روایات کی روشنی میں منشیات کے موضوع پر لکھنے کا آغاز کر رہا ہوں۔ اور میری شروع دن سے یہ کوشش رہی ہے کہ

میں ان نوجوانوں کے ساتھ مخاطب ہو سکوں۔ جو اپنے آپ کو جدید دور کا نمائندہ اور عاقل و دانا سمجھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مجھے اپنی تحریر میں روایات کے ساتھ ساتھ درایت کا بھی سہارا لینا پڑتا ہے۔ کیونکہ اس کمپیوٹرائزڈ دور میں، میں عقلی سطح پر سمجھائے بغیر کسی نوجوان کو اپنی بات کا قائل نہیں کر سکتا۔ چنانچہ میں نے فیصلہ کیا ہے کہ میں گذشتہ کتب کی طرح اس مرتبہ بھی جدید سائنس، فلسفہ اور جدید عقلیات سے دامن بچانے کی کوشش نہیں کروں گا۔ یہ مقالہ جس کا عنوان میں نے "نشہ اور اسلام" تجویز کیا ہے۔ صرف شراب کی معلومات و احکامات پر مبنی نہیں۔ بلکہ شراب سے تو یہ شروع ہوتا ہے اور تمام نشہ آور اشیاء کا جائزہ لیتا ہوا ہیروئن اور انجکشن تک چلا جاتا ہے۔ جبکہ فی الحقیقت یہ مقالہ میری پچھلی تصنیف "موسیقی، تصویر اور شراب" کا "حصہ دوئم" ہے۔

شراب ہمارے شعر و ادب کا لازمی جز و رہی ہے۔ چنانچہ ایک ادیب کی حیثیت سے میرے لیے یہ فیصلہ کرنا بھی بے حد مشکل ہے کہ میں بڑے بڑے صوفیاء اور "غالب" جیسے شعراء کے حسین شرابی کلام کو کس خانے میں تحریر کروں۔ اس لحاظ سے مجھے متوقع طور پر ابھی سے بہت سے ایسے مقامات دکھائی دے رہے ہیں۔ جہاں مجھے ایک خمار آلود شعر کو سراہنا ہوگا۔ اور شاعر کو داد دینا ہوگی۔ لیکن کیا اس طرح کی مثالیں دینے سے شراب جائز ہو سکتی ہے۔ نہیں! چنانچہ میں نے اپنے تئیں ایک بے لوث اور بے لاگ تنقید لکھنے کا فیصلہ کیا ہے۔

والسلام

ادریس آزاد ۲۵/۱۰/۲۰۰۳

P.O.BOX.1064 ISLAMABAD.

idreesazaad@hotmail.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب: 1 شراب کی حقیقت

شراب کی قدیم تاریخ : ہمارے پیش نظر شراب کی تاریخ اس کی اقسام یا تعداد کے حوالے سے نہیں۔ ہم یہ نہیں بتائیں گے کہ کون سے سن میں کون سی شراب کس ملک نے بنائی۔ ان معلومات کے لیے یورپی ممالک میں بہت سی کتابیں دستیاب ہیں۔ ہم تو یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ نشہ انسانی مزاج میں کون کون سے مراحل عبور کر کے داخل ہوا۔ کیونکہ ہمارا بنیادی مقصد ہی یہ دیکھنا ہے کہ نشہ انسانی فطرت کے کون سے تقاضے کو پورا کرتا ہے۔ اور انسان کیوں مجبور ہو جاتا ہے کہ وہ نشے کا سہارا لے۔

قدیم تاریخ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ زمانہ قبل از تاریخ میں نشہ صرف شراب کا ہی تھا۔ یہ ایران ساسان کا قدیم مذہب ہو۔ یا ہندوستان کا "برہمہ واد" .... یہ چین کی قدیم تاریخ ہو۔ یا بابل و نینوا کا حیران کن تمدن۔ یہ یونان کی دیو مالا ہو یا "سر کپ" کی گندھارا تہذیب۔ سب جگہ شراب ہی پی جاتی تھی۔ بائبل بھی فی الحقیقت تاریخی معلومات پر مشتمل ایک تاریخی دستاویز ہے۔ اگرچہ بائبل کے اخلاقی احکامات کی تعمیل اب کسی انسان پر عائد نہیں ہوتی۔ کیونکہ قرآن حکیم آنے کے بعد دنیا کے کسی انسان کو بائبل کی ضرورت نہیں رہی۔ یہی وجہ ہے کہ جب بائبل اور قرآن حکیم کے قصص کا موازنہ کیا جاتا ہے۔ تو بائبل میں موجود قصص الانبیاءؑ کو مستند اہمیت نہیں دی جاتی۔ اور ہونا بھی یہی چاہیے۔ دراصل تحریف شدہ بائبل میں اللہ تعالیٰ کے معصوم انبیاء کی ہتک اور توہین کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی گئی۔ یہ ایک الگ بحث ہے۔

اور فی الوقت ہمارے موضوع سے خارج ہے۔ لیکن پھر شراب کے حوالے سے جب ہم بائبل میں دی گئی تاریخ ملاحظہ کرتے ہیں تو ہمیں شراب کی تاریخ کے ساتھ ساتھ عیسائیت کی جانب سے معصوم انبیاء و رسل کے مطہر کردار پر اچھالے گئے کیچڑ کا بھی سامنا کرنا پڑتا ہے۔ جو یقیناً دلی رنج کا باعث ہوتا ہے چنانچہ مجبوراً ہمیں بائبل کے بعض واقعات کو نہ ماننے کا مخلصانہ فیصلہ کرنا پڑتا ہے۔

بائبل میں شراب کا پہلا ذکر "حضرت نوحؑ" کے حوالے سے ہے۔ بائبل میں لکھا ہے کہ:

> "اور نوح کاشتکاری کرنے لگا۔ اور اس نے ایک انگور کا باغ لگایا۔ اور
> اس نے اس کی مے پی۔ اور اسے نشہ آیا۔ اور وہ اپنے ڈیرے میں
> برہنہ ہو گیا۔ اور کنعان کے باپ "حام" نے اپنے باپ کو برہنہ دیکھا۔
> اور اپنے دونوں بھائیوں کو باہر آ کر خبر دی۔ تب "سم" اور "یافت" نے
> ایک کپڑا لیا۔ اور اسے اپنے کندھوں پر دھرا۔ اور پیچھے کو الٹے چل کر
> گئے۔ اور اپنے باپ کی برہنگی ڈھانکی۔" (بائبل، باب: پیدائش)

شراب کا پہلا باقاعدہ واقعہ جو پیش آیا۔ اور درج کیا گیا، یہی ہے۔ لیکن اس میں حضرت نوحؑ کی معصومیت پر دھبہ آتا ہے۔ لہٰذا جی نہیں چاہتا کہ اسے من و عن تسلیم کر لیا جائے۔ ہاں! یہ ہو سکتا ہے کہ حضرت نوحؑ نے انگور کا باغ لگایا ہو اور مے بھی بنائی ہو.......... کیونکہ شراب کے حرام ہونے کا حکم تو صرف قرآنِ حکیم میں وارد ہوا ہے۔

اگر حضرت نوحؑ نے مے بنائی یا استعمال کی تھی۔ تو ہمارے لیے شراب کی تاریخ معلوم کرنا زیادہ مشکل نہیں رہ جاتا۔ باریک بینی سے اعداد و شمار نکالے بغیر ہم کہہ سکتے ہیں کہ کم و بیش آٹھ سے نو ہزار سال پہلے شراب کا استعمال شروع ہو گیا تھا۔ اور یہ تاریخ اس شرط پر طے کی جا سکتی ہے۔ جب ہم بائبل میں درج حضرت نوحؑ کا واقعہ درست تسلیم کر لیں۔ واللہ اعلم۔

اگلے مرحلے پر ہمیں کتابِ مقدس کے باب پیدائش میں ہی حضرت اسحٰقؑ کی دعا دکھائی دیتی ہے۔

> "سو وہ اس کے نزدیک لے آیا۔ اور اس نے کھایا۔ اور وہ اس کے لیے
> مے لایا۔ اور اس نے پی۔ پھر اس کے باپ اسحٰقؑ نے اس سے
> کہا۔ اے میرے بیٹے! اب پاس آ کر مجھے چوم.........خدا آسمان کی
> اوس اور زمین کی فربہی اور بہت سا اناج اور مے تجھے بخشے۔"

بائبل میں جہاں قصص الانبیاءؑ کے ساتھ شراب کی بتدریج آگے بڑھتی ہوئی تاریخ دکھائی دیتی ہے۔ وہاں بعض مقامات پر شراب کی ممانعت کے آثار بھی دھیرے دھیرے پیدا ہوتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں۔ جس سے ہم بڑی آسانی کے ساتھ یہ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ زمانہ قدیم سے ہی شراب کے ضرر رساں پہلو عالمِ انسانیت کے سامنے آنا شروع ہو گئے تھے۔ دراصل شراب اپنے اولین زمانہ سے ہی کبھی بھی اچھی چیز نہیں سمجھی گئی۔ حالانکہ اس دور میں انسانی صحت کا معیار بہت بلند اور عمدہ تھا۔ لوگ جفاکش اور تناور ہوا کرتے تھے۔ اور ایسی کوئی بات سامنے نہ تھی۔ جسے دیکھ کر یہ کہا جاتا کہ شراب جسم کے لیے نقصان دہ ہے۔ صرف شراب پینے کے بعد شرابیوں کا طرزِ عمل سامنے تھا۔ اور آغاز ہی میں لوگ اتنا تو جاننے لگ گئے تھے کہ شراب پی کر انسانی حواس معطل ہو جاتے ہیں۔ اور حیوانی خصلتیں غالب ہو کر سر اٹھانے لگتی ہیں۔ چنانچہ بائبل کے باب "احبار" میں پہلی مرتبہ خداوند کی طرف سے شراب کی ممانعت کا سامنے آتا ہے:

> "اور خداوند نے ہارون سے کہا۔ تو یا تیرے بیٹے مے یا شراب پی کر
> کبھی خیمہء اجتماع کے اندر داخل نہ ہونا۔ تا کہ تم مر نہ جاؤ۔ یہ تمہارے
> لیے نسل در نسل ہمیشہ تک ایک قانون رہے گا۔ تا کہ تم مقدس اور عام

اشیاء میں اور پاک اور ناپاک میں تمیز کر سکو۔"

مسلمانوں کی مسجد جسے ہم خیمہ اجتماع کہہ سکتے ہیں......... "صلوٰۃ"......... کی جگہ ہے۔ اور قرآن حکیم میں حکم وارد ہوا ہے کہ:

"اور تم صلوٰۃ کے قریب بھی مت جانا۔ جب تم نشے کی حالت میں ہو۔"

مذکورہ بالا دونوں احکامات جن کے مابین کم وبیش چار پانچ ہزار سال کا فرق ہے۔ خالق کائنات کی جانب سے ہیں۔ جن سے ثابت ہوتا ہے کہ شراب پی کر خیمہ اجتماع یا مسجد میں داخل ہونا اللہ کے نزدیک شروع دن سے جرم ہے۔ چار پانچ ہزار سال کے بعد بھی اللہ تعالیٰ کا وہی حکم اسی طرح انسانوں کے لیے دوبارہ وارد ہوا۔ اور بائبل کا یہ کہنا......... "یہ تمہارے لیے نسل در نسل ہمیشہ تک ایک قانون رہے گا۔"......... درست ثابت ہوا۔

شراب کی تاریخ لکھتے ہوئے کسی مؤرخ کو بائبل کا مطالعہ ضرور کرنا پڑیگا۔ کیونکہ منشیات کا مسئلہ ماضی میں اتنا اہم نہ تھا کہ ماضی میں اس پر لکھا جاتا، اور تاریخ بنتی۔ چنانچہ قدیم کتابوں میں شراب کی تاریخ سے متعلق مواد زیادہ تر بائبل میں ہی مل سکتا ہے۔ چنانچہ بائبل کے باب "قضاۃ" میں حکایت درج ہے:

"ایک زمانہ میں درخت چلے۔ تاکہ کسی کو مسح کر کے اپنا بادشاہ بنائیں۔ سو انہوں نے زیتون کے درخت سے کہا کہ تو ہم پر سلطنت کر۔ تب زیتون کے درخت نے ان سے کہا کہ میں اپنی چکناہٹ کو جس کے باعث میرے وسیلہ سے لوگ خدا اور انسان کی تعظیم کرتے ہیں۔ چھوڑ کر درختوں پر حکمرانی کرنے جاؤں؟ تب درختوں نے انجیر کے درخت سے کہا کہ تو آ اور ہم پر سلطنت کر پر انجیر کے درخت نے ان سے کہا کہ میں اپنی مٹھاس اور اچھے اچھے پھلوں کو چھوڑ کر درختوں پر حکمرانی کرنے جاؤں؟ تب درختوں نے انگور کی بیل سے کہا کہ تو آ اور ہم پر سلطنت کر۔ انگور کی بیل نے ان سے کہا۔ کیا میں اپنی مے (شراب) کو جو خدا اور انسان دونوں کو خوش کرتی ہے۔ چھوڑ کر درختوں پر حکمرانی کرنے جاؤں۔"

اس سے اور کچھ ثابت ہو نہ ہو اتنا ضرور ثابت ہوتا ہے کہ شراب کی قدامت اور تاریخ کے ائدے زمانہ قبل از شعور سے جا ملتے ہیں۔ اور صرف تاریخ ہی پتہ نہیں چلتی۔ یہ بھی یقینی طور پر علوم پڑتا ہے کہ شراب کو اللہ تعالیٰ نے شروع دن سے ہی انسانوں کے لیے ناپسند فرمایا۔ "باب قضاۃ" میں ہی ہے......... "سو تو مے یا نشہ کی چیز نہ پینا"...........

بائبل میں شراب کی تاریخ دیکھ کر یوں لگتا ہے۔ جیسے زمانہ قدیم میں شراب عام روزمرہ لی اشیائے خورد ونوش کا حصہ تھی۔ لوگ گندم، مویشی اور زیتون کا تیل جمع کرنے کے ساتھ ساتھ شراب کو بھی بڑے پیمانے پر ذخیرہ کیا کرتے تھے۔ بائبل پر ہی کیا موقوف قدیم تاریخ لی کوئی بھی کتاب اٹھا کر دیکھیے! زمین پر جہاں جہاں انسان بستے تھے، بنیادی ضروریات ندگی میں شراب ہمیشہ ان کے ساتھ رہتی تھی۔

زمین سات براعظموں پر مشتمل ہے۔ جن میں سے زیادہ تر براعظم کم آبادیوں کے حامل ہیں۔ صرف خشکی کے وہ ٹکڑے جو خطِ استواء کے دائیں بائیں واقع ہیں۔ بقائے حیات کے لیے معتدل تھے۔ چنانچہ براعظم ایشیا، یونان اور براعظم افریقہ میں صرف مصر کے علاقے یسے تھے۔ جہاں ابتدائی زندگی اور پھر ابتدائی تہذیب وتمدن نے آنکھ کھولی۔ لہٰذا اب تک کی علوم تاریخ بھی انہیں علاقوں میں بسنے والے انسانوں کی داستان حیات ہے۔ "ہیروڈوٹس" ندمہ اور ابن خلدونؒ جیسے مؤرخین نے بھی ان تمام علاقوں میں شراب کی ایک جزو اشیائے ونوش کی حیثیت سے موجودگی کا ذکر کیا ہے۔

اب تک کی تحقیقات میں سب سے اہم "پیٹر میک گوورن" کی تحقیق ہے۔ پیٹر میک یونیورسٹی آف کیلیفورنیا کے میوزیم میں آثارِ قدیمہ کا ماہر ہے۔ پیٹر میک نے 1968ء میں اب تک کی سب سے "قدیم" شراب کا مٹکا دریافت کیا۔ وہ ایران میں آثارِ قدیمہ کی تلاش پر مامور تھا۔ پیٹر میک کو اپنی ٹیم کے ہمراہ ترکی اور عراق کی مشترکہ سرحد کے قریب ایک مقام سے ایسا برتن ملا۔ جسے شراب کا مٹکا سمجھا جا سکتا تھا۔ میک گوورن نے اس مٹکے کی دریافت کے بعد اوّلین شراب کی ایجاد پر باقاعدہ تحقیقات کا سلسلہ شروع کر دیا۔ شراب کا یہ مٹکا اب بھی یونیورسٹی آف کیلیفورنیا کے میوزیم میں موجود ہے۔ اس شراب کا نہایت باریک بینی سے تجزیہ کیا گیا۔ جس کے نتیجے میں یہ معلوم ہوا کہ اس شراب میں دو اچھوتے اجزاء موجود تھے۔ نمبر 1 ......ٹارٹارک ایسڈ اور نمبر 2......... پیروزہ کے درخت سے حاصل کردہ رال...... ٹارٹارک ایسڈ اتنے زیادہ تناسب کے ساتھ صرف انگور میں ہی پایا جاتا ہے۔ جبکہ پیروزہ کی رال غالباً شراب کو طویل عرصے تک محفوظ کرنے کے لیے استعمال کی گئی تھی۔ اندازہ ہے کہ شراب کا یہ برتن پانچ ہزار چار سو 5400 سے پانچ ہزار 5000 قبل مسیح کے زمانے کا ہے۔ جبکہ ایران کے اس علاقے میں "میری تہذیب" کے لوگ آباد تھے۔ یہ گویا آج سے سات ہزار سال پہلے کی بات ہے۔ شراب نے پرانی تہذیب کے ساتھ ساتھ بتدریج ترقی کی اور زمانہ حال تک پہنچی۔

قدیم ایران کی تاریخ میں "داریوش اعظم" اور ہخامنشی" حکمرانوں کی داستانیں بھی شراب کے ذکر سے لبریز ہیں۔ اور ہندو یونان کی دیومالا بھی شراب کے بغیر نامکمل ہے۔ لیکن ہم طوالت کے خدشہ کے پیشِ نظر شراب کی قدیم تاریخ کے ذکر کو یہیں پر تمام کرتے ہیں۔

اور یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ شراب زمانہ قبل از تاریخ سے پانی کی طرح انسان کے ساتھ ساتھ چلتی ہوئی زمانہ اسلام تک پہنچی اور پہلی مرتبہ اسلام نے اس موذی چیز کو مکمل طور پر حرام قرار دے دیا۔ وہ کام جو آٹھ ہزار سال میں سرانجام نہ دیا جا سکا۔ اسے تاریخ میں پہلی مرتبہ اسلام نے سرانجام دیا۔ لیکن شراب کی حرمت کا فیصلہ کرتے کرتے عالمِ فطرت نے آٹھ ہزار سال صرف کر دیے۔ محض اس لیے کہ بتدریج انفس و آفاق اور عبرو بصائر نے یہ ثابت کیا۔ یہ چیز انسان کے لیے اچھی نہیں۔ بالفاظِ دیگر اللہ تعالیٰ نے تاریخی عمل کے ذریعے انسانوں کو سمجھایا کہ کوئی چیز کیونکر بری ہو سکتی ہے۔ دوسرے مذاہب میں عیسائیت ہے، جس نے شراب کو برا بھی کہا بھلا بھی۔

بائبل میں شراب کو غارت گر ایمان بھی کہا گیا ہے۔ اور تحفہ، خداوندی بھی۔ اسی طرح ہندومت، بدھ مت، یہودی اور مجوسی بھی شراب کو نہ پوری طرح برا کہہ سکے۔ نہ پوری طرح اچھا۔

کڑوا مشروب

شراب ایک کڑوا مشروب ہے...... یہی بات ثابت کرتی ہے کہ انسان نے بقائمی ہوش وحواس شراب پینے کا عمل اختیار کیا...... کیونکہ کوئی بھی ذی حیات کسی بدذائقہ یا کڑوی چیز کو کھانا یا پینا پسند نہیں کرتا۔ ہم جب حیوانات یا معصوم بچوں کا مطالعہ کرتے ہیں۔ تو یہ حقیقت کھل کر ہمارے سامنے آ جاتی ہے۔ حیوانات خصوصاً چرند کوئی کڑوی کسیلی یا ترش خوراک کھانا پسند نہیں کرتے۔ اور جب وہ بیمار ہو جاتے ہیں۔ تو انہیں کڑوی دوائیں کھلانے کے لیے ماہرین کو طرح طرح کے حربے اختیار کرنے پڑتے ہیں۔ بالکل اسی طرح بچے بھی صرف میٹھی اور خوش ذائقہ غذا کو پسند کرتے ہیں۔ جب کوئی بچہ بیمار ہو جائے۔ اور اسے دوا دینے کی ضرورت پیش آئے۔ تو کڑوی دوا اس کے حلق میں اتارنے کے لیے ماں باپ کو نہ جانے کیسے کیسے جتن کرنے پڑتے ہیں۔ لہٰذا یہ ثابت ہوتا ہے کہ کوئی بھی بدذائقہ یا کڑوی چیز ایک باشعور

اور سمجھدار شخص ہی اپنی مرضی سے استعمال کرسکتا ہے۔ ظاہر ہے کوئی شخص ایسا اسی وقت کرتا ہے۔ جب اسے استعمال ہونے والی غذا کی تاثیر اور اس کے اچھے یا برے نتائج کا پہلے سے علم ہو۔ جانور یا بچے یا فاطر العقل لوگ دوا کی تاثیر اور اچھے نتائج سے بے خبر ہوتے ہیں چنانچہ کڑوی دوا انہیں اپنے ساتھ .... ظلم محسوس ہوتی ہے۔ اور وہ احتجاج کرتے یا شور مچاتے ہیں۔ لیکن ایک باشعور شخص کڑوی دوا کو بے فکر ہو کر پی لیتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ یہ ظلم نہیں، محض وقتی جبر ہے۔ جس کا نتیجہ صحت یابی اور بہتری کی صورت میں نکلے گا۔

شراب ایک کڑوا مشروب ہے۔ یہ تند و تیز اور تلخ ہوتی ہے۔ اس کا ایک گھونٹ حلق کو تلخ اور منہ کے ذائقہ کو دیر تک بدمزہ رکھتا ہے۔ نہ تو حسِ لامسہ کو اور نہ ہی حسِ ذائقہ کو ...... شراب کا گھونٹ حلق میں اتارتے وقت کوئی لطف آتا ہے۔ بلکہ تلخ گھونٹ سے ایسی بدمزگی پیدا ہوتی ہے۔ کہ ہر شرابی کڑواہٹ سے بیقرار ہو کر منہ بگاڑ لیتا ہے۔ لیکن پھر بھی لوگ کثرت سے شراب پیتے ہیں۔ دراصل وہ جانتے ہیں کہ گھونٹ کی کڑواہٹ وقتی اور کم تر ہے۔ اس کے مقابلے میں نشہ اور سرور زیادہ بہتر ہیں۔

تصریحات بالا سے حتمی طور پر یہ ثابت ہوتا ہے کہ شراب ان اعمال و افعال میں سے ہے۔ جنہیں انسان نے شعور کی دولت ملنے کے بعد اختیار کیا۔ اور انسان نے دانستہ طور پر یہ کڑوا مشروب پینے کی راہ اپنائی۔ لیکن یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ پہلے پہل ماضی قدیم میں جب انسان نے شراب پی ہوگی۔ تو کیوں پی ہوگی؟ پہلے پہل انسان کو اس کڑوے گھونٹ کے پُر سرور نتائج سے کس نے آگاہ کیا ہوگا۔ انسان جو اپنے ناپختہ شعور کے ساتھ یقیناً کڑوی کسیلی غذاؤں سے اجتناب کرتا رہا ہوگا۔ کیونکر اپنے بھولپن کے زمانے میں ایک کڑوا گھونٹ بھرنے کے لیے آمادہ ہوا ہوگا۔ اس سوال کا جواب دینے کے لیے صرف مفروضے کا سہارا لیا جاسکتا ہے...... میں فرض کرتا ہوں کہ دس ہزار سال پہلے انگور کے گچھے کسی پتھر کے برتن

میں پڑے پڑے گل سڑ گئے۔ اور ان سے متعفن پانی نچڑ کر برتن میں جمع ہوگیا۔ اور پھر ایک پیاسا انسان اس پتھر کے پاس پہنچا اور نچڑے ہوئے انگوروں کے پانی کو دیکھ کر بیتاب ہوگیا۔ اس نے چلو بھر پانی پیا۔ لیکن اس کی تلخی کو محسوس کر کے منہ بسورا۔ اور پانی کو چھوڑ دیا۔ اگلے لمحے گلے سڑے انگوروں کا متعفن پانی جو درحقیقت شراب تھا۔ اس پر اپنا اثر دکھانے لگا۔ اور اسے اپنی پیاس سمیت سب کچھ بھول گیا۔ وہ مسرور ہوگیا۔ اور اسے اس حقیقت کا انکشاف ہوا کہ انگور گل سڑ کر سرور پیدا کرنے والا پانی بن جاتے ہیں۔ لیکن وہ پانی تلخ اور بدبودار ہوتا ہے۔ اسی طرح کا کوئی مفروضہ ہی اس سوال کا جواب دے سکتا ہے کہ انسان نے پہلے پہل شراب کیونکر پی ہوگی۔ دراصل انگور ہی ایک ایسی چیز ہے۔ جو بہت جلد گل سڑ جاتا ہے۔ اور اس کا رس خود بخود نکلنے لگتا ہے۔ انسان کو سب سے پہلے انگور کی شراب کا ہی پتہ چلا۔ اس وقت تک وہ یہ نہ جانتا تھا کہ دوسرے پھل بھی گل سڑ کر شراب بن سکتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ صدیوں تک صرف انگور کی شراب ہی بنائی جاتی رہی۔ تمام قدیم تاریخ کی کتابوں میں انگور کی شراب کا ذکر ملتا ہے۔ اسی لیے انگور کی شراب آج بھی تمام شرابوں سے بہتر اور عمدہ سمجھی جاتی ہے۔ حالانکہ حقیقت اس سے زیادہ کچھ نہیں کہ قدیم دور کے انسان کو علم ہی صرف انگور کی شراب کے بارے میں تھا۔

انگور کی بیٹی

ایک من چلے شاعر نے حضرتِ واعظ کو دیکھا کہ وہ انگور کھا رہے تھے۔ وہ بے ساختہ کہہ اٹھا:

وہ مے کی گولیاں کھاتے ہیں ہم ساغر میں پیتے ہیں

شاعر نے انگور کو مے کی گولیاں قرار دیا۔ خیر! یہ تو شاعرانہ ظرافت کی بات تھی۔ فی الحقیقت بھی شراب کو دخترِ انگور کہا جاتا ہے۔ کیونکہ پہلے پہل شراب انگور سے نکالی گئی۔

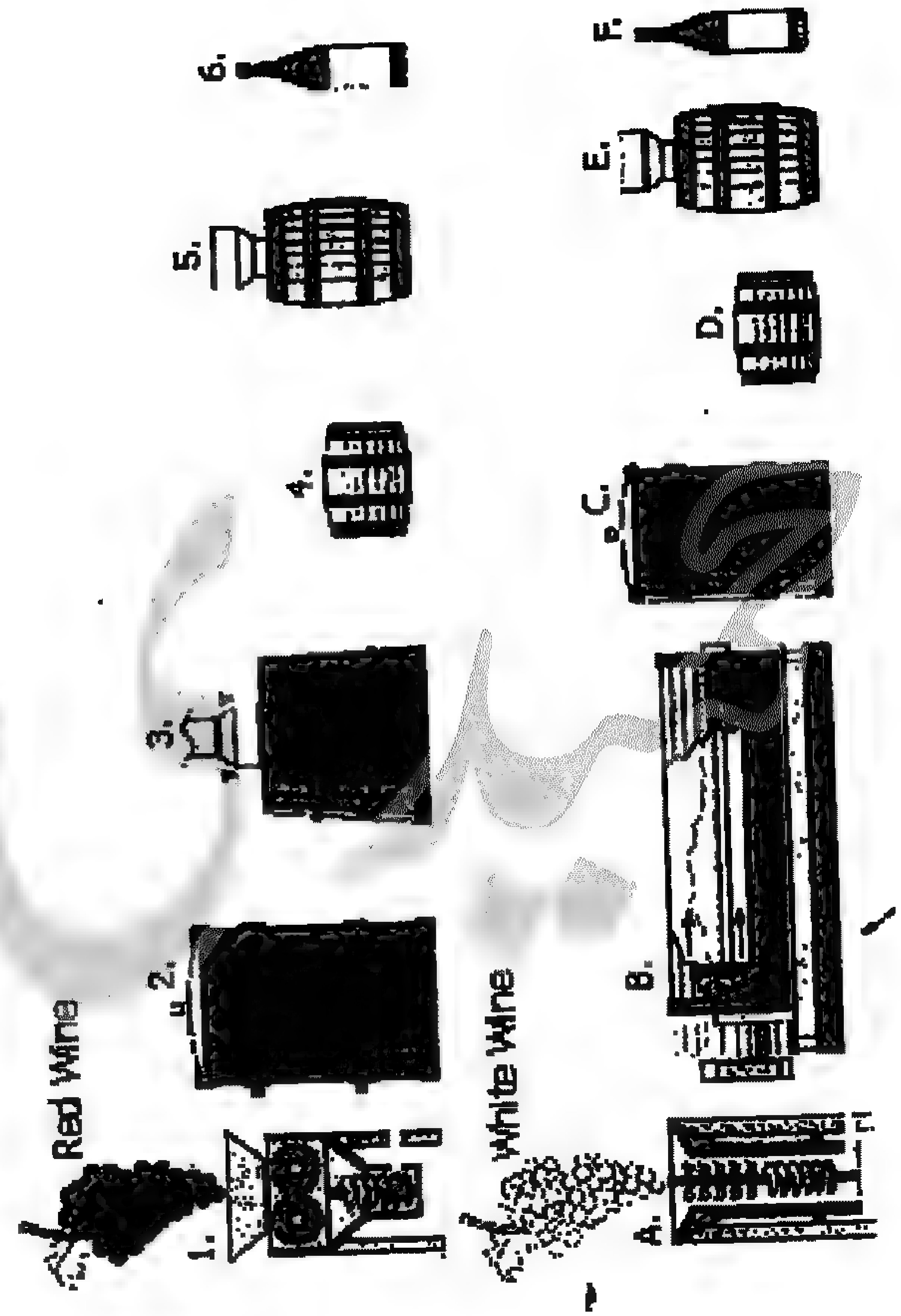

انگور ایک خوش ذائقہ اور لذیذ پھل ہے۔ انگور کا باقاعدہ درخت نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کی بیلیں ہوتی ہیں۔ انگور کی کئی قسمیں ہیں۔ اور ہر قسم سے الگ الگ ذائقے اور الگ الگ تاثیر کی شرابیں بنتی ہیں۔ برِصغیر پاک و ہند اور شام و فلسطین کے علاوہ افغانستان میں یہ پھل بکثرت پیدا ہوتا ہے۔ عربی میں اسے "عنب" کہتے ہیں یہی وجہ ہے کہ انگوری رنگ کو "عنابی" کہا جاتا ہے۔ قرآن حکیم میں جنت کے مناظر بیان کرتے ہوئے متعدد جگہ انگور کا ذکر کیا گیا ہے۔ گجراتی زبان میں اسے "دھڑاکھ" بنگالی زبان میں "دراکھیہ" اور انگریزی میں "گریپ" (Grap) کہا جاتا ہے۔ مشہور میوہ ہے۔ چھوٹے انگور کو جس میں دانہ نہیں ہوتا، بدانہ کہتے ہیں۔ اس کا ذائقہ شیریں، چاشنی دار اور معمولی سا ترش ہوتا ہے۔ حکماء کے نزدیک اس کا مزاج گرم و تر بدرجہء اول ہے۔ کچے انگور کا مزاج........ سرد و خشک درجہ اوّل ہے۔ "کرفس" کے بیج، بادیان اور سکنجبین اس کی اصلاح کرتے ہیں۔ بالفاظِ دیگر ان اشیاء کے ہمراہ انگور کا استعمال زیادہ نفع بخش ہے۔

یہ میوہ خشک حالت میں "کشمش" کہلاتا ہے۔ بڑا انگور خشک ہو کر "منقی" بن جاتا ہے۔ انگور، کشمش اور منقی، سب سے شراب بنتی ہے۔ یہ زود ہضم میوہ ہے۔ کثیر الغذاء ہے۔ صاف خون بہت زیادہ پیدا کرتا ہے۔ میلے خون کو صاف کرتا ہے۔ بدن کو فربہ کرتا ہے۔ جسم سے فاسد اور فاضل مادے خارج کرتا ہے۔ اس میں 16.7 فیصد "کاربوہائیڈریٹس"، 8 فیصد "پروٹین" کے علاوہ وٹامن "اے"، وٹامن "سی"، کیلشیم اور آئرن بھی کافی مقدار میں پایا جاتا ہے۔ (کتاب المفردات)

شراب انگور کی بیٹی ہے۔ جب انگور گل سڑ کر خراب ہو جاتے ہیں، ان سے شراب پیدا ہوتی ہے...... آپ نے غور کیا۔ جب انگور گل سڑ کر خراب ہو جاتے ہیں۔ تو ان سے شراب پیدا ہوتی ہے۔ گویا شراب انگور کی بدشکل اور مکروہ بیٹی ہے۔ کیونکہ انگور یا کوئی بھی پھل جب گل سڑ کر

بد بودار ہو گیا، متعفن ہو گیا، غلیظ ہو گیا۔ بالفاظِ دیگر خراب ہو گیا تو شراب پیدا ہوئی۔ قدرت کے اس نظام کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔ کیسا طلسماتی مزاج ہے، عالمِ فطرت کا۔ ایک چیز، ...... ایک کھانے پینے کی چیز صاف ستھری اور معتدل استعمال کی جائے۔ تو دل و دماغ معتدل اور صاف ستھرے ہو جاتے ہیں۔ لیکن شراب جو غلاظت کے بطن سے پیدا ہوئی۔ دل و دماغ کو غلیظ اور شر پسند بنا دیتی ہے۔ اور پھر یہی نہیں۔ شراب کو دیکھ کر ہی کوئی فلسفۂ خیر و شر کو سمجھنے والا شخص بخوبی یہ اندازہ لگا سکتا ہے کہ اس میں کتنا نفع اور کس قدر نقصانات ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ غلاظت کے بطن سے پیدا ہونے کے باوجود جب شراب شیشے کے جام میں چھلکتی ہوئی دکھائی دیتی ہے، تو اس کی تمام تر بد صورتی حسن و لطافت میں بدل جاتی ہے۔ گلے سڑے انگوروں سے پیدا ہونے والا پانی ظاہری شکل و شباہت کے لحاظ سے ایک بار پھر حسین چیز دکھائی دینے لگتا ہے۔ یہ چھلکتا ہوا خوبصورت پانی جس قدر حسین ہے۔ اس قدر خوبیاں بھی اس میں مضمر ہیں۔ لیکن یہ پانی جتنا بد ذائقہ اور بد بودار ہے۔ اتنی خامیاں بھی اس میں پوشیدہ اور مضمر ہیں۔

شراب شیشے کے جام میں بلاشبہ خوبصورت دکھائی دیتی ہے۔ لیکن یہ اس کا ظاہری حسن ہے، ناگن بھی تو بظاہر خوبصورت دکھائی دیتی ہے۔

شراب اہلِ یونان کی نظر میں

طبِ یونانی میں شراب پر بہت زیادہ تحقیقات کی گئیں۔ انہیں تحقیقات کو ہم شراب پر پہلی باقاعدہ ریسرچ تصور کریں گے۔ کیونکہ یونان سے پہلے شراب بنانے اور پینے کا تذکرہ تو خوب ملتا ہے۔ لیکن کہیں سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ شراب کی ماہیت اور اس کے انسانی جسم پر طبی اثرات کیا کیا ہیں۔ شراب پر ہی کیا موقوف۔ یونانی حکماء نے میڈیکل سائنس پر جتنا بھی

ہ م کیا ہے۔ وہ ان سے پہلے کسی نے نہیں کیا۔ ”حکیم بقراط، جالینوس، بطلیموس، افلاطون اور ارسطو“ ...... دنیائے حکمت میں آج بھی اساتذہ مانے جاتے ہیں۔ ”سقراط“ کے نزدیک انسان کے مطالعے کا مرکز صرف انسان ہی تھا۔ سقراط کی پیروی میں دیگر یونانی حکماء بھی ارض و سمٰوات اور گردشِ لیل و نہار کے مطالعے سے دور رہے۔ افلاطون کے نزدیک تو یہ تمام علوم محض ”گمان“ سے زیادہ کچھ نہ تھے۔ البتہ یونانیوں نے انسان پر بہت کام کیا۔ لیکن پھر بھی ان کا کام ادھورا رہا۔ یہ اس وقت تک مکمل نہ ہو سکتا تھا۔ جب تک اس میں وحی کی مستقل اقدار کو شامل نہ کیا جاتا۔ انسان پر تحقیقی نظر رکھتے ہوئے لامحالہ سب سے زیادہ گہری نظر جسمانی افعال اور طب پر ہی پڑنی چاہیے تھی۔ چنانچہ یہی ہوا۔

یونانی ماہرین ادویہ نے ایسی ایسی دوائیں ایجاد کیں۔ جو آج ڈھائی ہزار سال گزر جانے کے بعد بھی بعینہٖ اسی نسخے کے ساتھ استعمال ہوتی آرہی ہیں۔

آپ نے ”جوارش جالینوس“ کا نام سنا ہوگا۔ یہ دوا یونانی حکیم جالینوس نے تیار کی تھی۔ جو آج بھی اسی نسخے کے مطابق تیار کی جاتی ہے۔ اور آج بھی اسی طرح مفید اور نفع بخش ہے۔

شراب یونانیوں کی روزمرہ کی خوراک میں شامل تھی۔ اسے یونانی مذہب میں ایک مقدس مشروب سمجھا جاتا تھا۔ ”اہلِ بابل“ تو باقاعدہ شراب کی پوجا کیا کرتے تھے۔ اسی زمانے میں یونانی دیوتاؤں کے حضور بھی عمدہ شراب کے چڑھاوے ...... چڑھائے جاتے تھے۔ ”ایتھنز“ کا ہر شخص شراب پیتا تھا۔ اہلِ سپارٹا کو شراب حکومت کی طرف سے مفت مہیا کی جاتی تھی۔ یونانیوں کا خیال تھا کہ آسمانوں پر ان کے دیوتا بھی شراب پیتے ہیں۔ ”نیاز فتح پوری“ کے مضمون ”نگارستان“ میں درج ہے کہ ...... یونان کے ایک بادشاہ کی بیٹی سائیکی کے غیر معمولی حسن کا شہرہ سن کر آسمانوں کی دیوی ”وینس“ نے اپنے بیٹے ”کیوپڈ“ کو ”سائیکی“ کا شکار کرنے زمین پر بھیجا۔ ”کیوپڈ“ ہاتھ میں کمان اور کمر پر ترکش

لیے جب زمین پر پہنچا۔ تو سائیکی کا حسن دیکھ کر تیر چلانا بھول گیا۔ اسے سائیکی سے عشق ہو گیا۔ وینس دیوی غصے میں آ گئی۔ اور اس نے سائیکی کو ’’کوہ اولمپس‘‘ پر پھنکوا دیا۔ جہاں بے چارہ کیوپڈ اس کی حفاظت کرتا رہا۔ آخر کار وینس کی ایک کڑی شرط پوری کر کے سائیکی نے کیوپڈ کو جیت لیا۔ اور ’’جیوپیٹر‘‘ نے جو کیوپڈ کا باپ تھا۔ سائیکی کو ’’آسمانی شراب‘‘ پلائی۔ اور یوں اسے آسمان کی غیر فانی مخلوق میں شامل کر لیا‘‘ ....گویا یونانیوں کے دیوتا خود بھی شراب پیتے تھے۔ اور زمین کے کسی انسان کو بھی جب پلاتے تھے، تو وہ غیر فانی اور ابدی ہو جاتا تھا۔ یونان کا مشہور صوبہ ’’سپارٹا‘‘ جہاں پہلا ’’کمیونزم‘‘ نافذ کیا گیا تھا۔ ’’لائی کرگس‘‘ کے نظریات اور آئین کی بدولت مشہور ہے۔ ’’سبط حسن‘‘ کے بقول:

> ’’لائی کرگس کے آئین کے مطابق ’’سپارٹا‘‘ کے شہریوں کے لیے لنگر خانے میں ایک ساتھ بیٹھ کر یکساں غذا کھانا لازمی تھا۔ کھانے میں فقط روٹی، پنیر، شراب، انجیر، سبزیاں اور گوشت ملتا تھا‘‘

یہ ثابت کرنے کے لیے۔ شراب اہل یونان کے استعمال میں پانی کی طرح رہتی تھی۔ بیسیوں حوالے پیش کیے جا سکتے ہیں۔ لیکن اس طرح ہم اپنے موضوع سے دور چلے جائیں گے۔ مختصر یہی ہے کہ اہل یونان جو اولین فلسفی اور طبیب شمار کیے جاتے ہیں۔ شراب کو ایک متبرک غذا سمجھتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے اپنی عادت کے مطابق شراب کی ماہیت اور اثرات ونتائج........ جو بیان کیے وہ آج بھی درست تسلیم کیے جاتے ہیں۔

اگرچہ یونانیوں سے پہلے دنیا کے مختلف خطوں میں انبیاء ورسل کی آمد کا سلسلہ جاری تھا۔ اور انبیاء ورسل سے بڑھ کر کوئی دانا اور فلسفی، حکیم یا طبیب نہیں ہوتا۔ لیکن ہمارے پاس عیسائیوں کی مقدس کتاب ’’بائیبل‘‘ کے سوا اور کوئی ریکارڈ نہیں۔ جس سے ہم شراب کے طبی خواص کا مطالعہ کر سکیں۔ اور بائیبل نے تو جیسے کہ ہم قبل ازیں ذکر چکے ہیں۔ شراب کو........ تکثیر، فساد

اور لذت وانبساط پیدا کرنے والی لکھا ہے۔ چنانچہ ہمیں وہ پہلے طبی خواص جو حکماء نے بیان کیے طب یونانی سے ہی لینے پڑتے ہیں۔ لیکن کیا یہ ضروری ہے۔ کہ ہم شراب کے خواص بیان کرنے کے لیے قدیم طب یونانی کا سہارا لیں۔ ہم شراب کے بارے میں اب تک کی تمام طبی تحقیقات کا ملخص بھی تو پیش کر سکتے ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اب تک کی تمام تحقیقات آج بھی یونانی نتائج سے باہر نہیں۔ البتہ ہم ذیل میں طب یونانی کے خواص بیان کرتے ہوئے طب اسلامی اور میڈیکل سائنس کے دائرہ کار سے باہر بھی نہیں جائیں گے۔

طبِ یونانی اور شراب

شراب ایک نشہ آور سیال ہے۔ مختلف اجزاء کے لحاظ سے اس کی بہت سی قسمیں ہیں۔ میٹھے رس سے نکالی گئی شراب کو ’’شکری سیال‘‘ کہتے ہیں۔ عموماً شراب انگور، سیب، کھجور، جو اور گندم سے بنائی جاتی ہے۔ شراب کا کوئی ایک رنگ نہیں ہوتا۔ شراب کی رنگت کا انحصار اسے بنانے کے طریقوں یا پھلوں کی قسموں پر ہوتا ہے۔ اس کا ذائقہ تلخ اور بدبودار ہوتا ہے۔ اور اس کا مزاج بھی مختلف ہے۔ پرانی شراب گرم اور خشک ہوتی ہے۔ جبکہ نئی شرابوں میں سے بعض گرم خشک اور بعض گرم تر ہوتی ہیں۔ حتیٰ کہ جو کی شراب سرد خشک شمار کی جاتی ہے۔ ’’حکیم مظفر حسین اعوان‘‘ نے ’’کتاب المفردات‘‘ میں اس کی مقدار خوراک ڈھائی تولہ سے پانچ تولہ تک لکھی ہے۔ یہ معدے میں داخل ہوتے ہی تیزی سے حل ہونا اور بدن میں نفوذ کرنا شروع کر دیتی ہے۔ معدے اور آنتوں کے تعفن کو دفع کرتی ہے۔ طبیب حضرات بعض مواقع پر شراب کو مالش یا مرہم کے طور پر بھی استعمال کرتے ہیں۔ اس کا مساج کرنے سے متاثرہ جگہ کا درد جاتا رہتا ہے۔ جسم کے جس حصے پر شراب لگ جائے وہاں ٹھنڈک محسوس ہوتی ہے۔ اسے ’’رس کپور‘‘ یا سنکھیا کا جوہر اڑانے کیلیے بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ لمبی بیماری میں بستر پر پڑا رہنے سے جسم

کے بعض حصوں پر نشانات یا داغ پڑ جاتے ہیں۔ بعض اوقات تو زخم بھی ہو جاتے ہیں۔ جسم کے ان حصوں کی جلد کو دوبارہ اپنی اصل حالت پر لانے کے لیے ایک حصہ شراب اور تین حصے پانی ملا کر روزانہ لگاتے رہنے سے متاثرہ مقام درست ہو جاتا ہے۔ شراب غم کو رفع کرتی ہے۔ اور سرور پیدا کرتی ہے۔ میلریا، ٹائیفائیڈ، تپ دق اور ہر قسم کے بخاروں میں زیادہ عرصہ مبتلا رہنے پر مریض کا دل و دماغ کمزور ہو جاتا ہے۔ مریض پر ہذیان اور غفلت کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ ایسے میں تقویت کے لیے شراب پلانا مناسب ہے۔ جب سر پر چوٹ لگنے سے کوئی شخص بے ہوش ہو یا کسی زخمی کے جسم سے خون جاری ہو۔ تو ایسی حالت میں ہرگز شراب نہ دی جائے۔ بصورت دیگر مریض کو کبھی جان سے بھی ہاتھ دھونے پڑ سکتے ہیں۔ انعف پچنا تک "وسکی" تھوڑے سے شیر گرم پانی میں ملا کر سوتے وقت پینے سے اچھی نیند آتی ہے۔ عموماً اس مقصد کے لیے بچوں کو "برانڈی" بھی استعمال کروائی جاتی ہے۔ اگر بیماری سے اٹھے ہوئے کمزور اور لاغر اشخاص شراب کو بطور ایک دوائے غذائی کے رات کو کھانے سے قبل تھوڑی مقدار میں "سوڈا واٹر" یا عرق گاؤزبان" سے خوب ہلکی کر کے پئیں تو وہ فربہ ہو جاتے ہیں۔ البتہ اس عمل کے دوران مقوی غذا میں کھانا بھی ضروری ہیں۔

شراب سے دل و دماغ میں تحریک پیدا ہوتی ہے۔ اور دوران خون تیز ہو جاتا ہے۔ نبض و تنفس کی حرکات بھی تیز ہو جاتی ہیں۔ اور جسم میں گرمی محسوس ہوتی ہے۔ لیکن جب شراب پورے جسم میں حل ہو کر ختم ہو جاتی ہے۔ تو یک لخت جسم کی حرارت گھٹ جاتی ہے۔ اور ایسی حالت میں سردی لگ کر "نمونیا" ہو جانے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ اسی لیے موسم سرما میں گھر سے باہر جاتے وقت شراب پینا بہت مضر ہے۔ شراب پی کر ٹھنڈے پانی سے نہانا بھی ٹھیک نہیں۔ اور مجوزہ خوراک سے زیادہ شراب پی کر سو جانا تو آخر موت کا باعث بنتا ہے۔ اسی طرح موسم گرما میں شراب پی کر دھوپ میں چلنے پھرنے سے "لوزدگی" کے سبب مرگِ ناگہانی کا

شکار ہونا پڑتا ہے۔ ادنیٰ قسم کی دیسی شراب پینے سے درد سر کی شکایت ہو جاتی ہے۔ کیونکہ اس میں "فیوزل آئیل" اور دیگر مضر اجزاء ہوا کرتے ہیں۔ دن کے وقت بلاضرورت بطور عادت شراب پینا نہایت مضر ہے۔ اس کے کثرتِ استعمال سے دل، دماغ، معدہ، جگر اور گردوں پر بہت برا اثر پڑتا ہے۔ شرابی والدین کی اولاد مختلف امراض میں مبتلا ہونے کے لیے مستعد رہتی ہے۔ کثرتِ شراب نوشی سے چہرے کی رنگت تباہ ہو جاتی ہے۔ دورانِ خون تیز ہو جانے سے جلد کو ضرورت سے زیادہ غذائیت ملتی رہتی ہے۔ جس کی وجہ سے چکنائی اور پسینہ کے غدود کو زیادہ کام کرنا پڑتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ چہرے کی جلد موٹی، کھردری اور چکنی ہو جاتی ہے۔ اور مسامات نمایاں ہو جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ آنکھیں اپنی قدرتی چمک کھو کر گدلی اور دھندلی ہو کر رہ جاتی ہیں۔

شراب کا نشہ بڑھ جائے۔ اور شرابی بے ہوش ہو جائے۔ تو اسے ہوش میں لانے کے لیے گرم پانی اور نمک سے قے کروائی جاتی ہے۔ چہرے پر ٹھنڈے پانی کے چھینٹے مارے جاتے ہیں۔ اور اس کا سر اونچا کر کے........ سر پر برف کی پٹیاں لگائی جاتی ہیں۔ لیکن اس کا باقی جسم گرم رکھا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ بغلوں اور رانوں میں گرم پانی کی بوتلیں رکھ دی جاتی ہیں۔ یہاں تک کہ جب مریض ہوش میں آ جائے۔ تو اسے گرما گرم تیز چائے یا قہوہ پلانا بہتر ہے۔

"علامہ علاؤ الدین قرشی" مسلم دنیا کے نامور طبیب گزرے ہیں۔ انہوں نے "شیخ بوعلی ابن سینا" کی لافانی کتاب "القانون" کا خلاصہ "موجز القانون" کے نام سے کیا ہے۔

موجز القانون میں شراب کا ذکر

طبی دنیا میں "موجز القانون" کو بے پناہ مقبولیت اور وقعت حاصل ہے۔ "علامہ علاؤ الدین قرشی" کے اس شاندار خلاصہ کا........ برِ صغیر میں مختلف لوگوں نے ترجمہ کیا ہے۔

لیکن ”حکیم خواجہ رضوان احمد“ فاضل دارالعلوم دیوبند وفارغ التحصیل پنجاب یونیورسٹی لاہور نے، جو متعدد کالجوں کے پروفیسر اور پرنسپل رہ چکے ہیں...... اسکا ترجمہ نہایت سلیس اور عمدہ کیا ہے۔ ”موجز القانون“ میں شراب کا ذکر مختصر لیکن جامع اور بھرپور ہے۔ ہم یہاں موجز القانون میں موجود شراب کا مکمل مضمون بلا ردوبدل نقل کرتے ہیں:

> سب سے اچھی شراب وہ ہے۔ جس کا مزا اچھا ہو۔ خوشبودار ہو، رنگ صاف ہو۔ اور قوام معتدل ہو۔ نہ زیادہ رقیق نہ زیادہ غلیظ ہو۔ جو شراب عمدہ اور ملاوٹ سے پاک ہوتی ہے۔ اس کی خصوصیت یہ ہے کہ اگر اس کی تھوڑی سی مقدار بھی ایک عرصہ تک چھوڑ دی جائے۔ تو وہ خراب نہ ہو۔ اور جتنی زیادہ مدت تک خراب نہ ہو۔ اتنی ہی اچھی سمجھی جاتی ہے۔
>
> رقیق شراب زیادہ لطیف ہوتی ہے۔ اور بہت جلد نشہ لاتی ہے۔ لیکن جلد ہی اس کا نشہ اتر جاتا ہے۔ غلیظ شراب (گاڑھی شراب) دیر میں نشہ لاتی اور دیر میں ہی اس کا نشہ اترتا اور عرصہ تک اس کا خمار قائم رہتا ہے۔ لیکن یہ شراب خصوصاً جبکہ شیریں ہو، بدن کو فربہ (موٹا) کرتی ہے۔ مگر اسکے پینے والے کو سدوں سے ڈرتے رہنا چاہیے۔
>
> جوانوں اور گرم مزاجوں کو سفید شراب پلائی جائے۔ لیکن پینے سے کچھ پہلے اس میں بہت سا پانی ملا دیا جائے۔ بوڑھوں کو زرد شراب تھوڑا سا پانی ملا کر پلائی جائے۔ اور اگر شراب سے غذائیت پہنچانا اور فربہی لانا مقصود ہو تو سرخ شراب پلائی جائے۔ اور بوڑھے جس قدر بھی شراب پی سکیں۔ پینے دینا چاہیے۔ لیکن بچوں کو اس سے پرہیز کرانا

چاہیے۔ جوانوں میں شراب کا استعمال معتدل مقدار میں مناسب ہے۔

شراب اس وقت پینی چاہیے۔ جبکہ غذا ہضم ہو کر معدہ سے آنتوں کی طرف جانے لگے۔ اندازہ لگایا گیا ہے کہ کھانا کھانے کے تقریباً اڑھائی یا تین گھنٹے بعد ہضم شدہ غذا معدے سے آنتوں کی طرف جاتی ہے۔ لیکن کھانے کے بیچ میں یا کھانا کھاتے ہی شراب پینا بہت مضر ہے۔ کیونکہ اس صورت میں شراب غذا کو (ہضم ہونے سے پہلے ہی) کچا ہونے کی حالت میں رگوں کے اندر نفوذ کرا دیتی ہے۔ (جس سے رگوں میں سدے پیدا ہو جاتے ہیں)۔ اس کے علاوہ جو لوگ اس کے (کھانا کھاتے ہی یا کھانے کے درمیان شراب پینے کے) عادی ہوتے ہیں۔ ان کو صرف اتنی ہی شراب پینی چاہیے جو صرف غذا ہضم کرنے میں مدد دے سکے۔ وہ اتنی زیادہ نہ ہو کہ غذا کو کچی حالت میں ہی رگوں کے اندر نفوذ کرا دے۔

جب تک شراب سے سرور بڑھتا جائے، رنگ نکھرتا جائے، بشرہ (جلدِ بدن) نرم ہوتا جائے، جلد پھولتی جائے، بدن کی حرکتیں درست رہیں۔ ہوش و حواس قائم رہیں۔ تو اس کے کثرت استعمال سے نہیں ڈرنا چاہیے۔ البتہ جب اونگھ کا غلبہ ہونے لگے، متلی بڑھنے لگے، دماغ بوجھل اور حواس پریشان ہونے لگیں۔ اور بدن کی حرکتیں سست ہونے لگیں تو فوراً شراب چھوڑ دینا اور قے کرنا ضروری ہے۔ لیکن (یہ واضح رہے کہ) تھوڑی شراب پی کر قے کرنا برا ہے۔ کیونکہ تھوڑی شراب پی

کرتے کرنے سے وہ چیزیں بھی اس کے ساتھ خارج ہوجاتی ہیں۔ جو بدن کو فائدہ پہنچاتی ہیں۔ مثلاً مفید رطوبتیں اور غذا وغیرہ۔

چھوٹی پیالیوں میں شراب پینا بہ نسبت بڑی پیالیوں کے زیادہ بہتر ہے۔ پھر یہ صورت بھی بہتر ہے کہ دو پیالیوں کے درمیان اتنا وقفہ دیا جائے کہ دوسری پیالی پینے تک پہلی پیالی کی شراب ہضم ہوجائے۔

بزمِ شراب (شراب کی محفل) کا منظر دیدہ زیب نظاروں سے مزّین کیا جائے۔ وہاں کلیاں اور پھول لگائے جائیں۔ (گلدستے رکھے جائیں) محبوب و معشوق موجود ہوں۔ عمدہ قسم کے دل پسند عطریات ہوں۔ دل خوش کن راگ اور گانے ہو رہے ہوں۔ رنج و غم اور طبیعت کو مکدر کرنے والی تمام باتیں دور ہوں۔ مثلاً جسم پر میل نہ ہو۔ بغل میں گندنہ ہو۔ نہ میلی سیاہ پوشاک ہو۔ بدن اور ہاتھ، پاؤں دھوکر صاف ستھرے چمکدار کپڑے پہنے اور سر، وداڑھی کے بالوں میں کنگھی کرکے اور ناخنوں کو تراش کر شراب چکھیں۔ بزمِ شراب بلند اور کشادہ مقام پر بہتے ہوئے پانی کے کنارے (دریا یا نہر کے کنارے) منعقد کی جائے۔ اور اس میں خوش مزاج بے تکلف دوست شریکِ صحبت ہوں۔ شراب کے لیے اس قدر زیب و زینت اور سامان کی اس لیے ضرورت ہے کہ شراب نفس کی تمام قوتوں کو برانگیختہ کرتی اور تمام خواہشات کو بھڑکا دیتی ہے۔ اور جب کسی قوت کو اپنی خواہش کے مطابق چیز میسر نہیں آتی۔ تو اس سے نفس کو تکلیف ہوتی ہے اور وہ کڑھتا ہے۔ لہٰذا نفس شراب کی طرف پورے طور پر متوجہ نہیں ہوتا۔ اور نہ اس

میں کامل طور پر عمل کرتا ہے۔ اس وجہ سے شراب سے فائدہ کم حاصل ہوتا ہے۔ بلکہ شراب اکثر فاسد ہوجاتی ہے۔ اور اس کا نقصان اس کے فائدے سے بڑھ جاتا ہے۔

شراب کے فائدے دو قسم کے ہیں۔

(1) نفسانی فوائد (2) بدنی فوائد۔

(1) نفسانی فوائد وہ فوائد ہیں جو نفس سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ شراب میں اس قدر ہیں کہ اتنے فوائد کسی دوسری چیز میں ہونا ناممکن ہیں۔ وہ یہ ہیں....... "سرور" (خوشی) پیدا کرتی ہے۔ نفس میں فرحت وقوت پیدا کرتی۔ اور اس کی امیدوں اور آرزوؤں کو بڑھاتی ہے۔ نیز اس کو شجاع (دلاور) بناتی ہے۔ "بخل (کنجوسی) غم اور برے قسم کے خیالات کو زائل کر دیتی ہے۔ نیز مریض مالیخولیا کے لیے شراب سب سے زیادہ مفید چیز ہے۔ کیونکہ اس سے جو فرحت و سرور پیدا ہوتا ہے۔ وہ اس وحشت سے خلاف ہوتا ہے۔ جو اس مرض میں سودا سے پیدا ہوتا ہے۔ شراب گمان کو اچھا کرتی (یعنی دماغ میں بدگمانیاں نہیں پیدا ہونے دیتی) اور اخلاق کی اصلاح کرتی ہے۔ جن لوگوں کے دماغ قوی ہوتے ہیں۔ ان کے دماغ کو مزید قوت دیتی ہے۔ کیونکہ قوی لہذا ماغ آد ں کے دماغ پر شراب کے نشے اور بخارات کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ بلکہ ان کا دماغ شراب کی لطیف حرارت سے متاثر ہوتا ہے۔ اس لیے ایسے لوگوں کا ذہن شراب کے استعمال سے اتنا صاف

ہو جاتا ہے کہ کسی دوسری چیز کے استعمال سے اتنا صاف نہیں ہو سکتا۔ اسی وجہ سے قوی الدماغ لوگوں کو نشہ جلد نہیں آتا۔ اور نشہ کے دیر میں یا جلد آنے سے دماغ کی قوت اور اس کا ضعف معلوم ہو جاتا ہے۔ یعنی اگر کسی شخص کو دیر میں نشہ آئے۔ تو یہ اس کے قوی الدماغ ہونے کی علامت ہے۔ اور اگر جلد نشہ آئے تو ضعیف الدماغ ہونے کی۔

(2) بدنی فائدے .... وہ فائدے ہیں۔ جو بدن سے تعلق رکھتے ہیں۔ وہ اگرچہ اس کے علاوہ دوسری معجونوں اور مرکب دواؤں سے حاصل ہو سکتے ہیں۔ مگر ان فوائد کا حاصل کرنا مشکل ہے۔ وہ فوائد یہ ہیں....... شراب بدن کی رنگت کو نکھارتی۔ اور اس کو روشن و چمکدار بناتی ہے۔ یہ لطیف حرارت پیدا کر کے حرارتِ غریزی کو قوت دیتی اور اس کو برانگیختہ کرتی ہے۔ بدن کی رطوبتوں کو بڑھا دیتی، لطیف بناتی اور ان کو پھلا کر خارج کرتی ہے۔ رگوں کو کھولتی اور ان کے سدّوں کو دور کرتی ہے۔ نیز مساماتِ بدن کو کھولتی ہے۔ قوتِ ہاضمہ کو قوی کرتی، اور روح میں زیادتی اور لطافت پیدا کرتی ہے۔ خون میں چمک اور صفائی پیدا کرتی ہے۔ بلغم کو بڑھا دیتی اور لطیف بناتی ہے۔ صفرا کو پیشاب کے راستے خارج کرتی اور اس کی خشکی کو دور کرتی ہے۔ سودا کے مزاج کی تعدیل کرتی اور اس کے نقصانات کم کر دیتی ہے۔ نیز اس کو بدن سے خارج کر دیتی ہے۔

شراب کے فائدے جس قدر قوتِ نفسانی سے متعلق ہیں۔ اس سے

زیادہ قوتِ طبعی اور قوتِ حیوانی سے تعلق رکھتے ہیں۔

شراب کے نقصانات یہ ہیں کہ شراب کو ہمیشہ استعمال کرتے رہنے سے ذہن کند ہو جاتا ہے۔ اعصاب (پٹھے، ڈھیلے پڑ جاتے ہیں۔ اور رعشہ و تشنج پیدا ہو جاتا ہے، پھر بعض اوقات نشہ میں بدمست رہنے والے شخص سکتہ میں مبتلا ہو کر ہلاک ہو جاتے ہیں۔

خالص شراب وہ ہوتی ہے۔ جس میں پانی نہ ملایا گیا ہو۔ یہ خون کو جلا دیتی اور دماغ و جگر کے مزاج کو فاسد کر دیتی ہے۔ کیونکہ ایسی شراب نفخ پیدا کر دیتی اور دست لاتی ہے۔ متواتر نشے کا رہنا دماغی قوتوں اور اعصاب کو کمزور کر دیتا ہے۔ لیکن اگر ایک ماہ میں دو مرتبہ شراب پی جائے تو کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ اس سے دماغی قوتوں کو آرام ملتا ہے۔ سرد موسم اور سرد ملک میں شراب کی کثرت اور اس کی تیزی برداشت کی جا سکتی ہے۔

حتی الامکان شراب کے ساتھ نقل (وہ چیزیں جو شراب پینے کے بعد منہ کا مزا بدلنے کے لیے استعمال کی جاتی ہیں۔ جیسے نمکین چنے، کباب، مغز بادام، بریانی وغیرہ) استعمال نہ کرنا زیادہ بہتر ہے۔ لیکن گاہے گرم مزاج اشخاص کو بھی چاشنی دار انار، سیب، امرود زغرور، لیموں کے قرصوں، ترنج کے چوکہ (ترشی) اور شربتِ ترنج کے نقل سے فائدہ پہنچتا ہے۔ بلکہ بعض اوقات ان کو اقراصِ کافور کے نقل کی ضرورت ہوتی ہے۔ جیسا کہ تپ دق کے مریضوں کو استعمال کروائے جاتے ہیں۔ یعنی تپ دق کے مریضوں کو گاہے شراب پلائی

جاتی اور اس کی گرمی کو دور کرنے کے لیے اقراص کافور بطور نقل کھلائے جاتے ہیں۔ سرد مزاج اشخاص کو جوارش تفاح، بہی، گل قند، چھوارے اور پستہ کا نقل مفید ہوتا ہے۔ مرطوب مزاجوں کو بھنے ہوئے قضامہ (چبانے والی اشیاء)، زیتون الماء اور نمکین پستہ اور بادام نفع دیتا ہے۔

شراب کے نشہ کو روکنے اور کم کرنے والی چیزوں میں سے بادام خصوصاً تلخ بادام کا نقل دیا جاتا ہے۔ اگر شراب سے پہلے پچاس بادام کھائے جائیں تو یہ نشہ کو بالکل روک دیتے ہیں۔ اسی طرح نمکین تخمِ قنبیط کا نقل بھی دیر میں نشہ لاتا ہے۔ شراب سے پہلے قنبیطیہ اور کرنبیہ غذائیں کھانے سے بھی دیر میں نشہ آتا ہے۔ اسی طرح پیشاب کا ادرار کرنے والی چیزیں اور روغن دار شوربے مثلاً ثرید وغیرہ اگرچہ نشہ دیر میں لاتی ہیں۔ لیکن وہ زیادہ شراب بھی نہیں پینے دیتیں۔

وہ چیزیں جن کے استعمال سے شراب، نشہ جلد لاتی ہے۔ جائفل کا نقل اور جائفل کا شراب میں بھگونا ہے۔ اسی طرح عودِ ہندی (اگر) شیلم (کالا دانہ) بھنگ اور زعفران ہیں۔ یہ چیزیں بذاتہ نشہ لاتی ہیں، اور شراب کے ساتھ مل کر بھی...... لیکن اجوائن خراسانی لفاح، شوکران اور افیون نہایت تیز چیزیں ہیں۔ یہ چیزیں صرف اسی شخص کو استعمال کرائی جائیں جس کا کوئی ایسا علاج کرنا مقصود ہو۔ جس کو وہ بحالت ہوش برداشت نہ کرسکتا ہو۔ مثلاً کسی شخص کو عمل جراحی سے پہلے ان دواؤں کو شراب میں بھگو کر پلایا جائے۔ ان چیزوں کو اس غرض کے لیے زمانہ قدیم میں استعمال کیا جاتا تھا۔ آجکل ان کا

استعمال متروک ہے۔ بلکہ اس کی جگہ کلوروفارم اور ایتھر استعمال کیا جاتا ہے۔ جو اس سے بدرجہا بہتر ہے۔

شراب کی بو دور کرنے والی چیزوں میں خشک دھنیا، لہسن، زنجبیل اور دار چینی شامل ہیں۔

جو چیزیں شراب میں ملائی جاتی ہیں۔ ان میں سب سے زیادہ بہتر پانی ہے۔ گاہے شراب میں عرقِ گاؤزبان ملا دیتے ہیں۔ جس سے شراب زیادہ مفرح ہو جاتی اور زیادہ سرور پیدا کرتی ہے۔ گاہے شراب کو گلاب میں ملاتے ہیں۔ جس سے معدہ اور قلب کو زیادہ قوت پہنچتی ہے۔ گاہے شراب کو چوزوں کے گوشت یا دوسرے گوشت کے شوربوں کے ساتھ ملا کر غشی کے مریضوں کو یا ان اشخاص کو پلایا جاتا ہے۔ جو اس قدر کمزور ہو گئے ہوں کہ ان کے لیے اس بات کا خوف ہو کہ تنہا شوربے کے اندر پہنچنے تک وہ زندہ نہ رہ سکیں گے۔

چونکہ شراب بہت جلد نفوذ کر جاتی ہے۔ لہٰذا جب اس کے ساتھ شوربہ ملا کر پلایا جاتا ہے۔ تو اس کو بھی اپنے ساتھ بہت جلد اعضاء تک پہنچا دیتی ہے۔ اسی لیے ایسی نازک حالت میں جبکہ مریض بے حد کمزور ہو۔ اور اس کی جان کے تلف ہو جانے کا اندیشہ ہو، تو فوراً قوت حاصل کرنے کے لیے شراب میں شوربہ ملا کر پلایا جاتا ہے۔ اگر شوربہ تنہا استعمال کیا جائے۔ تو ممکن ہے کہ اس کے اعضاء تک پہنچنے سے قبل ہی مریض ہلاک ہو جائے۔"

دیسی شراب

زمانہ قدیم سے لے کر آج تک شراب تیار کرنے کے مختلف اور متعدد طریقے اختیار کیے گئے ہیں۔ لیکن ان تمام طریقوں میں ایک چیز مشترک ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ شراب بنانے کے لیے سب سے پہلے ”الکوحل“ تیار کیا جاتا ہے۔ الکوحل دیسی اور انگریزی ہر دو طریقوں سے بنایا جا سکتا ہے۔ لیکن شراب تیار کرنے کا زیادہ معروف اور عام طریقہ گلے سڑے پھلوں سے الکوحل نکالنے کا ہے۔

سب سے پہلے حسب ضرورت گلے سڑے پھل یا دیگر اجناس مثلاً جو اور گندم وغیرہ لے کر کسی تنگ منہ کے مٹکے میں ڈال دیے جاتے ہیں۔ اگر پھل یا میوہ استعمال کیا جائے تو گلنے سڑنے کے بعد ان میں خود بخود شیرینی پیدا ہو جاتی ہے۔ لیکن اگر جو یا گندم وغیرہ استعمال کی جائیں تو انہیں میٹھا کرنے کیلیے گڑ یا چینی شامل کی جاتی ہے۔

خمیر اٹھانے کے لیے مٹھاس ناگزیر ہے۔ شیرینی یا مٹھاس کی چیزیں بہت جلد خمیر پیدا کر دیتی ہے۔ کوئی چیز جتنی زیادہ میٹھی ہوگی۔ اس میں اتنا زیادہ خمیر پیدا ہوگا۔ کبھی کبھار اس ملغوبے میں نوشادر پھٹکڑی یا ”بیکنگ پاؤڈر“ بھی شامل کر لیا جاتا ہے۔ تاکہ گلنے سڑنے کا عمل تیز تر کیا جا سکے۔

کیکر کی چھال شراب بناتے وقت ایک عمل انگیز (کیٹالسٹ) کا کام دیتی ہے۔ چنانچہ کیکر کی چھال کسی بھی حالت میں گلے سڑے پھلوں کے درمیان ڈال دی جاتی ہے۔ اور سب سے آخر میں پانی جو زیادہ تر کیمیائی تعاملات کے لیے ایک بہترین اساس کا کردار ادا کرتا ہے......ملا دیا جاتا ہے۔ شراب بنانے والے مٹکے کا منہ بند کر کے اس میں بیرونی ہوا کا داخلہ ناممکن بنا دیتے ہیں۔ اور اس طرح بند مٹکے کے اندر گلنے سڑنے اور خمیر اٹھنے کا عمل شروع

ہو جاتا ہے۔ بسا اوقات اس مٹکے کو گرم ماحول فراہم کرنے کیلیے زمین میں دفن کر دیا جاتا ہے۔ نی روز تک مٹکے کے اندر گلنے سڑنے ٹوٹنے پھوٹنے اور پھلوں کے خراب یا برباد ہونے کا تخریب کارانہ عمل جاری رہتا ہے۔ مٹکے کے اندر تعفن اور غلاظت پیدا ہونے لگتی ہے۔ اور پھر نی روز بعد اس تمام ملغوبے کو نکال کر اسے کسی بھانپ پیدا کرنے والے برتن میں ڈال کر اس میں سے شراب کشید کر لی جاتی ہے۔ یہ تمام طریقہ کار ہم نے مسیحی برادری کی ایک بستی ”6 چک“ (ضلع خوشاب) کے ناجائز طور پر شراب کشید کرنے والوں سے معلوم کیا ہے۔ ہو سکتا ہے۔ ہمیں معلومات فراہم کرتے وقت کوئی بات پوشیدہ رکھ لی گئی ہو۔ لیکن اغلب گمان ہی ہے کہ شراب بنانے کا یہی طریقہ کار ہوگا۔

دیسی شراب کو عرف عام میں......”ٹھرا“ کہا جاتا ہے۔ یہ تقریباً پاکستان کے ہر شہر میں باآسانی دستیاب ہے۔ اگرچہ دیسی شراب کشید کرنے والے زیادہ تر پاکستان کے ”مسیحی“ گھرانے ہیں۔ لیکن ہمارے مسلمان بھی کسی سے پیچھے نہیں۔ یہ تو سب جانتے ہیں کہ پاکستان میں نشہ بہ افراط استعمال کیا جاتا ہے۔ اور جنرل ضیاء الحق کی اسلامی حکومت کے دوران جس قدر اضافہ اس موذی مرض میں ہوا ہے، اس سے قبل نہیں تھا۔ افغانوں کی پاکستان ہجرت کے بعد ہیروئن اس ملک میں جگہ جگہ دستیاب ہوگئی۔ اس سے پہلے شراب کی کثرت تھی۔ اور فی زمانہ ایک بار پھر پورے عروج پر ہے۔ لاہور اور اس کے گرد و نواح میں......ہزاروں لیٹر شراب روز کشید کی جاتی ہے......اور انگریزی شراب جو اہلیان لاہور استعمال کرتے ہیں، اس کے علاوہ ہے۔ پنجاب کے تمام گرم علاقوں، خصوصاً بہاولپور سرگودھا، راولپنڈی، جھنگ، ملتان، فیصل آباد......اور پورے سندھ میں ہزاروں گیلن دیسی شراب روزانہ کشید کی جاتی ہے۔ میرے شہر ”خوشاب“ کے نزدیک ”چک نمبر 6“ میں دیسی شراب کشید کرنے کی متعدد بھٹیاں ہیں اور اسی شراب کی تعریف کرتے ہوئے خوشاب کے ممتاز

بزرگ شاعر قاضی خضر جمال نے یہ شعر کہا تھا۔

یارب تری کوثر میں نہ تیزی ہے نہ ترشی
گر ہم کو پلانی ہے تو چھ چک سے منگا دے

خیر یہ تو اپنے اپنے نصیب کی بات ہے۔ حوضِ کوثر پر جام بانٹنے والے، ساقیِ کوثر رحمت العالمین ﷺ ہوں گے۔ اگر اس جامِ فردوس کے مقابلے میں قاضی صاحب کو چھ چک کی شراب پسند ہے۔ تو ہم ماسوائے افسوس کے کیا کر سکتے ہیں۔ بہاولپور کے مخدوم یا عباسی خاندان آج بھی اپنی شراب خود کشید کرتے ہیں۔

عموماً غریب اور متوسط طبقہ کے لوگ اسی گندی شراب یعنی "ٹھرا" کو استعمال کرتے ہیں اور آئے دن ایسے لوگوں کی ناگہانی اموات کے تذکرے اخبارات میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔

ہمارے ملک میں عموماً شادی، بیاہ، رسم مہندی، عید، بقر عید، عرس، میلوں اور بڑے بڑے تہواروں میں دیسی شراب کے...... ڈرم اور گیلن کھول دیئے جاتے ہیں۔ ایسی ہی ایک شادی میں میں نے بعض نوجوانوں کو مستی میں آکر شراب کے ساتھ نہاتے ہوئے بھی دیکھا ہے۔

شراب کی یہ قسم یعنی "ٹھرا" سب سے زیادہ ہندوستان اور اس کے گرد و نواح میں تیار اور استعمال کی جاتی ہے۔ دیسی شراب کشید کرنے کے لیے عموماً جو "واٹر باتھ" یعنی برتن استعمال ہوتا ہے۔ یہ وہی برتن ہے جو ہمارے پنساری اور طبیب عرق کشید کرنے کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے دیسی دواخانوں کے مالک بھی اس مذموم کام میں شامل ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ وہ عرقِ گلاب، عرقِ گاؤزبان یا چار عرق کشید کرنے کے بہانے عموماً اپنی دوکانوں اور دواخانوں میں یہ مذموم کام کرتے ہیں اور بے دھڑک دیسی شراب کشید کرتے ہیں۔ دیسی شراب یعنی ٹھرا بے حد تیز اور نشیلی ہوتی ہے۔ اور زیادہ تر اس قسم کی شراب پینے والے معدے کی خطرناک امراض خصوصاً السر کا شکار ہو جاتے ہیں۔

حکومت پاکستان نے بعض مسیحیوں کو شراب پینے کے جو "پرمٹ" دے رکھے ہیں۔ ان کا ناجائز استعمال اس طرح ہوتا ہے کہ یہ لوگ شراب پینے کے پرمٹ کی آڑ میں خود شراب کشید کرنے لگ جاتے ہیں۔ اور بات اتنی سی ہوتی کہ خود شراب کشید کرتے اور خود پیتے تو خیر تھی۔ لیکن ان مسیحیوں کا تو کاروبار ہی "ٹھرا" کی خرید و فروخت ہے۔ سبزی منڈیوں اور فروٹ منڈیوں سے گلا سڑا اور گندا "پھل" جو یہ لوگ کچرے سے اٹھالاتے ہیں۔ سالہا سال کے ان ڈھلے مٹکوں میں ڈال کر انتہائی گھٹیا طریقے سے شراب کشید کر لیتے ہیں۔ شراب اور نشے کی مقدار بڑھانے کے لیے یہ "والیم" اور ڈیزی پام کی ان گنت گولیاں بھی اس میں شامل کر لیتے ہیں۔ بعض متعصب عیسائیوں کے بارے میں یہ روایت بھی میں نے سنی ہے کہ...... وہ دیسی شراب جو عموماً مسلمان نوجوانوں کو فروخت کی جاتی ہے۔ اس میں یہ متعصب عیسائی کبھی کبھار پیشاب کر دیتے ہیں۔ اور اس طرح مسلمانوں کے خلاف وہ اپنی نفرت کا اظہار کرتے ہیں۔ لیکن ہمارے نوجوان ہیں کہ دن رات ان مسیحیوں کی تیار کی ہوئی "ٹھرا" استعمال کرتے ہیں۔ اور اس بات کی مطلق پرواہ نہیں کرتے کہ ان کے لیے دیسی شراب تیار کرنے والے کون ہیں؟ اور کس طرح سے تیار کرتے ہیں؟۔

آجکل "ٹھرا" یا دیسی شراب کو عام زبان میں "شاپر" بھی کہا جاتا ہے۔ کیونکہ یہ شراب فروخت کرنے والے ایک عدد خالی بوتل کا بندوبست بھی مناسب نہیں سمجھتے بلکہ اپنی کشید کی ہوئی گندی شراب کو ایک روپے کے "شاپنگ بیگ" میں بھر کر دے دیتے ہیں، اسی لیے اس شراب کو "شاپر" کہا جاتا ہے۔ اور اس بدبودار شراب کا یہ شاپر لگ بھگ 500 روپے سے 600 روپے تک فروخت ہوتا ہے۔ 30 لیٹر کا ایک پلاسٹک کین...... زیادہ سے زیادہ 500 روپے کی لاگت سے تیار ہو جاتا ہے۔ اس شراب کا کوئی رنگ نہیں ہوتا۔ یہ صرف پانی کے رنگ کی طرح شفاف یا بالفاظ دیگر بے رنگ ہوتی ہے۔ البتہ اس کی بو انتہائی تیز اور ناگوار ہوتی

ہے۔ شراب کا یہ "ٹرینڈ" پاکستان میں 55 سالوں سے بدستور موجود ہے۔ دیسی شراب پینے والے کی زبان بھی اس شراب کی طرح غلیظ اور گندی ہوتی ہے۔ یہ لوگ بات بھی کرتے ہیں تو ماں، بہن کی گالی کے بغیر نہیں بولتے۔ اور زنا؟؟......."زنا" تو ان کی گھٹی میں پڑ جاتا ہے۔ اور بدکاری یا بدفعلی کے بیہودہ خیالات ہر وقت انہیں گھیرے رکھتے ہیں۔

انگریزی شراب

عربی زبان میں لفظ "کحل" یا کوحل کا مطلب ہے۔ "انتہائی باریک سفوف" جو کہ پلکوں کا گہرا کرنے اور خوبصورتی میں اضافہ کرنے کے لیے کبھی استعمال کیا جاتا تھا۔ سرمہ کے لیے لفظ کحل یا کجلہ اسی کحل یا کحلہ سے نکالا گیا ہے۔ آہستہ آہستہ یہ اصطلاح کسی چیز کے سب سے لطیف یا باریک جوہر کے لیے استعمال ہونے لگی۔ مثلاً ست، خلاصہ، جوہر یا عرق۔ سولہویں صدی میں ایک مصنف نے کشید کی ہوئی شراب کو شراب کا عرق (Essence) اور پھر "الکحل وِنی" کی اصطلاح استعمال کی۔ گویا وِنی کا الکحل یعنی شراب کا ست۔ کیمیادانوں نے الکحل ونی کی بجائے شراب کے لیے "ایتھائل الکحل" کے الفاظ استعمال کیے۔ چنانچہ انیسویں صدی کے وسط سے شراب کے لیے ایتھائل الکحل کا نام مستقل طور پر استعمال کیا جانے لگا۔ ایتھائل میں لفظ ایتھ (Eth)......."ایتھر" سے مشتق ہے۔ ایتھر الکحل سے بنایا جاتا ہے۔ جبکہ آئیل (yl) یونانی لفظ "Hyle" سے ماخوذ ہے۔ جس کا مطلب ہے "مادہ"۔ یعنی ایسا مواد جس سے ایتھر بن سکے۔

شراب بنانے کے عمل میں سب سے زیادہ اہمیت "عمل تخمیر" (Fermentation) کی ہے۔ اس عمل کے دوران بڑے اور پیچیدہ مالیکیولوں کو چھوٹے اور سادہ مالیکیولوں میں تبدیل کر دیا جاتا ہے۔ اس کام کے لیے خمیر مایہ (Yeast) کے خامرے استعمال ہوتے ہیں۔ اور یہ خامرے یا "Enzymes" عموماً گلوکوز سے حاصل کیے جاتے ہیں۔ گلوکوز، انگور اور دوسرے پھلوں کے رس میں پائی جانے والی مٹھاس کی ایک قسم ہے۔ گلوکوز کے عمل تخمیر کے بعد ایتھائل حاصل ہوتا ہے۔ جس کی کیمیائی مساوات یہ ہے:۔

$C_6H_{12}O_6$ ——— $2CH_3CH_2OH + 2CO_2$ ۔ یہی مساوات الکحل کی تیاری میں استعمال ہوتی ہے۔ بنیادی طور پر الکحل ایک کیمیائی مادہ ہے۔

اس عمل میں آکسیجن کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اور کاربن ڈائی آکسائیڈ خارج ہوتی ہے۔ اس کیمیائی تعامل میں استعمال ہونے والے خامرے اس وقت غیر فعال ہو جاتے ہیں۔ جب تقریباً چودہ فیصد الکحل بن جاتی ہے۔ چنانچہ مزید کوئی عمل یا طریقہ مثلاً عمل کشید (Distillation) اگر استعمال نہ کیا جائے تو زیادہ سے زیادہ چودہ فیصد الکحل ہی حاصل ہوتا ہے۔ شراب تیار کرنے کے لیے قبل مسیح میں ہی عمل کشید کا طریقہ ایجاد کر لیا گیا تھا۔ خالص ایتھائل الکحل کا نقطہ جوش 78.5 درجے سینٹی گریڈ ہوتا ہے۔ چنانچہ جب شراب کشید کی جاتی ہے۔ تو کشید کی پہلی کسر (Frection) خالص الکحل پر مشتمل ہوتی ہے۔ اور اتنی خالص ہوتی ہے کہ در حقیقت جلا سکتی ہے۔ تمام انگریزی شرابیں اسی طریقے سے تیار کی جاتی ہیں۔

انگریزی شرابوں میں سب سے زیادہ پی...... جانے والی شراب "بیئر" (Bear) ہے۔ یہ نشاستہ سے حاصل ہونے والی شکر سے بنائی جاتی ہے۔ چونکہ نشاستہ (Starch) کئی قسم کا ہوتا ہے۔ چنانچہ بیئر بھی مختلف اقسام کی مل جاتی ہے۔

بیئر کے بعد انگریزی شرابوں میں "وائن" (Wine) کا نمبر آتا ہے۔ یہ انگوروں کی شکر یا گنے کی رس سے بننے والے الکحل سے تیار کی جاتی ہے۔ انگوروں کے علاوہ کسی بھی پھل کے جوس کو عمل تخمیر سے گزارنے کے بعد وائن حاصل کی جا سکتی ہے۔ انگریزی میں انگوروں کے باغ کو گریپ گارڈن کی بجائے (Vineyards) کہا جاتا ہے۔

بیئر اور وائن میں یہ فرق ہے کہ بیئر ان شکروں کی تخمیر سے بنتی ہے۔ جو اناج کے پھوٹتے ہوئے دانوں سے حاصل کردہ نشاستہ سے نکالی جاتی ہیں۔ بیئر کی تیاری کا سب سے اہم مرحلہ شعیرہ (Malt) کی تیاری ہے۔ جب اناج کے دانے مثلاً گندم یا رائی وغیرہ اگتے ہیں۔ تو ان میں موجود خامرے نشاستہ کو مالٹوز (Maltose) میں تبدیل کردیتے ہیں۔ مالٹوز وہی شکر ہے، جو "کارن سیرپ" میں پائی جاتی ہے۔

انگریزی شرابوں میں "میلڈ" (Meald) بہت اہم ہے۔ اردو میں اسے "عسلی شراب" کہا جاتا ہے۔ قدیم زمانے میں اس شراب کو دیوتاؤں کا شہد کہا جاتا تھا۔ بہت سا شہد بہت سے پانی کے ساتھ ملا کر عملِ تخمیر سے گزارا جاتا ہے۔ نتیجتاً "میلڈ" تیار ہوتی ہے۔

تیرھویں صدی میں "ریمنڈ للی" نامی ایک شخص نے چونا یعنی کیلشیم آکسائیڈ کو شراب کی تیاری کے دوران استعمال کیا۔ اور اس عمل کو بار بار دھرا کر صحیح معنوں میں خالص الکحل جسے "مطلق الکحل" (Absolute Alcohol) کہا جاتا ہے، تیار کیا۔ خالص الکحل کا ذائقہ بے حد تیز اور جلا دینے والا ہوتا ہے۔ یہ انتہائی خطرناک ہوتا ہے۔ اور اسے پینے سے یقینی طور پر موت واقع ہو جاتی ہے۔ انگریزی شرابوں میں طاقتور سے طاقتور شراب میں بھی پچاس فیصد یا زیادہ سے زیادہ 60 فیصد الکحل ہوتا ہے۔

ایسی شرابیں جن میں کسی قسم کی جڑی بوٹیاں مثلاً کیکر کی چھال یا کوئی سالٹ یا دیگر مصالحے استعمال نہیں کیے جاتے "برانڈی" کہلاتی ہیں۔ برانڈی صاف ستھرے طریقے سے تیار کی جاتی ہے۔ اور دیر تک محفوظ رکھی جا سکتی ہے۔ انگریزی شرابوں میں "برانڈی" کو بے حد پسند کیا جاتا ہے۔ اور عموماً اسے بطور دوا بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ اگر برانڈی میں کسی خاص ذائقہ کا اضافہ کرنا مقصود ہو تو اسے "لیکوریا" یا "خمیر شیریں" بنا دیا جاتا ہے۔ برانڈی کے بعد انگریزی شرابوں میں سب سے معتبر "وسکی" ہے۔

وسکی، سکاٹ لینڈ والوں نے تیار کی۔ اسی لیے اس کی سب سے مشہور قسم کو "سکاچ" کہا جاتا ہے۔ سکاٹ لینڈ میں انگوروں کے باغ یعنی تاکستان لگانا ناممکن تھے۔ چنانچہ وہاں تازہ پھٹے ہوئے مالٹوز کے حامل دانوں سے بیئر اور سکاچ تیار کی جانے لگی۔

انگریزی شرابوں میں "وسکی، برانڈی، شیمپین، سکاچ، واڈکا، جن، واٹ ون" اور نہ جانے کتنے نام ہیں۔ جو مختلف ممالک اور کمپنیوں کے حوالے سے مشہور ہیں۔ فی زمانہ دنیا بھر میں انگریزی شرابوں کو بے پناہ مقبولیت حاصل ہے۔ ہمارے ہاں ان شرابوں کو "ولایتی شراب" کے نام سے پہچانا جاتا ہے۔ ولایتی شراب کا مطلب یہ نہیں کہ یہ شرابیں صرف یورپ سے درآمد کی جاتی ہیں۔ بلکہ پاکستان میں بھی ولایتی شرابوں کو بڑے پیمانے پر تیار کرنے کے بڑے بڑے کارخانے ہیں۔ جو حکومت کی سرپرستی میں چلتے ہیں۔ اور ان کی تیار شدہ شرابیں نہ صرف پاکستان میں پی جاتی ہیں۔ بلکہ برآمد بھی کی جاتی ہیں۔

شراب دیسی ہو یا انگریزی، فی الحقیقت ایک ہی چیز ہے۔ ولایتی شراب وہ ہے۔ جو بڑے بڑے کارخانوں میں نصب بڑی بڑی مشینوں کی مدد سے تیار کی جاتی ہے۔ اور دیسی شراب وہ ہے۔ جو لوگ چھوٹے پیمانے پر گھروں میں کشید کر لیتے ہیں۔ آجکل کیمیکل کی دنیا سائنس کے دوسرے شعبوں کی طرح بہت زیادہ ترقی کر چکی ہے۔

چنانچہ بعض کارخانے پھلوں کا گلوکوز استعمال کیے بغیر مختلف کیمیائی مرکبات کی مدد سے براہ راست الکحل بھی تیار کر دیتے ہیں۔ آج کل کی انگریزی شرابیں دیکھنے میں ہاتھی کے دانت کی طرح اتنی دیدہ زیب ہیں.......... کہ انہیں دیکھ کر اچھے خاصے پارساؤں کا دل مچل اٹھتا ہے۔

سچ تو یہ ہے کہ شراب پینے والے اسے اسی دنیا میں ہی فردوس بریں کی طرز پر پینا چاہتے ہیں اسی نے تو فرمایا گیا ہے کہ "جو یہاں پیے گا اسے وہاں نصیب نہ ہوگی"۔

Wickham 1995

نوٹ:۔

شراب ایک ایسا نشہ ہے جس نے انسان کو اس وقت اپنے دام فریب لے لیا تھا، جس وقت انسان شعور کے ابتدائی مراحل طے کر رہا تھا۔ اور آج بھی دنیا کے ہر خطے میں شراب کا استعمال نہایت ذوق وشوق سے جاری ہے۔

ہومیو پیتھک طریقہ علاج میں بعض دواؤں کو سریع النفوذ بنانے کے لیے پچانوے فیصد خالص الکحل کے چند قطرے........ دواؤں میں ملا دیے جاتے ہیں۔ اس مقصد کے لیے ہومیو پیتھک ڈاکٹروں اور میڈیکل سٹوروں کو خالص الکحل فراہم کیا جاتا ہے۔ میڈیکل کی دنیا میں انگنت ایسی دوائیں ہیں۔ جن میں الکحل ملا ہوتا ہے۔ میڈیسن پر ہی کیا موقوف بازار میں دستیاب نوے فیصد مشروبات (Cold Drinks) مثلاً "پیپسی کولا، کوکا کولا یا آپ جو" وغیرہ میں بھی الکحل کی معمولی سی مقدار شامل ہوتی ہے۔

پاکستان میں انگریزی شرابیں ہر جگہ عام دستیاب ہیں۔ اور پاکستان کے طبقہ امراء میں بے دریغ استعمال کی جاتی ہیں۔ اس وقت سعودی عرب سمیت دنیا کا کوئی ایسا اسلامی ملک نہیں۔ جہاں مغربی ممالک کی تیار کردہ ولایتی شرابیں استعمال نہ کی جاتی ہوں۔

کاک ٹیل

دو یا دو سے زیادہ شرابوں کو ایک دوسرے میں ملا کر جو شراب تیار کی جاتی ہے۔ اسے "کاک ٹیل" کہتے ہیں۔ شراب پینے والے یہ حرکت نشے کی مقدار اور معیار بڑھانے کے لیے کرتے ہیں۔ "احمد فراز" کی ایک مشہور غزل کا ایک شعر ہے:

ؔ غم دنیا بھی غم یار میں شامل کر لو
نشہ بڑھتا ہے شرابیں جو شرابوں میں ملیں

لندن میں ایک "بار" ہے۔ جس کا نام ہے "کسینو میونسپل"۔ یہ درحقیقت امریکن ایمبیسی کلب کا ایک اعلیٰ درجے کا بار ہے۔ اس بار کے ایک پرانے ویٹر "رابرٹ" نے "کاک ٹیل" کے موضوع پر ایک مستقل کتاب لکھی ہے۔ جس کا نام ہے:

"COCKTAILS..........HOW TO MIX"

کتاب کے دیباچے میں رابرٹ لکھتا ہے کہ کاک ٹیل آج سے سو سال پہلے امریکہ میں متعارف ہوئی۔ لیکن اس کا اصل نقطہ آغاز ابھی تک شک کے لبادے میں ہے....... لیکن مجھے رابرٹ کی اس تحقیق سے اختلاف ہے۔ میری ریسرچ کے مطابق کاک ٹیل کا ذکر "بائبل مقدس" میں بھی ملتا ہے۔ بائبل کی "کتاب زبور" میں لکھا ہے:

> "وہ کسی کو پست کرتا ہے۔ اور کسی کو سرفرازی بخشتا ہے۔ کیونکہ خداوند کے ہاتھ میں پیالہ ہے۔ اور مے جھاگ والی ہے۔ وہ (پیالہ) "ملی ہوئی شراب" سے بھرا ہے۔ اور خداوند اسی میں سے انڈیلتا ہے۔"

اسی طرح بائبل کے باب "امثال" میں ایک جگہ یہ الفاظ درج ہیں:

> "آؤ! میری روٹی میں سے کھاؤ! اور میری ملائی ہوئی مے میں سے پیو! اے سادہ دلو! باز آؤ! اور زندہ رہو!"

"رابرٹ" نے اپنی کتاب میں کاک ٹیل بنانے یعنی شرابوں میں شرابیں ملا کر جام بنانے کے 290 سے زیادہ طریقے لکھے ہیں۔ رابرٹ نے لفظ "کاک ٹیل" کے استعمال کی بہت سی روایات میں سے سب سے مستند روایت بھی بیان کی ہے۔ چونکہ یہ ایک دلچسپ واقعہ ہے۔ اس لیے میں یہاں اسے درج کرتا ہوں:

> "کسی چھوٹے سے ملک میں ایک سرائے تھی۔ جس کا مالک ایک مغرور شخص تھا۔ اس کے غرور کی وجہ اس کی نازک اندام خوبصورت بیٹی اور انعامی مقابلوں میں لڑنے والا ایک مرغا تھا۔ ایک روز اچانک اس کا مرغا کہیں گم ہو گیا۔ سرائے کے مالک نے اپنا مرغا بہت ڈھونڈا۔ لیکن اسے کہیں نہ ملا۔ آخر تھک ہار کر اس نے شہر میں اعلان کروایا۔ کہ جو شخص میرے مرغے کو زندہ واپس لائے گا۔ میں اپنی بیٹی کی شادی اس سے کر دوں گا۔
>
> کافی دن گزر جانے کے بعد موسم بہار کی ایک صبح، فوج کا ایک نوجوان افسر اپنے دستے کے ہمراہ اس کے پاس آیا۔ اور اپنے ہاتھ میں پکڑے مرغے کو سرائے کے مالک کے حوالے کر دیا۔ سرائے کا مالک خوشی سے جھوم اٹھا۔ اس نے فوجی دستے کو شراب پیش کی۔ سرائے کے مالک کی بیٹی جو جانتی تھی کہ نوجوان فوجی افسر اس کا شوہر بننے والا ہے۔ آگے بڑھی۔ اور اس نے .... وہسکی، ورموتھ اور برف کو ایک گلاس میں ملا کر نوجوان افسر کی خدمت میں پیش کیا۔ ملی ہوئی شراب کا یہی جام اس نے دستے کے باقی سپاہیوں کو بھی دیا۔ فوجی افسر اور دستے کے تمام سپاہیوں نے مرغے کا جامِ صحت پینے سے پہلے اپنے اپنے جاموں کو مرغے کی دم کے ساتھ چھوا۔ اور پھر وہ جام پی گئے۔ سب لوگوں نے اس مزیدار آمیزے کو بہت پسند کیا۔ اور یہی وہ موقع تھا۔ جب ملائی گئی شراب کے لیے پہلی مرتبہ کاک ٹیل کا نام لکھا گیا۔
>
> افسر نے واپس جا کر اپنے دوستوں کو "کاک ٹیل" سے متعارف کروایا۔ اور جلد ہی کاک ٹیل پوری امریکی فوج میں مشہور ہو گئی۔"

واضح رہے کہ کاک ٹیل کا لغوی مطلب ہے...... مرغے کی دم۔ کاک ٹیل دنیا بھر میں بنائی اور پی جاتی ہے۔ اس کا تذکرہ بائبل میں بھی ملتا ہے۔ فی زمانہ کاک ٹیل کی تیاری ایک باقاعدہ فن بن چکی ہے۔ رابرٹ نے کاک ٹیل کے جتنے نسخے لکھے ہیں۔ ان میں سے مثال کے طور پر صرف ایک نسخہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

"Paradise cocktailes"

Fill the half of broken ice and add:

1/6 Gill of orange Juice.

1/6 Gill of Apricot Brandy.

1/6 Gill of Jin.

Shake well and strain into a Cocktail-gloss.

"مولانا ابوالکلام آزاد" نے اپنی کتاب "غبارِ خاطر" میں کئی جگہ "کاک ٹیل" کا ذکر کیا ہے۔

گھٹیا شرابیں

گھٹیا شرابوں میں سب سے گھٹیا "اسپرٹ" ہے۔ عام بازاری اسپرٹ .... ابلتی ہوئی چائے کی پتی میں ڈال کر اوپر سے ڈھک دیا جاتا ہے۔ کچھ دیر بعد ڈھکن اٹھا کر دیا سلائی کی مدد سے برتن میں موجود مائع کو آگ دکھائی جاتی ہے......... ایک شعلہ سا بھڑکتا ہے۔ اور مائع میں موجود انتہائی تیز سپرٹ کو آگ لگ جاتی ہے۔ آگ کا شعلہ بجھنے کے بعد باقی ماندہ مائع کو چھان کر شراب کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ یہ درحقیقت ایک جان لیوا اور زہریلی شراب ہوتی ہے۔ میری آنکھوں کے سامنے کتنے ہی نوجوان اس گھٹیا شراب کو پی کر ایک شرمناک موت کا سامنا کر چکے ہیں۔ جن میں خصوصاً سبزی فروش "پپو" کا جھٹکے کھاتا ہوا جسم مجھے کبھی نہیں بھولتا۔ جو چند منٹ انتہائی شدید جھٹکے کھانے کے بعد ٹھنڈا ہو گیا تھا۔

گھٹیا شرابوں میں "کاڈکو" کا دوسرا نمبر ہے۔ یہ سرخ رنگ کا ایک محلول ہے۔ جو عطائی ڈاکٹروں اور گلی کوچوں میں بیٹھے پریکٹیشنرز کے ہاں سے ملتا ہے۔ یہ محلول

دراصل مختلف دواؤں میں چند قطرے ڈالنے کے لیے بنایا گیا ہے۔ اور اس میں "ٹنکچر" کی کافی مقدار ہوتی ہے۔ غریب گھرانوں کے نوجوان "کاڈکو" بڑے شوق سے پیتے اور اپنی جوانیوں کو برباد کرتے ہیں۔ یہ ایک زہر قاتل ہے۔ اکثر اوقات ایکسپائری ڈیٹ گزر جانے کے بعد اس محلول کا ایک گھونٹ بھی جان لیوا ثابت ہوتا ہے۔ "کاڈکو" کو عام شرابیوں کی زبان میں "کاڈ" بھی کہا جاتا ہے۔ ادویات بنانے والی کمپنیاں اور حکومت اچھی طرح یہ جانتی ہے کہ "کاڈکو" ادویات سے زیادہ نشے کے طور پر استعمال ہوتی ہے۔ لیکن انتہائی افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ لاکھوں نوجوانوں کی جان لینے کے بعد بھی کوئی حکومت اس کی تیاری اور فروخت پر پابندی نہیں لگا سکی۔

اس کے بعد ایک مشہور گھٹیا شراب "مالٹا" کے نام سے جانی جاتی ہے۔ دراصل مالٹا کا نام تو "مالٹوز" کی وجہ سے ہی پڑا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے۔ مالٹا کی بوتل میں مالٹوز کا ایک قطرہ بھی نہیں ہوتا۔ یہ پلاسٹک کی 1/4 لٹر کی ایک چھوٹی سی بوتل میں بھرا بے رنگ یا بعض اوقات پیلے رنگ کا محلول ہوتا ہے۔ جو دراصل ٹنکچر کی ہی ایک بدترین قسم ہے۔ یہ فی الحقیقت ایک بہت تیز تلخ اور ترش سپرٹ ہی ہوتا ہے۔ پاکستان میں بکنے والی گھٹیا شرابوں میں سب سے زیادہ بھی مالٹا ہی فروخت ہوتی ہے۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق صرف عید الفطر کے موقع پر "پنجاب" میں دو کروڑ سے زیادہ مالٹا کی بوتلیں فروخت ہوتی ہیں۔ یہی حال عید الاضحیٰ اور دوسرے تہواروں کا ہے۔ پاکستان کے بعض معروف گلوکار بھی مالٹا جیسی گھٹیا شراب پیتے ہوئے نہیں ہچکچاتے۔

"سٹی تھانہ خوشاب" میں منعقدہ ایک گائیکی کی تقریب کے دوران میں نے ستان کے نامور گلوکار "عطاء اللہ خان عیسیٰ خیلوی" کو بچشم خود یہی "مالٹا" پیتے ہوئے دیکھا۔ "عطاء اللہ خان" کو یہ شراب فراہم کرنے والے پولیس کے افسران اور اہلکار تھے۔ یہی

شراب پیتے ہوئے کئی مشاعروں میں، میں نے ملک کے معروف شاعر جناب "فاروق روکھڑی" کو بھی دیکھا۔ جنکی ایک غزل.........

ہم تم ہوں گے، بادل ہوگا
رقص میں سارا جنگل ہوگا

بے حد مشہور ہے۔ "مالٹا" انتہائی گھٹیا اور زہریلی شراب ہے۔ دل، جگر اور گردوں کے لیے پگھلے ہوئے سیسے کی مانند ہے۔ لیکن حکومت جان بوجھ کر اس گھٹیا شراب سے چشم پوشی کرتی ہے۔ اور اس کے بیچنے والوں کو کھلی چھٹی دیتی ہے۔

ایک اور شراب "زنجی بیرن" کے نام سے بیچی جاتی ہے۔ جس کے بارے میں مجھے تفصیلی معلومات تو نہ مل سکیں۔ لیکن اتنا ضرور معلوم ہوا کہ یہ بھی انتہائی گھٹیا اور سستی شراب ہے۔ گھٹیا شرابوں میں مسیحی لوگوں کے ہاتھ کی تیاری کی گئی "ٹھرا" بھی شامل ہے۔ جس کا تفصیلی ذکر ہم قبل ازیں کر چکے ہیں۔

المیہ یہ ہے کہ پاکستان میں موجود مذہبی پیشوا منشیات کی روک تھام کی جانب ذرہ بھی متوجہ نہیں ہوتے۔ حقیقت میں قوم کے قیمتی نوجوانوں کو شراب، منشیات اور جوئے سے باز رکھنے کی ذمہ داری مولویوں اور واعظین کی ہے۔ ان کے پاس لوگوں کو سمجھانے کے لیے بہترین پلیٹ فارم ہے۔ اگر یہ چاہتے تو منبر رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر بیٹھ کر لوگوں کو اچھی طرح سے ان برائیوں کے بارے میں سمجھا سکتے تھے۔ لیکن افسوس کہ اس ملک میں آوے کا آوا ہی بگڑ چکا ہے۔ اور بہت مشکل ہے کہ کوئی بڑی چوٹ کھائے بغیر یہ قوم سدھر سکے۔

مختلف شرابوں کے نام

ویسے تو دنیا بھر میں ہزاروں قسم کی شرابیں دستیاب ہیں۔ اور ان کے ہزاروں نام

ہیں۔ لیکن میں نے یہاں وہ تمام نام جمع کر دیئے ہیں۔ جو پاکستان کے علاوہ دیگر اسلامی ممالک میں دستیاب ہیں:

وسکی
ورموتھ
اینا گوسٹورا
انسٹ
ابیسنتھ
پرنوڈ
گرینیڈن
انگوسچرا بٹر
اورنج بٹر
وینو گریو
جن
کوراکاؤ
ایپل جیک برانڈی
بکارڈی
ڈرائی چیل شیری
فرنچ ورموتھ
والڈ ٹوم جن
پلے ماؤتھ جن

بیئر (مختلف اقسام)
وائٹ وائن
واڈکا
کلواڈوس
کاکنگ برانڈی
کلورک پنچ
نویا ڈروز
آئرش وسکی
سلوجن
مراس چینو
رم
جمائیکا رم
فرینٹ برانکا
رائی
مارٹینی
ونی
[illegible] برانڈی
[illegible]

گرین چارٹریوز
ییلو چارٹریوز
ڈرائی جن
شیمپین
بلیک ہارس
لیور
بیئرز (مختلف اقسام)
چیری
رانڈی

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

حمیدی

باب:2

اُمّ الخبائث

حکماء نے شراب کو امّ الخبائث کہا ہے۔ خبث کے معنی ہیں گندگی۔ "الخبائث" کے معنی ہیں .... برے افعال یعنی وہ چیزیں جنہیں عرب گندا اور برا سمجھتے تھے۔ عرب جب کسی بدکار عورت کو گالی دیتے تو اسے "خباث" کہہ کر پکارتے۔ اس لحاظ سے امّ الخبائث کا مطلب ہوا........ برے افعال کی ماں۔ اسی مادہ کا ایک لفظ ہے...... الاخبثان۔ جس کا معنی ہے........ پیشاب، پاخانہ۔ یہی وجہ ہے کہ بیت الخلاء میں جانے کی دعا ہے........ اللّھم انّی اعوذ بک من الخبث والخبائث...... "اے اللہ! میں گندگی اور برے افعال سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔"

شراب کو اردو میں شراب، فارسی میں .... مے، عربی میں .... الخمر، اور انگریزی میں ...... وائن کہتے ہیں۔ درحقیقت کوئی بھی ایسی چیز جو انسانی جسم و ذہن کو ضرر پہنچاتی ہو، اطباء کے نزدیک حرام قرار دی جاتی ہے۔ مثلاً آپ دیکھئے! ایک ڈاکٹر اپنے مریض کو بعض اشیائے خورد و نوش کے استعمال سے روک دیتا ہے۔ بالفاظ دیگر وہ ان اشیاء کو اپنے مریض پر حرام قرار دے دیتا ہے۔ دنیا کی سب سے صحیح، طب...... یعنی طب نبوی کے بانی مولائے کل محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اشیائے خورد و نوش کے استعمال اور ادویات کے بارے میں تمام اسباق براہ راست اللہ تعالیٰ سے سیکھے۔ جو قرآنی آیات اور احادیث مبارکہ میں موجود ہیں۔ اور ایک زمانے سے لوگ ان پر عمل کرتے اور نفع اٹھاتے آئے ہیں۔ قرآن و حدیث کے حوالے سے شراب کا تفصیلی مضمون آگے آئے گا۔ یہاں ہم امّ الخبائث کے تجزیاتی پہلو پر روشنی ڈال رہے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ اسلامی زبان میں شراب کو امّ الخبائث

کیوں کہا جاتا ہے؟ حالانکہ اسلام کی آمد سے پہلے نہ تو عربوں میں شراب حرام تھی۔ اور نہ کسی اور قوم میں اسے ممنوع سمجھا جاتا تھا۔ ...... دراصل قرآن کا مزاج خالص ''انسانی'' ہے۔ یہاں لفظ انسانی سے مغالطہ نہ ہو۔ قرآن حکیم سرتاسر کلامِ ربانی ہے۔ البتہ قرآنی موضوعات کا مزاج مکمل طور پر انسانیت سے وابستہ ہے۔ قرآن حکیم کے پیشِ نظر ہمیشہ انسان کا فائدہ ہوتا ہے۔ نہ کہ کسی ایک قوم یا قبیلہ کا۔ ہم جانتے ہیں کہ قرآن حکیم نے خنزیر کا گوشت، حرام قرار دیا ہے۔ کیونکہ وہ انسانی جسم کے لیے ضرر رساں ہے۔ لیکن پھر ایک وہ وقت بھی ہے کہ جب قحط کا سماں ہو، اور مسلسل فاقوں کی بدولت کسی شخص کی جان کو خطرہ لاحق ہو تو خنزیر کا گوشت کھانے کی اجازت ہے۔ اور یہ بھی فرمایا ہے کہ ایسے عالم میں گوشت کھانے سے کوئی گناہ نہیں۔ الغرض یہی ہے قرآنِ حکیم کا مزاج کہ وہ ہر صورت میں صرف بنی آدم کا ہی خیر خواہ ہے۔ اب ہم شراب کی بات کرتے ہیں۔

اللہ علیم و بصیر ہے۔ وہ اچھی طرح جانتا ہے کہ کون کون سے اعمال و افعال انسان یا انسانی معاشرے کو نقصان پہنچانے والے ہیں۔ اور پھر صرف یہ بھی نہیں کہ اللہ تعالیٰ بغیر وجہ بتائے ذی شعور انسانوں پر اپنے احکامات ٹھونس دیتا ہے۔ ہوتا یوں ہے کہ علیم و بصیر اللہ نے انسانوں کو بھی ان کے حصے کا علم اور بصارت دے رکھی ہے۔ وہ یاایھاالنّاس! کو اجتماعی طور پر پکار کر ان کے سامنے آفاقی حقائق رکھ دیتا ہے۔ سب باتیں کھول کھول کر بیان کر دیتا ہے۔ اور تب جا کر کہیں یہ فرماتا ہے کہ..... ''اے نادانو! تم عقل کیوں نہیں کرتے؟ فکر کیوں نہیں کرتے؟ تدبر کیوں نہیں کرتے؟ سمجھتے کیوں نہیں؟ اپنے شعور کو استعمال کیوں نہیں کرتے؟ چنانچہ شراب کے ضمن میں بھی ایسا ہی ہے۔ قرآن و حدیث میں بالاستیعاب نظر دوڑائی جائے تو یہ حقیقت کھل کر سامنے آ جاتی ہے کہ ہم انسانوں کے لیے شراب کا استعمال معاشرتی طور پر بڑے بڑے نقصانات کا باعث بنتا ہے۔ اور پھر جب ہم

قرآن و حدیث یا مذہبی طرزِ فکر سے ہٹ کر خالص سائنسی اور دہریت زدہ نظروں سے اس دعوے کا جائزہ لینا چاہتے ہیں...... تب بھی ہمیں یہی کچھ دکھائی دیتا ہے...... بس! یہی مؤقف ہے جو زیرِ نظر مضمون میں میرے پیشِ نظر ہے۔ اب میں اسے مختصراً ایک سطر میں بیان کرتا ہوں۔

''قرآن نے جو کچھ کہا عقل کو چاہیے کہ اسے من و عن تسلیم کرلے۔''

کیونکہ ہم نے اسلام کو ''سائنٹیفائیز'' نہیں کرنا۔ بلکہ ہمارا فرض بنتا ہے کہ ہم سائنس کو ''اسلامائیز'' کر کے پیش کریں۔ اور سائنس کی ہر وہ بات جو اسلامائیز نہ ہو سکے۔ رد کر دی جائے۔ کیونکہ سائنس بہر حال انسانی کاوش کو کہتے ہیں۔ جبکہ قرآن کسی انسان کا نہیں بلکہ خالقِ جن و انس کا کلام ہے۔

قرآن کی رو سے شراب حرام ہے۔ چنانچہ طے ہوا کہ شراب حرام ہے۔

اب ہمیں کوئی حق نہیں پہنچتا کہ ہم قرآنی حکم میں سے کیڑے نکالیں اور شراب کو جائز قرار دینے کے لیے طرح طرح کے حیلے اور بہانے ڈھونڈیں۔ کبھی تو یہ کہیں کہ شراب کی فلاں قسم حرام ہے اور فلاں حلال۔ جیسا کہ ہمارے مفتی حضرات فتویٰ دیتے ہیں کہ انگور اور کھجور کی شرابیں تو مطلقاً حرام ہیں۔ اور باقی شرابیں جزوی طور پر حرام۔ اس طرح یہ فتویٰ بھی نظر آتا ہے کہ شراب اگر نشہ نہیں دیتی تو...... تب بھی مکمل طور پر حرام نہیں کہی جا سکتی۔ حالانکہ قرآن حکیم میں شراب کو عمل شیطانی کہا گیا ہے۔

اس بات کو...... کہ شراب برے افعال کی ماں یعنی اُمّ الخبائث ہے...... تو ہم اپنے اصل مقام پر ثابت کریں گے۔ اور اس حقیقت تک پہنچنے کے لیے ہم دونوں راستوں کو اختیار کریں گے۔ یعنی خالص مذہبی راستہ بھی۔ اور خالص منطقی راستہ بھی۔ لیکن یہاں ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ اُمّ الخبائث کی تاریخ خباثت کہاں سے شروع ہوتی ہے؟۔

دیوتاؤں کا مشروب

اللہ تعالیٰ نے کوئی بھی چیز بری پیدا نہیں کی۔ اللہ تعالیٰ نے خیر کثیر کو پیدا کیا ہے۔ جب کوئی چیز بری کہی جاتی ہے۔ تو اس کا مقصد یہ نہیں ہوتا کہ اسے اللہ رب العزت نے پیدا ہی برے مقاصد کے لیے کیا ہے۔ دراصل ہماری غلط فہمی شروع اس وقت ہوتی ہے۔ جب ہم شر اور خیر کو دو برابر کی قوتیں سمجھ بیٹھتے ہیں۔ ہماری یہ غلطی آج کی نہیں۔ قدیم ایرانی اور ہندوستانی مذاہب میں اہرمن ویزداں کا جو تصور پایا جاتا تھا۔ وہی تصور کسی نہ کسی طرح آج بھی ہمارے دلوں میں موجود ہے۔ اہرمن اور یزداں کا تصور یہ تھا، کہ:

> "یہ دنیا ایک نہیں۔ بلکہ دو خداؤں کے زیر فرمان جاری وساری ہے۔ ایک بدی کا خدا ہے۔ اور دوسرا نیکی کا۔ دونوں خدا آسمانوں پر آپس میں لڑتے رہتے ہیں۔ اور زمین پر ان کے ماننے والے آپس میں برسر پیکار رہتے ہیں۔ مخلوق خیر اور مخلوق شر، روح اور مادہ دونوں پر مشتمل ہے۔"

بنیادی غلطی یہی ہے......... برائی کا خدا اور نیکی کا خدا الگ الگ نہیں۔ اللہ صرف خیر ہی خیر ہے۔ شر خیر کے مقابلے کی قوت کا کام نہیں۔ شر خیر کے سامنے کمتر، ادنیٰ اور ہیچ ہے۔ اور یہ ہے اسلامی تصور۔ اللہ بہت بڑا ہے، اور شیطان بہت چھوٹا۔ دنیا میں ہر وہ چیز جو بظاہر بری دکھائی دیتی ہے۔ درحقیقت بری نہیں۔ اس بات کو سمجھنے کے لیے ہم ایک آسان مثال کا سہارا لیتے ہیں...... عموماً دیکھا گیا ہے کہ جنگل کے درندے سبزی خور جانوروں کو کھا جاتے ہیں۔ بادی النظری میں یہ ایک ظلم دکھائی دیتا ہے۔ لیکن یاد رکھیے! یہ ظلم نہیں۔ بلکہ توازن اور حسن کی اعلیٰ مثال ہے......... جنگل میں صرف وہی جانور کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ جو درندوں کا لقمہ بن جاتے ہیں۔ جبکہ خود درندے ہمیشہ تعداد میں سبزی خوروں سے کم ہوتے ہیں۔ "نیشنل جیوگرافک" کے ٹی وی چینل پر ایک ایسا جزیرہ دکھایا گیا۔ جہاں پر گوشت خور جانوروں کا اس خیال سے خاتمہ کردیا گیا کہ بے چارے سبزی خور جانور ان کا لقمہ بن جاتے ہیں۔ اور پھر کیا ہوا......... یہ ہوا کہ جزیرے پر بچ جانے والے سبزی خور جانوروں کی تعداد میں پہلے پہل تیزی سے اضافہ ہونے لگا۔ سال کے اندر اندر سبزی خور جانور دگنے ہوگئے۔ اور جزیرے پر موجود سبزہ ان کے لیے ناکافی ہوگیا۔ نتیجتاً سبزہ ختم ہونے لگا۔ اور جانور تیزی سے مرنے لگے۔ تجربے کا دوسرا سال ابھی مکمل بھی نہ ہوا تھا کہ سبزی خور جانور بھی قریب قریب ختم ہوگئے۔ چنانچہ جزیرے پر نہ تو درندے رہے نہ چرندے۔ اور نہ ہی نباتات باقی بچے۔ ظاہر ہے پرندے اور حشرات الارض بھی انہیں کے دم سے تھے۔ لہٰذا وہ بھی چل بسے۔ اور ایک ہنستا بستا سرسبز وشاداب جزیرہ جو اللہ تعالیٰ کے حسن اور خیر ہونے کی اعلیٰ مثال تھا۔ ایک ویران اور چٹیل میدان بن گیا۔

تصریحات بالا سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ برائی یا تخریب جو ہمیں عالم فطرت میں دکھائی دیتی ہے۔ درحقیقت برائی یا تخریب نہیں ہوتی۔ بلکہ حسن اور خیر ہوتی ہے۔ بس! تصور ہے تو ہمارے اپنے فہم کا۔ اسے کج فہمی کہیے یا غلط فہمی۔ یہ ہم ہی ہیں جو خیر اور شر کو دو برابر کی قوتیں سمجھ بیٹھتے ہیں۔

شراب جب زمانہ قدیم میں پہلے پہل متعارف ہوئی۔ تو اسے بری چیز سمجھنے کی بجائے بہت ہی مقدس اور اچھی چیز سمجھا گیا۔ اسے اسی زمانہ میں دیوتاؤں کا مقدس مشروب اور "شراب الوہیت" کے نام دیے گئے۔ انسان نے ہنوز تہذیب وتمدن اختیار نہ کیا تھا۔ اور وہ ابھی تک اپنی جنت ارضی میں آزادانہ گھومتا پھرتا تھا۔ قدیم امریکی قبائل کے مطالعہ سے صاف پتہ چلتا ہے کہ وہ لوگ جو جنگلات میں رہتے تھے۔ اور تہذیب وتمدن کے لفظ سے بھی نا آشنا تھے۔ جب ایک مادی چیز یعنی شراب کا نشہ کرتے تو یہ دیکھ کر حیران رہ جاتے کہ ان

کے اذہان عام جسمانی سطح سے بلند ہو کر سوچنے لگتے تھے۔ وہ سرور کی کیفیت میں دنیا ومافیہا سے بے خبر ہو کر کسی اور ہی دنیا میں پہنچ جاتے۔ اور تصور کرتے کہ وہ دیوتاؤں یا الہیوں کے مافوق الفطرت ماحول میں داخل ہو گئے ہیں۔ "ڈاکٹر رتھ بینی ڈکٹ" جو قدیم امریکی قبائل کی ماہر تسلیم کی جاتی ہیں۔ اپنی کتاب "پیٹرنز آف کلچر" میں رقم طراز ہیں:

> "شمالی امریکہ کے قدیم قبائل میں بشارت کے عقیدہ میں ڈیونیشیائی رجحان تو کارفرما تھا، مگر اس رجحان کے باعث گروہوں کے وقار اور ان کے حقوق و مراعات میں کوئی فرق نہ پڑا۔ یہ ذہنی تجربہ اکثر جڑی بوٹیوں اور شراب کے استعمال سے بھی کھلم کھلا حاصل کیا جاتا تھا۔ میکسیکو کے ریڈ انڈین قبائل میں خالص مذہبی مافوق الفطرت برکات حاصل کرنے کے لیے "ناگ پھنی" کا عرق استعمال کیا جاتا تھا۔ اور اس سلسلے میں باقاعدہ ایک رسم ادا کی جاتی تھی۔ "قبیلہ پائی ما" میں سالانہ رسم کے موقع پر تمام برکتوں کا نزول "ناگ پھنی کی شراب" پینے سے ہوتا تھا۔ مذہبی وجدان حاصل کرنے کے لیے پہلے کاہن پیتے تھے۔ پھر ان کے بعد باری باری تمام لوگ۔ ان کے اقوال و افعال اور ان کی شاعری میں نشے کو مذہب کے مترادف سمجھا جاتا تھا۔ گویا بشارت اور بصیرت کو ہم معنی خیال کیا جاتا تھا۔ ان کے عقیدے کے مطابق بشارت اور بصیرت دونوں مل جل کر پورے قبیلے کو وہ بلندی، عظمت اور عروج عطا کرتے ہیں۔ جس کا دوسرا نام مذہب ہے۔"

دیکھا آپ نے، قدیم امریکہ کے ایک قبیلہ "پائی ما" کے لوگ

مذہبی وجدان حاصل کرنے کے لیے شراب پیتے تھے...... یہ کیا ہے؟ کیا آج بھی ہمارے ہاں بہت سے ملنگ اسی مذہبی وجدان کو حاصل کرنے کے لیے نشہ نہیں کرتے۔ یہ دراصل ایک تصور ہے۔ اور زمانہ قدیم سے موجود ہے کہ بحالتِ نشہ مافوق الفطرت یا غیر مرئی کی جستجو بڑھ جاتی ہے۔ حکماء بھلے اسے دماغی خلیات کا خلل کہیں۔ لیکن گھوم پھر کر اصل بات وہیں لوٹ آتی ہے کہ بحالتِ نشہ غیر مرئی کے ساتھ تعلق پیدا ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ نشہ یا شراب پیتے ہی تخیلات کی دنیا کا رشتہ تجسیمی دنیا کے ساتھ کٹنے لگتا ہے۔ کٹنے کا یہ عمل ...... کٹنے جڑنے، جڑنے کٹنے اور پھر کٹنے جڑنے پر موقوف رہتا ہے۔ الیکٹرک کی اصطلاح میں اسے "سپارکنگ" کہتے ہیں۔ بحالت نشہ جس وقت تجسیمی دنیا یعنی مادی دنیا کے ساتھ تخیلاتی دنیا یا روحانی دنیا کا رشتہ کٹتا ہے۔ اور دل و دماغ کے سامنے صرف تخیلاتی یا غیر مرئی دنیا رہ جاتی ہے۔ تو انسانی لاشعور اپنے کرشمے دکھانے شروع کر دیتا ہے۔ ایسا بہت کم ہی ہوتا ہے کہ بحالتِ نشہ کوئی شخص حقیقی عالم لاہوت کے ساتھ منسلک ہو سکے۔ اس کے برعکس "سپارکنگ" کا عمل تو جاری ہے۔ چنانچہ جب تخیلات کی رَو تجسیمی دنیا کی جانب بہہ نکلتی ہے۔

تو سب سے پہلے جسم کی...... سب سے بڑی حاجت سر اٹھاتی ہے۔ یعنی بھوک لگتی ہے۔ اور جب بھوک مٹا دی جائے۔ تو جسم کی دوسری بڑی آرزو تخیلات کی دنیا پر حملہ آور ہو جاتی ہے۔ اور وہ ہے جنسی تسکین۔

اُمید ہے اب بات کچھ کچھ واضح ہوتی جا رہی ہو گی۔ اب ہوتا یوں ہے کہ [illegible] روحانی دنیا کی آرزوئیں فی الفور پوری ہونا صاحب نشہ کو ناممکن دکھائی دیتی ہیں۔ چنانچہ [illegible] کا وہ لمحہ جب حالتِ نشہ میں جسمانی احتیاجات بھول گئی تھیں۔ اور تخیل کے گھوڑے [illegible] وادیوں میں اُتر گئے تھے، بے کار چلا جاتا ہے۔ کیونکہ عالم لاہوت سے اِتصال تو ہو

نہیں سکتا۔ اس کے برعکس سپارکنگ کا وہ لمحہ جب تخیل کے گھوڑے محض جسمانی مقاصد کے حصول کے لیے دوڑ رہے تھے۔ پہلے سے بڑھ کر کام کرنے لگتا ہے۔ تخیل، بھوک اور جنسی ہوس مٹانے کے بارے میں انتہائی فعال ہو کر سرگرمِ عمل ہو جاتا ہے۔

لہٰذا یہ کہنا کہ دورانِ نشہ مذہبی وِجدان حاصل ہوتا ہے۔ مکمل طور پر غلط نہ ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ زمانہ قدیم سے لے کر آج تک دنیا کے زیادہ تر نشئی مذہبی وِجدان کے حصول کے لیے یا تخیلات کی دنیا میں رہنے کے لیے نشہ کرتے ہیں۔ قدیم امریکی قبیلہ "پائی ما" کے طرزِ عمل سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے۔ پائی ما قبیلے کا آنکھوں دیکھا حال تو "رتھ بنی ڈکٹ" نے لکھ دیا ہے۔ کیونکہ یہ قبیلہ تو زمانہ قدیم سے لے کر آج تک "شمالی امریکہ" کے جنگلات میں اپنے پرانے عقائد کے ساتھ موجود ہے۔ لیکن پانچ یا چھ ہزار سال پہلے کے انسانوں کا آنکھوں دیکھا حال ہمیں قدیم تاریخ اور بائبل بتاتی ہے۔ بائبل میں لکھا ہے:

> "تب درختوں نے انگوروں کی بیل سے کہا کہ تو آ۔ اور ہم پر سلطنت کر۔ انگور کی بیل نے ان سے کہا........ کیا میں اپنی مے کو جو خدا اور انسان دونوں کو خوش کرتی ہے، چھوڑ کر درختوں پر حکمرانی کرنے جاؤں۔"

ثابت ہوتا ہے کہ قدیم زمانے میں بلکہ بعض لوگ تو اس زمانے تک شراب کو دیوتاؤں کا مشروب اور نشے کو عالم لاہوت کے ساتھ اتصال کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ یہ خوش فہمی کہاں تک دُرست ہے۔ اور کہاں تک غلط اس بحث کا مزید حصہ ہم آگے اٹھانے والے ہیں۔ اَلبتہ یہ طے ہے کہ قدیم زمانے کے اہلِ فکر و دانش سے لے کر آج تک کے بہت سے کم عقل اَفراد........ تک شراب کو دیوتاؤں کا مشروب سمجھتے آئے ہیں۔ اس کے ثبوت میں ہم یونان کے بادشاہ کی بیٹی "سائیکی" کو شرابِ الوہیت پلانے کا واقعہ..... قبل ازیں درج کر چکے ہیں۔

لیکن تاریخی حقائق اور شواہد سے ہمیشہ یہ ثابت ہوا ہے کہ شراب نتائج کے اعتبار سے کبھی دیوتاؤں کا مشروب نہیں رہی۔ بلکہ جب بھی کسی قوم نے اپنی قلبی تسکین کے لیے شراب کا سہارا لیا۔ وہ قوم تباہ ہو گئی۔ گویا شراب کی تاریخ میں رُوحانیت کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ البتہ شراب کی تاریخ خباثت کے بے شمار ثبوت دکھائی دیتے ہیں۔

اُمّ الخبائث کی تاریخ خباثت

بائبل تو ایسے واقعات سے بھری پڑی ہے۔ جن میں کسی شخص یا اشخاص نے شراب پی۔ اور وہ مذہبی وِجدان، جو کہ خیر کا دوسرا نام ہے، حاصل کرنے کی بجائے شیطانی وجدان گویا شر کے راستے پر چل پڑے۔ بائبل نے تو معصوم انبیاءؑ کو بھی نہیں چھوڑا۔ اور خصوصاً حضرت لُوط علیہ السّلام کے بارے میں ایسا واقعہ لکھ دیا۔ جسے بیان کرنے کی تاب قلم میں نہیں۔ لیکن اِسلامی تاریخ کے مطالعہ سے ہمیں یہ صاف پتہ چلتا ہے کہ شراب نوشی ہمیشہ قاتلِ انسانیت رہی ہے۔ اِسلامی تاریخ نگار کی نظر بھی قدیم تاریخ پر پوری طرح رہی ہے۔ چنانچہ ہم سب سے پہلا واقعہ "تفسیر ابنِ جریر، ابنِ اَبی حاتم اور سُنن بیھقی" کے حوالے سے درج کرتے ہیں:

> "سب سے مشہور رِوایت یہ ہے کہ ہارُوت مارُوت دو فرشتے تھے۔ جنہیں آسمانوں سے شہر بابل میں اُتارا گیا۔ وہ لوگوں کو سحر سکھاتے تھے۔ اُنہوں نے زُہرہ نام کی ایک حسین لڑکی (رقاصہ) کو دیکھا۔ اور وہ اس پر عاشق ہو گئے۔ اُنہوں نے زُہرہ سے........ وَصل کی خواہش ظاہر کی۔ زُہرہ نے اپنے جسمانی وَصل کے عوض اُن کے سامنے چار شرائط پیش کیں۔ (1) میرے بت (معبود) کو سجدہ کرو۔ (2) میرے شوہر کو قتل کر دو۔ (3) مجھے اسمِ اَعظم سکھاؤ۔ (4) یا

> پھر میرے ساتھ شراب پیو!............فرشتوں نے پہلی تین شرائط کو بڑا گناہ سمجھا۔ اور چوتھی شرط یعنی شراب پینا قبول کر لیا۔ یہ دراصل زہرہ کی چال تھی۔ فرشتوں نے شراب پی لی تو زہرہ کے بت کو بھی سجدہ کر دیا۔ اس کے شوہر کو بھی قتل کر دیا۔ اور زُہرہ کو اسمِ اعظم بھی بتا دیا۔ اسمِ اعظم معلوم کرنے کے بعد زُہرہ آسمان کی طرف پرواز کر گئی۔ اور زُہرہ ستارا بن گئی۔ ہاروت ماروت کو خدا نے اس جرم کی پاداش میں زنجیروں سے جکڑ کر "چاہ بابل" میں قید کر دیا۔ وہ آج بھی وہاں اُلٹے لٹکے ہوئے ہیں۔"

لیکن "امام رازی" اور "امام بیضاوی" نے اس قصے سے انکار کیا ہے۔ "حاکم" نے "مسند" میں۔ اور "بیہقی" نے "سنن" میں "حضرت عائشہؓ" کے حوالے سے جادو کی ایک روایت نقل کی ہے کہ:

> "ایک عورت اپنے شخص سے نالاں تھی۔ اس کے پاس ایک بڑھیا آئی۔ دو سواریاں اس کے ہمراہ تھیں۔ دونوں ان پر بیٹھیں۔ اور چشمِ زدن میں بابل کے کنویں پر پہنچ گئیں۔ کنویں میں دو فرشتے اُلٹے لٹکے نظر آئے۔ جن کی آنکھیں ڈھالوں کی مانند تھیں۔ عورت نے سحر سیکھنے کی خواہش ظاہر کی۔ فرشتوں نے پہلے اسے منع کیا۔ پھر کنویں پر پیشاب کرنے کو کہا۔ عورت نے جھوٹ موٹ کہہ دیا کہ وہ پیشاب کر آئی ہے۔ پوچھا.........."تو نے کیا دیکھا؟" عورت نے کہا........ "کچھ نہیں" فرشتے بولے ...."تو نے پیشاب نہیں کیا۔" آخر عورت نے پیشاب کیا تو کیا دیکھتی ہے کہ سفید گھوڑے پر سوار اور لوہے میں غرق ایک شخص اس کے بدن سے نکلا اور پرواز کر گیا۔ فرشتوں نے کہا........ "وہ تیرا ایمان تھا۔" بہر حال فرشتوں نے اسے جادو سکھایا۔ اس نے جادو کر کے شوہر سے نجات پائی.........یہ وہی فرشتے تھے۔ جو زہرہ کے ساتھ شراب پینے کے جرم میں چاہِ بابل میں اسیر تھے۔"

میرا خیال ہے کہ یہ تمام روایات وضعی ہیں۔ بہر حال شراب کی تاریخ خباثت بیان کرتے ہوئے۔ مسلم مؤرخین کی تحریر کردہ یہ روایات کم از کم اتنا ضرور ثابت کرتی ہیں کہ حقیقت کچھ بھی ہو۔ شراب بہر صورت روزِ اوّل سے ہی برائیوں کی جڑ رہی ہے۔

"لوطؑ" کی قوم کا شہر "سدوم" عذابِ الٰہی سے تباہ کر دیا گیا۔ کیونکہ وہ سب شرابی تھے۔ اور شراب پی کر جنسی بے راہ روی کا شکار ہو جاتے تھے۔ "بابل و نینوا" جیسے عظیم شہر صفحۂ ہستی سے مٹا دیے گئے۔ کیونکہ ان کے باشندے پانی کی جگہ شراب پیتے تھے۔ حتیٰ کہ شراب کی پوجا بھی کرتے تھے۔ نتیجتاً شراب نے انہیں جنس پرست بنا دیا۔ عظیم سلطنتِ روما فناء ہو گئی۔ سکندرِ اعظم کا "یونان" برباد ہو گیا۔ کسریٰ کا عظیم ملک روند دیا گیا۔ کیونکہ ان سب مملکتوں کے باشندے کثرت سے شراب پیتے تھے۔ اور شراب نے جو برے افعال کی ماں یعنی امّ الخبائث ہے۔ ان لوگوں کو وحشی، ظالم، جنس پرست اور قاتل بنا دیا تھا۔

پھر اسلام آیا۔ حالانکہ شراب کی ممانعت کا حکم ہجرتِ مدینہ کے بعد وارد ہوا۔ لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خود، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور بعض دیگر جید صحابہ کرام نے زندگی میں پہلے بھی کبھی شراب کو منہ نہ لگایا تھا۔ سچ فرمایا رسالت مآب ﷺ نے ......"خیار کم فی الجاهليه، خیار کم فی الاسلام ....ترجمہ: تم میں سے زمانہ جہالت میں اچھے لوگ تھے۔ وہ آج زمانہ اسلام میں بھی اچھے لوگ ہیں......"

شراب بہت دیر سے منع ہوئی۔ اس لیے بہت سے صحابہ کرامؓ مدنی زندگی تک شراب سے شغل کرتے رہے۔ اور جب بھی کبھی کسی نے شراب پی۔ چاہے وہ جتنا بھی برگزیدہ تھا۔ نتیجتاً کوئی نہ کوئی ناخوش گوار واقعہ ہی پیش آیا۔ انہیں ناخوشگوار واقعات اور تاریخ میں موجود خباثتِ شراب کے شواہد کو دیکھ کر "حضرت عمرؓ" اکثر دعا فرمایا کرتے تھے۔ ...."اے اللہ! ہمارے درمیان شراب کے متعلق حتمی حکم صادر فرما"........... اور بالآخر حضرت عمرؓ کی دعا قبول ہوئی۔ یعنی ایک روز حضرت جبرائیلؑ شراب کی ممانعت کا حکم لے کر آ پہنچے۔

ان واقعات میں سے جو کتب روایات میں شراب کی منفی اثر آفرینیوں سے متعلق ہیں۔ سب سے اہم واقعہ "سید الشہداء حضرت حمزہؓ" کا ہے۔ یہ واقعہ حضرت علیؓ کی روایت سے "بخاری شریف" میں درج ہے:

> "حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بدر کے دن مالِ غنیمت میں ایک اونٹنی ملی۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ایک اونٹنی مزید بخش دی۔ ایک دن ...... ایک انصاریؓ کے دروازے پر میں نے ان دونوں اونٹنیوں کو بٹھا دیا۔ اور میں یہ چاہتا تھا کہ ان پر گھاس لاد کے بیچوں۔ میرے ساتھ "بنی قینقاع" کا ایک سنار بھی تھا۔ (میں نے سوچا) کہ اس (سنار) سے حضرت فاطمہؓ کے ولیمے میں مدد لوں۔ "حضرت حمزہ بن عبدالمطلبؓ" اسی گھر میں شراب پی رہے تھے۔ اور ان کے ساتھ ایک گانے والی بھی تھی۔ جو یہ گا رہی تھی۔ .... یا حمزہؓ للشرف النواء.......... ترجمہ: حمزہؓ! آگاہ ہو جاؤ۔ ان فربہ اونٹنیوں کو پکڑو۔ (اور ذبح کرو)۔ پس حمزہؓ تلوار لے کر ان دونوں اونٹنیوں کی طرف متوجہ ہوئے۔ اور انہوں نے ان کے کوہان کاٹ دیے۔ اور ان کے کولہے کاٹ کر ان کے کلیجے نکال لیے۔ (حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ) میں اس منظر سے خوفزدہ ہو کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا۔ آپؐ کے پاس زیدؓ بن حارثہؓ بھی موجود تھے۔ میں نے یہ خبر آپؐ سے بیان کی۔ جس پر آپؐ باہر نکل آئے۔ اور میں بھی آپؐ کے ہمراہ چلا۔ آپؐ حضرت حمزہؓ کے پاس پہنچے۔ اور ان پر بہت غصہ کیا۔ تو حضرت حمزہؓ نے آنکھ اٹھائی (اور نشے کی حالت میں) کہنے لگے۔ "تم لوگ (نعوذ باللہ) میرے باپ دادا کے غلام ہو۔" اس پر رسول خداؐ پچھلے پیروں واپس آ گئے۔ یہ واقعہ شراب کے حرام ہونے سے پہلے کا ہے۔"

صاف ملاحظہ کیا جا سکتا ہے کہ حضرت عمرؓ کی شراب کے متعلق حتمی حکم حاصل کرنے کی تمنا اور دعا انہیں وجوہات کی بناء پر تھی۔ جب کبھی وقتاً فوقتاً اس طرح کے واقعات پیش آتے رہتے، تو حضرت صدیق اکبرؓ یا حضرت عمرؓ جیسے جید صحابہ کرامؓ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر شراب کے بارے میں سوال فرمایا کرتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ شراب کے بارے میں جب وحی نازل ہوئی کہ ......"اے نبیؐ! یہ تم سے شراب اور جوئے کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔ ان سے کہہ دو کہ ان میں بڑا گناہ ہے۔ اور لوگوں کے لیے فائدے بھی ہیں۔"

۱، پھر شراب نوشی کے برے نتائج تو تھے ہی۔ لیکن آپؐ کو وحی الٰہی کا انتظار تھا۔ شراب حرام ئی تو سب نے چھوڑ دی۔ کچھ عرصہ تک بعض نومسلموں کے اکا دکا واقعات پیش آتے رہے۔ ، پھر خلفاء راشدینؓ کے زمانے میں شرابی کو باقاعدہ حکومت کی طرف سے سزا دی جانے لگی۔

لیکن پھر "یزید اول" نے خلفائے راشدینؓ کے اتباع کو چھوڑ کر شراب پینا شروع کی۔ تو ایک بار پھر اس کی خباثتوں کا سلسلہ چل نکلا۔ اور پھر زمانہ حال تک اسلامی تاریخ میں بھی جابجا ایسے بے شمار واقعات معرضِ ظہور میں آتے چلے گئے۔ جنہیں مرتب کرکے شراب کی تاریخ خباثت کا مضمون مکمل کیا جاسکتا ہے۔ "خلفائے بنوامیہ" اور "خلفائے عباسیہ" زیادہ تر خود شراب کی لت کا شکار رہے۔ نتیجتاً عوام میں بھی اس پر پابندی عملاً اٹھالی گئی۔ جب عباسی خلفاء شراب کے مٹکوں اور چنگ و رباب کی محفلوں میں غرق ہونے لگے۔ تو حسب سابق اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنا عذاب نازل کیا، اور "ہلاکو خان" نے "بغداد" کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ بالکل اسی طرح جب "غرناطہ" کے اموی دربار میں مسلمان حکمرانوں کے محلات میکدے بن گئے۔ تو اللہ تعالیٰ نے "اندلس" کے مسلمانوں سے سرزمین اندلس چھین لی۔ اور وہاں آٹھ سو سالہ اسلامی حکومت کا خاتمہ ہوا۔ تاریخ شاہد ہے کہ "بہادر شاہ ظفر" کے دربار میں "مرزا اسد اللہ خان غالبؔ" جیسا بلانوش مصاحب موجود تھا۔ گویا "دہلی" بھی تنے سے پہلے میخواروں کی بستی تھی۔ اہل چین بھنگ اور افیون کے نشے میں مدہوش ہوئے، تو جاپانیوں نے انہیں غلام بنالیا۔ ترکانِ عثمانی جام و سبو میں ڈوبے تو برطانیہ کے باجگذار بن گئے۔

یہ حقیقت ہے کہ شراب کے پیالے میں ڈوبی ہوئی قومیں یا افراد کبھی طاقتور نہیں ہوسکتے۔ کیونکہ شراب تمام برے اعمال کی ماں ہے۔ بالفاظِ دیگر امّ الخبائث۔

قرآنی آیات کا شانِ نزول

قرآن کا منصب بقول حضرت علامہ اقبالؒ یہ ہے کہ......... "انسان اپنے گردوپیش، اپنے ماحول اور خارجی کائنات کا ایک اعلیٰ اور برتر شعور حاصل کرکے اپنی خودی کو تقویت دے سکے" .... چنانچہ قرآن محض احکامات ہی کی کتاب نہیں۔ بلکہ یہ حتمی حقیقت

یعنی اللہ تعالیٰ کی بے شمار نشانیوں سے مزین بھی ہے۔ جہاں قرآن حکیم میں شراب کے متعلق واضح احکامات ہیں۔ وہاں اس کے نقصانات اس کی ماہیت اور اس کی اہمیت کا بھی ذکر ہے۔ قرآن جب کسی چیز کو اہمیت دیتا ہے۔ تو اس میں شک کی کوئی گنجائش نہیں رہ جاتی کہ وہ چیز انسان کے لیے جاننا اور پھر اس کی ماہیت کے مطابق اپنے طرزِ عمل کا مظاہرہ کرنا ہر اعتبار سے بے حد اہم ہے۔ قبل ازیں ہم نے موسیقی اور تصویر پر دو مفصل مقالے پیش کیے، تو ہم نے اس خیال کا اظہار کیا کہ موسیقی یا تصویر سے متعلق قرآنِ حکیم میں ممانعت یا اجازت کی آیات خصوصی طور پر وارد نہیں ہوئیں۔ لیکن شراب کو قرآن حکیم نے ببانگِ دہل...... مِن عمل الشیطٰن .... کہہ کر شراب سے متعلق اپنی واضح رائے کا اظہار کردیا۔ ایک تحقیق نگار کے لیے اس وقت اشکال کی صورت پیدا ہوتی ہے۔ جب اسے قرآنِ حکیم میں بعض مقامات پر شراب کے لیے......... منافع للنّاس، لذّۃ للشاربین اور "جامِ تسنیم" جیسے الفاظ دکھائی دیتے ہیں۔ قرآن لاریب ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں۔ چنانچہ اشکال بھی تھوڑی سی تحقیق کے بعد لایعنی دکھائی دیتا ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ قرآنِ حکیم نے شراب کے بارے میں حتمی فیصلہ نہیں دیا۔ دراصل مذکورہ بالا اشکال کا جو جواب اربابِ مذہب اور مفسرین کی جانب سے دیا جاتا ہے۔ اس سے جدت پسند طبقہ جو انگریزی عقلیات کا دلدادہ ہے، مطمئن نہیں ہوتا۔ شراب سے متعلق قرآن حکیم میں وارد ہونے والی آیت کے بارے میں جملہ مفسرین اور جمہور علماء کی یہ متفقہ رائے ہے کہ ان تمام آیات کی حکمت کو شانِ نزول کی روشنی میں سمجھا جاسکتا ہے۔ ان کا یہ کہنا ہے کہ شراب کو ہجرت کے بلکہ "غزوۂ احد" کے بعد بتدریج حرام قرار دیا گیا۔ اس لیے قرآنی حکم اسی مناسبت سے نرمی کے بعد بتدریج سختی کا رویہ اپناتا ہے۔ یہ جواب اگرچہ مکمل طور پر درست ہے۔ مگر جدت پسند طبقہ کی تشفی نہیں ہوتی۔ "سرسید احمد خان، علامہ مشرقی" اور غلام احمد پرویز" جیسے ترقی پسند مفکرین شانِ نزول کی اہمیت کو نہیں مانتے۔ اور ان کی پیروی میں ایک

بہت بڑا انگریزی دان طبقہ بھی قرآن حکیم کو شانِ نزول کی روایات سے الگ کر کے بطور ایک کتاب مبین سمجھنا چاہتا ہے۔ ہمارے عقلیت پسندوں کا یہ مؤقف ہے کہ اگر پورے قرآن حکیم کی تفسیر کے ساتھ ہر آیت کی شانِ نزول لازمی قرار دی گئی۔ تو قرآن حکیم کا دامن محدود ہو جائے گا۔

یہ حضرات شانِ نزول کے نقصانات بیان کرتے ہوئے اس قسم کی مثالیں دیتے ہیں........ مثلاً قرآن حکیم میں ہے کہ........."اے ایمان والو! بہت سے علماء اور مشائخ، لوگوں کا مال ناحق کھاتے اور ان کو اللہ کے راستے سے روکتے ہیں۔" (9/34)..........جمہور علماء کا اس آیت کی شانِ نزول کے بارے میں یہ اتفاق ہے کہ یہ آیت یہودیوں یا اہلِ کتاب کے احبار و رھبان (علماؤ مشائخ) کے بارے میں وارد ہوئی ہے۔ اسی آیت کو مثال کے طور پر پیش کر کے "غلام احمد پرویز صاحب (مرحوم)" جیسے جدت پسند منکرین شانِ نزول پر اعتراض کرتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ اگر شانِ نزول کو درست مان لیا جائے۔ تو اس آیت کی نکتہ چینی کی زد میں مسلمان علماء اور مشائخ نہیں آتے۔ جبکہ آیت کے شروع میں "یـا ایھـا الـذین امـنـوا" ....کے الفاظ اس آیت کا مسلمان علماء اور مشائخ کے لیے ہونا ثابت کرتے ہیں۔ چنانچہ جدت پسند طبقہ کا یہ مطالبہ عام لوگوں میں بہت جلد مان لیا جاتا ہے کہ قرآن حکیم کو شانِ نزول کی روایات کے بغیر سمجھنے کی کوشش کی جائے۔

دوسری طرف جمہور مذہبی علماء ہر طرح کے اعتراض کا ایک ہی جواب دیتے ہیں۔ اور وہ یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ سے زیادہ قرآن حکیم کو کسی نے نہیں سمجھا۔ اور صحابہ کرامؓ تمام قرآن کے شانِ نزول ......کے چشم دید گواہ ہیں ۔ ایسی صورتحال میں کیا کیا جائے؟ کیونکہ یہ تو سچ ہے کہ وہ صحابہ کرامؓ ہی تھے۔ جنہوں نے براہ راست رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن حکیم سنا اور سیکھا۔ جدت پسند طبقہ شانِ نزول کی روایات سے چڑ کر تمام

مجموعہ احادیث کا انکار کرنے کی جرأت نا ہنجارانہ کر بیٹھا ہے۔ ان میں سر فہرست "غلام احمد پرویز مرحوم" کو مانا جاتا ہے۔ اور ان کے چاہنے والوں کو "پرویزی" کہا جاتا ہے۔ پرویز صاحب کے بارے میں میری ذاتی رائے یہ ہے........ کہ انہوں نے مجموعہ احادیث کو شک کی نگاہ سے دیکھ کر قوم کے حق میں کچھ اچھا نہیں کیا۔ غالبًا.... یہ فکر اقبالؒ کی "بے دریغ تشریح" اور "ناکافی تعبیر" کی عادت تھی، جس نے پرویز صاحب کو ایک غلط راستے پر ڈال دیا۔ پرویز صاحب اپنی کتابوں میں جابجا علامہ اقبالؒ کے اشعار اپنے مؤقف کے حق میں پیش کرتے ہیں۔ یقیناً انہوں نے "تشکیل جدید" بھی پڑھ رکھی ہوگی۔ "علامہ اقبالؒ کے خطبات "تشکیل جدید".........کے ایک اقتباس کی غلط تشریح پرویز صاحب سمیت.........شانِ نزول کے جملہ منکرین کو غلط راستے پر ڈال دیتی ہے۔ "تشکیل جدید الٰہیاتِ اسلامیہ" میں "حضرت علامہ اقبالؒ" فرماتے ہیں:

> "سقراط کے شاگردِ رشید افلاطون کو بھی ادراک بالحواس سے نفرت ہی رہی۔ اس کا خیال تھا کہ ادراک بالحواس سے کوئی حقیقی علم تو حاصل نہیں ہوتا۔ ہم اس کی بناء پر صرف ایک رائے قائم کر سکتے ہیں۔ برعکس اس کے قرآن مجید نے سمع و بصر کا شمار اللہ تعالیٰ کے گراں قدر انعامات میں کیا ہے۔ اور عند اللہ اپنے اعمال و فعال کا جوابدہ ٹھہرایا۔
>
> یہ حقیقت تھی جسے شروع شروع کے مسلمانوں نے قرآن مجید کے مطالعہ میں یونانی ظن و تخمین سے مسحور ہو کر نظر انداز کر دیا۔ بلفظ دیگر انہوں نے اس کا مطالعہ بھی فکر یونان کی ہی روشنی میں کیا۔ اور پھر کہیں دو سو برس میں جا کر سمجھے اور وہ بھی پورے طور سے نہیں۔ کہ قرآن پاک کی روح اساسا یونانیت کے منافی ہے۔ اس انکشاف نے ان کے اندر

جو ذہنی بغاوت پیدا کر دی تھی۔ اس کی صحیح قدر و قیمت کا اندازہ آج تک
نہیں کیا جا سکا۔" (تشکیل جدید انہیات اسلامیہ)

مذکورہ بالا اقتباس میں علامہ اقبالؒ نے فرمایا کہ شروع شروع کے مسلمان قرآن حکیم کے حقیقی مؤقف سے بے خبر رہے۔ اور کہیں دو سو برس بعد اس حقیقت کا انکشاف ہوا کہ قرآن حکیم یونانیت کے منافی ہے۔ یہی وہ بات ہے۔ جو جدت پسندوں کو مجموعہ احادیث یا شانِ نزول کی روایات کے بارے میں متذبذب کر دیتی ہے۔ حالانکہ علامہ اقبالؒ کا اشارہ صحابہ کرامؓ کی جانب نہیں۔ ان کے الفاظ .... شروع شروع کے مسلمان .... (The earlier Muslim students of Quran) ہیں۔ انہی الفاظ سے پرویز صاحب اور دیگر لوگوں کو مغالطہ ہوا۔ اور عقلیت پسند مسلمانوں کی طرف سے یہ کہا جانے لگا کہ بھلے صحابہ کرامؓ نے رسول کریم ﷺ سے براہِ راست قرآن سیکھا ہو۔ لیکن پھر بھی شانِ نزول کی روایات مستند نہیں ٹھہر سکتیں۔

علامہ اقبالؒ نے صحابہ کرامؓ خصوصاً اصحابِ صفہؓ اور اصحابِ عشرہ مبشرہؓ کو قرآن کی اولین فہم سے قاصر (معاذ اللہ) نہیں لکھا۔ بلکہ علامہ اقبالؒ کا اشارہ معبر خلافت کے انہدام اور قصرِ خلافت کے قیام .... کے بعد اولین مسلمانوں کی جانب ہے۔ علامہ اقبالؒ کی شاعری، ان کی زندگی اور "تشکیل جدید" کے گہرے مطالعے سے اس حقیقت کا ثبوت ملتا ہے۔ یہاں ہم اس بحث کو مزید طول دینے کی گنجائش نہیں رکھتے۔

مختصراً .... یہ کہ قرآن حکیم کو سمجھنے میں ہمیں صحابہ کبارؓ خصوصاً مفسرین صحابہ کرامؓ کے اقوال کا لازمی طور پر سہارا لینا پڑتا ہے۔ البتہ جہاں جہاں ہمیں احکامِ قرآنی کے منافی یا متضاد کوئی روایت دکھائی دیتی ہے۔ تو ہم اس روایت کو صحابہؓ کا قول کہنے کی بجائے وضعی یا کچھ قابلِ تجزیہ قرار دیتے ہیں۔ اور یہی طریقہ علماءِ اہلِ سنت کا بھی

ہے۔ چنانچہ ہمیں تسلیم ہے کہ شراب کی ممانعت کا حکم بتدریج نازل ہوا۔ اور اسکے شان نزول سے مفسرین صحابہ کرامؓ بخوبی آگاہ تھے۔ البتہ وہ آیات بھی جن میں شراب کی بعض خوبیوں کا ذکر ہے ...... اپنی جگہ کائناتی حقیقتیں ہیں۔ جب قرآن حکیم کہتا ہے .... فیہ منافع للناس .... اس میں لوگوں کے لیے نفعے ہیں، تو بجا طور پر قرآن حکیم کی یہ رائے سامنے آتی ہے کہ نفع نقصان کو سمجھنے والا کوئی شخص مثلاً طبیب وغیرہ اگر چاہے تو شراب کے فوائد سے مستفیض ہو سکتا ہے۔ اسی طرح دوسری آیات بھی واضح ہیں۔ بہر حال حرمت شراب کی تاریخ اور شانِ نزول کی روایات مستند اور اہم ہیں۔ دراصل عرب میں شراب کا عام رواج تھا۔ گنتی کے چند آدمیوں کے علاوہ سب اس کے متوالے تھے۔ شراب جو انگنت روحانی وجسمانی بیماریوں کا سبب، اخلاقی اور معاشرتی خرابیوں کی جڑ اور فتنہ و فساد کی علت ہے۔ اسلام کے متوازن اور حسین نظام میں اس کی کیونکر گنجائش ہو سکتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اسے قطعی حرام قرار دیا۔ لیکن حرمت کا حکم آہستہ آہستہ اور بتدریج نازل ہوا۔ تاکہ لوگوں کو اس پر عمل کرنا آسان ہو جائے۔ چنانچہ "سورۃ البقرہ" میں اتنا کہنے پر اکتفا کیا گیا کہ ....

"اے پیغمبر! لوگ تم سے شراب اور جوئے کا حکم دریافت کرتے ہیں۔
کہہ دو! ان میں بڑے نقصانات اور لوگوں کے لیے فائدے
(بھی) ہیں۔ مگر ان کے نقصانات فائدوں سے زیادہ ہیں۔"

آغاز اسلام میں شراب حرام نہ تھی۔ چنانچہ بہت سے صحابہ کرامؓ پیتے تھے۔ "حضرت عمر ابن خطابؓ" کے بارے میں "حضرت علامہ اقبالؒ" اپنے خطبات میں رقمطراز ہیں:

"وہ امت کے اولین دل و دماغ ہیں۔ جو ہر معاملے میں آزادیٔ
رائے اور تنقید سے کام لیتے تھے۔"

حضرت عمرؓ کی طبیعت .... شراب کے معاملہ پر بھی بے حد بیقراری رہی۔ یہ روایت

خاصی مستند ہے کہ:

"جب شراب کی حرمت نازل ہوئی۔ تو حضرت عمرؓ نے کہا...... اے اللہ! ہمارے لیے شراب کا ایسا بیان نازل فرما۔ جو کافی ہو...... تو پھر سورۃ البقرہ کی آیت نازل ہوئی۔ رسول کریم ﷺ نے حضرت عمرؓ کو بلوایا۔ اور ان کے سامنے یہ آیت پڑھی......... اے پیغمبر! لوگ تم سے شراب اور جوئے کا حکم دریافت کرتے ہیں۔ کہہ دو! ان میں بڑے نقصانات اور لوگوں کے لیے فائدے (بھی) ہیں۔ مگر ان کے نقصانات فائدوں سے زیادہ ہیں۔ حضرت عمرؓ نے پھر کہا......... اے اللہ! ہمارے لیے شراب کے متعلق کافی (واضح) بیان نازل فرما۔ پھر سورۃ النساء کی آیت نازل ہوئی......... اے ایمان والو! صلوٰۃ کے قریب بھی مت جاؤ۔ جب تم نشے کی حالت میں ہو......... پھر حضور ﷺ نے ایسا کیا کہ نماز کے وقت اعلان کرتے ہوئے فرمایا......... کوئی شرابی نماز کے قریب نہ آئے۔ سورۃ النساء کی یہ آیت حضرت عمرؓ کو بلوا کر سنائی گئی۔ حضرت عمرؓ نے پھر کہا...... اے اللہ! ہمارے درمیان شراب کا ایسا حکم نازل فرما جو کافی ہو......... تو پھر یہ آیت نازل ہوئی......... اے ایمان والو! بے شک شراب، جواء اور بت اور پانسے ناپاک شیطانی اعمال ہیں۔ سو ان سے بچتے رہنا تاکہ نجات پاؤ...... 5/90۔ (سنن ابوداؤد، کتاب الاشربہ، صفحہ 517)

یہ ہے وہ تفصیلی روایت جو حرمتِ شراب کے شانِ نزول سے متعلق بہت مشہور اور متفقہ ہے۔ چنانچہ روایات کی روشنی میں یہ بات حتمی طور پر ثابت ہوتی ہے کہ شراب حرام ہے۔

شراب سے متعلق قرآنی آیات

شراب کو اللہ تعالیٰ نے "رجس" مِنْ عَمَلِ الشَّیطان" کہا۔ تو نبی کریم ﷺ نے ایک رضا کار کو حکم دیا کہ مدینے کے گلی کوچوں میں پھر کر باآوازِ بلند ان آیات کا اعلان کرے۔ جب وہ منادی کرنے والا اعلان کے لیے نکلا تو کئی جگہ شراب کی محفلیں آراستہ تھیں۔ جونہی مسلمانوں کے کانوں میں منادی کی صدا پہنچی۔ ہونٹوں سے لگے ہوئے جام خود بخود الگ ہو گئے۔ مومنوں نے ساغر و مینا کو اٹھا کر پھینک دیا۔ مشکوں اور مٹکوں میں بھری ہوئی "مئے ناب" انڈیل دی گئی۔ وہ چیز جو انہیں از حد عزیز تھی، گندے پانی کی طرح نالیوں میں بہہ دی گئی۔ اس مقام تک پہنچتے پہنچتے شراب سے متعلق قرآنِ حکیم کی کئی آیات نازل ہو چکی تھیں۔ جہاں ان آیات کو سمجھنے کے لیے مذکورہ بالا شانِ نزول یعنی ان واقعات کی ضرورت ہے۔ وہاں یہ بھی ضروری ہے کہ قرآنِ حکیم کی تمام آیات کو چاہے وہ حرمت سے پہلے کی ہوں یا بعد کی، یکساں اہمیت کی نظر سے دیکھا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم نے قرآنِ حکیم کی کچھ آیات جن میں شراب کا ذکر ہے۔ یہاں جمع کر دی ہیں۔ قرآنِ حکیم کی ہر آیت قیامت تک کے لیے ہے۔ کوئی آیت منسوخ نہیں۔ کوئی آیت معزول یا معطل نہیں۔ ہر آیت، ہر رائے پر فیصلہ، ہر حکم حتمی اور حرفِ آخر ہے۔ اور وہ شخص جو قرآنِ حکیم کی آیات کو یا بعض آیات کو منسوخ یا معطل ـــ وہ مسلمان نہیں کہا جاسکتا۔

یعنی ہمارے لیے قرآنِ حکیم کی صداقت پر ایمان ہی اولین شرط ہے۔ قرآنِ حکیم میں شراب سے متعلق بہت سی آیات نازل ہوئی ہیں۔ جن میں چند ذیل میں درج کی جاتی ہیں:

(1) یَسْـئَلُوْنَکَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ ؕ قُلْ فِیْهِمَآ اِثْمٌ کَبِیْرٌ وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ ز وَاِثْمُهُمَآ اَکْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ؕ وَیَسْـئَلُوْنَکَ مَاذَا یُنْفِقُوْنَ ؕ قُلِ الْعَفْوَ ؕ کَذٰلِکَ یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَکُمُ الْاٰیٰتِ لَعَلَّکُمْ

تَتَفَكَّرُوْنَ۝ (2/219)

''(اے پیغمبر!) لوگ تم سے شراب اور جوئے کا حکم دریافت کرتے ہیں (ان سے کہہ دو) کہ ان میں نقصان بڑے ہیں۔ اور لوگوں کے لیے کچھ فائدے بھی ہیں۔ مگر ان کے نقصان فائدوں سے کہیں زیادہ ہیں۔ اور یہ بھی تم سے پوچھتے ہیں کہ (خدا کی راہ) میں کونسا مال خرچ کریں۔ کہہ دو کہ جو ضرورت سے زیادہ ہو۔ اس طرح اللہ تمہارے لیے اپنے احکام کھول کھول کر بیان کرتا ہے۔ تاکہ تم سوچو۔''

(2) يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ وَلَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِيْ سَبِيْلٍ حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا (4/43)

''اے ایمان والو! جب تم نشے کی حالت میں ہو تو جب تک (ان الفاظ کو) جو منہ سے کہو سمجھنے (نہ) لگو، صلوٰۃ کے پاس نہ جاؤ۔ اور خباثت کی حالت میں بھی (نماز کے پاس نہ جاؤ) جب تک کہ غسل (نہ) کرلو۔''

(3) يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۝ اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ۝ (5/90 91)

''اے ایمان والو! شراب اور جواء اور بت اور پانسے (یہ سب) ناپاک کام، اعمال شیطان سے ہیں۔ سو ان سے بچتے رہنا تاکہ نجات پاؤ۔ شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے سبب تمہاری آپس میں دشمنی اور رنجش ڈلوا دے۔ اور تمہیں اللہ کی یاد سے اور صلوٰۃ سے روک دے۔ (ان کاموں سے) باز رہنا چاہیے۔''

(4) وَمِنْ ثَمَرٰتِ النَّخِيْلِ وَالْاَعْنَابِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا وَّرِزْقًا حَسَنًا اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ۝ (16/67)

''اور کھجور اور انگور کے میووں سے بھی (تم پینے کی چیزیں تیار کرتے ہو) کہ ان سے شراب بناتے ہو، اور عمدہ رزق۔ جو لوگ سمجھ رکھتے ہیں۔ ان کے لیے ان چیزوں میں نشانیاں ہیں۔''

(5) يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِكَاْسٍ مِّنْ مَّعِيْنٍ۝ بَيْضَآءَ لَذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ۝ لَا فِيْهَا غَوْلٌ وَّلَا هُمْ عَنْهَا يُنْزَفُوْنَ۝ (37/45 46,47)

''شراب لطیف کے جام کا ان میں دور چل رہا ہوگا۔ جو رنگ کی سفید اور پینے والوں کے لیے لذّت ہوگی۔ نہ اس سے سر درد ہوگا۔ اور نہ اس سے پینے والے بہکیں گے۔''

(6) هٰذَا ذِكْرٌ وَاِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ لَحُسْنَ مَاٰبٍ۝ جَنّٰتِ عَدْنٍ مُّفَتَّحَةً لَّهُمُ الْاَبْوَابُ۝ مُتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا يَدْعُوْنَ فِيْهَا بِفَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ وَّشَرَابٍ۝ وَعِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ اَتْرَابٌ۝ (38/49,50,51,52)

''یہ نصیحت ہے اور متقین کے لیے تو عمدہ مقام ہیں...... ''باغات عدن''۔ جن کے دروازے ان کے لیے کھلے ہوں گے۔ ان میں تکیے لگائے بیٹھے ہوں گے۔ بہت سے میوے اور شراب منگواتے رہیں گے۔ اور ان کے پاس نیچی نگاہ رکھنے والی ہم عمر عورتیں ہوں گی۔''

(7) مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ فِيْهَآ اَنْهٰرٌ مِّنْ مَّآءٍ غَيْرِ اٰسِنٍ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ لَّبَنٍ لَّمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهٗ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ

لِّلشّٰرِبِيْنَ ٥ (47/15)

"جنت جس کا پرہیزگاروں سے وعدہ کیا گیا ہے، اس کی مثال یہ ہے کہ اس میں پانی کی نہریں ہیں، جو بو نہیں کریگا۔ اور دُودھ کی نہریں ہیں۔ جس کا مزا نہیں بدلے گا۔ اور شراب کی نہریں ہیں جو پینے والوں کے لیے لذّت ہے۔"

(8)يَتَنَازَعُوْنَ فِيْهَا كَاْسًا لَّا لَغْوٌ" فِيْهَا وَلَا تَاْثِيْمٌ" ٥ (52/23)

"وہاں وہ ایک دوسرے سے جام شراب جھپٹ لیا کریں گے۔ جس کے پینے سے نہ ہذیان سرائی ہوگی نہ کوئی گناہ۔"

(9)بِاَكْوَابٍ وَّاَبَارِيْقَ وَكَاْسٍ مِّنْ مَّعِيْنٍ ٥ لَّا يُصَدَّعُوْنَ عَنْهَا وَلَا يُنْزِفُوْنَ ٥ (56/18 19)

"یعنی آبخورے اور آفتابے اور صاف شراب کے گلاس لے کر، اس سے نہ تو کوئی سردرد ہوگا۔ اور نہ ان کی عقلیں زائل ہونگی۔"

(10)اِنَّ الْاَبْرَارَ يَشْرَبُوْنَ مِنْ كَاْسٍ كَانَ مِزَاجُهَا كَافُوْرًا ٥۔ (76/5)

"جو نیکوکار ہیں۔ وہ ایسی شراب نوش جاں کریں گے۔ جس میں کافور کی آمیزش ہوگی۔"

(11)وَيُسْقَوْنَ فِيْهَا كَاْسًا كَانَ مِزَاجُهَا زَنْجَبِيْلًا ٥ عَيْنًا فِيْهَا تُسَمّٰى سَلْسَبِيْلًا ٥ (76/17.18)

"اور ہاں ان کو ایسی شراب پلائی جائیگی۔ جس میں سونٹھ (ادرک) کی آمیزش ہوگی۔ یہ بہشت میں ایک چشمہ ہے جس کا نام سلسبیل ہے۔"

(12)وَّكَوَاعِبَ اَتْرَابًا ٥ وَّكَاْسًا دِهَاقًا ٥ لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا كِذّٰبًا ٥ (78/33 34 35)

"اور ہم عمر نوجوان عورتیں اور شراب کے چھلکتے ہوئے گلاس۔ وہاں وہ نہ بیہودہ بات سنیں گے نہ جھوٹ خرافات۔"

(13)وَسَقٰىهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُوْرًا ٥ (76/21)

"اور ان کا پروردگار اِن کو نہایت پاکیزہ شراب پلائے گا۔"

(14)تَعْرِفُ فِيْ وُجُوْهِهِمْ نَضْرَةَ النَّعِيْمِ ٥ يُسْقَوْنَ مِنْ رَّحِيْقٍ مَّخْتُوْمٍ ٥ (83/24,25)

"تم اِن کے چہروں ہی سے راحت کی تازگی معلوم کرلو گے۔ اِن کو خالص شراب سربہ مُہر پلائی جائے گی۔ جس کی مہر مشک کی ہوگی۔ تو نعمتوں کے شائقین کو چاہیے کہ وہ اسی سے رغبت کریں۔"

جنت میں شراب ملے گی

شراب سے متعلق قرآنی آیات کی تفسیر تو کتب تفاسیر میں ملے گی۔ اور تاویل "راسخون في العلم" کے پاس......... میں اَپنے الفاظ میں تو صرف وہی مفہوم بیان کرسکتا ہوں۔ جو رّوایت ودرّایت کی روشنی میں، میں نے سمجھا......... مَن آنم کہ دانم۔

ہجرت سے پہلے مکۃ المکرمہ میں تو مسلمان اپنی نومولود تحریک کو شیطانی دست بُرد سے بچانے میں لگے ہوئے تھے۔ کوئی ریاست نہ تھی، کوئی بستی نہ تھی۔ جہاں اوّلین اسلامی حکومت کا قیام عمل میں لایا جاتا۔ دستور بنتے، قوانین نافذ ہوتے، ایک نظامِ سلطنت، آئین یا دستورالعمل مُرتّب ہوتا۔ "مکی زندگی" میں تو رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم اپنے جیالوں کی تربیت فرمارہے تھے۔ آئے روز جبرئیل امین...... تشریف لاتے۔ اور مسلمانوں کو تسلی تشفی اور حوصلہ دینے کے ساتھ ساتھ دنیا و آخرت میں بہتر مستقبل کی بشارت دیتے۔ اللہ کا پیغام اَپنے پیاروں کے پاس پہنچتا۔ تو اُن کے حوصلے بلند ہوجاتے۔ "اَبوجہل" کا ٹولہ

رسالت مآب ﷺ اور آپ ﷺ کے اصحابؓ کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑا ہوا تھا۔ قریش مکہ مومنین کا ٹھٹھہ کرتے، مذاق اُڑاتے۔ مسلمان اہلِ قرآن تھے۔ اِدھر رُومی سلطنت کے عیسائی اہلِ کتاب تھے۔ قریشِ مکہ بُت پرست تھے۔ اُدھر ایرانی سلطنت کے مجوسی بُت پرست تھے۔ چنانچہ جب رُوم و ایران کے مابین عظیم جنگ شروع ہوئی۔ تو خود بخود ہی قریشِ مکہ کی ہمدردیاں ایرانیوں کے ساتھ اُور مسلمانوں کی ہمدردیاں رُومیوں کے ساتھ ہو گئیں۔ اُور پھر شروع شروع میں جب رُومیوں کو شکست ہوئی۔ تو قریشِ مکہ خوشی سے پھولے نہ سمائے۔ مسلمان دِل گرفتہ ہوئے۔ بعض تو مسلموں کے لبوں پر حرفِ شکایت آیا۔ اُبوجہل اُور اُس کے ساتھی رُومی اہلِ کتاب کی شکست پر رسالت مآب ﷺ کو طعنے دینے لگے۔ لیکن کچھ ہی دیر بعد اللہ کی وحی نازل ہوئی...... مسلمانوں کو حوصلہ دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

> "الــــم۔ اہلِ روم مغلوب ہو گئے۔ نزدیک کے ملک میں۔ اور وہ مغلوب ہونے کے بعد عنقریب غالب ہو جائیں گے۔ چند ہی سال میں۔ پہلے بھی اور پیچھے بھی خدا ہی کا حکم ہے۔ اور اس روز مومن خوش ہو جائیں گے۔"

وحی کے آنے کی دیر تھی کہ مومنین مطمئن ہو گئے۔ سُورۃ رُوم کی اس آیت کی طرح قرآن حکیم کی اور بھی کئی سورتوں کا یہی عالم ہے۔ کہیں مسلمانوں کو اطمینان دلایا گیا۔ کہیں ان کی حوصلہ افزائی کی گئی۔ کہیں انہیں مشکلات پر صبر کی تلقین کی گئی۔ تو کہیں ان مشکلات کے بدلے میں ملنے والی جنت کی بشارت دی گئی۔ یہ جنت دو قسم کی تھی۔ جیسا کہ قرآن حکیم میں ارشاد ہے:

"لِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّہٖ جَنَّتٰنِ"

"جس شخص نے اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے خوف کھایا۔ اس کے لیے دو جنتیں

ہیں۔"

گویا مادی دنیا کے سب سے بڑے بت یعنی نفس پرستی سے اجتناب کرنے والے ہی مومنین ہیں۔ انسان جب یہ سمجھ بیٹھتا ہے کہ اپنے آپ کو یا اپنے بچوں کو پالنے والا وہ خود ہے۔ تو گویا وہ "رب" کے سامنے کھڑا ہو جاتا ہے۔ کیونکہ پالنے والا تو رب ہے۔ وہی سب کا خالق اور وہی سب کا رازق ہے۔

چنانچہ قرآن حکیم نے فرمایا کہ وہ مومنین جو اللہ کی ربوبیت میں کامل یقین رکھتے ہیں۔ دو جنتوں کے مستحق ہیں۔ مفسرین نے ایک جنت کو......"جنّـــات عدن" اور دوسری کو ......جنّاتِ نعیمؒ" کا نام دیا۔

اگر قرآن حکیم میں غور کیا جائے۔ اور ان دونوں جنتوں کی حقیقت کو سمجھنے کی کوشش کی جائے۔ تو صاف پتہ چلتا ہے کہ ایک جنت تو وہ ہے۔ جو مومن کو ایک فردِ معاشرہ کی حیثیت سے اِسی دنیا میں نصیب ہوگی۔ اور اُس وقت نصیب ہوگی۔ جب اِنقلابِ اِسلامی کے نتیجے میں معاشرے کے اندر قرآن کا نظام نافذ ہو جائے گا۔ اس دن کو قرآن حکیم نے بعض جگہ "یومُ السّاعت" اور بعض جگہ تو "یومُ القیامۃ" تک کہہ دیا ہے۔ اسلامی انقلاب کا دن ہی دنیا کے لیے مسرت کا حقیقی دن ہوگا۔

بقول شاعر:

جب ظلم و ستم کے کوہِ گراں روئی کی طرح اڑ جائیں گے
ہم محکوموں کے پاؤں تلے یہ دھرتی دھڑ دھڑ دھڑ کے گی
اور اہلِ حَکَم کے سر اوپر جب بجلی کڑ کڑ کڑ کے گی
وہ دن کہ جس کا وعدہ ہے، ہم دیکھیں گے
جو لوحِ ازل میں لکھا ہے ہم دیکھیں گے

ہاں! یہ روزِ انقلاب کی بات ہے۔ وہی روز جس روز انقلاب آئے گا۔ جو پست ہیں۔ انہیں بلند کر دیا جائے گا۔ اور جو بلند ہیں، انہیں پست کر دیا جائے گا۔ گویا ترازو کے دونوں پلڑے متوازن کر دیے جائیں گے۔ اور وہی........."یوم الحساب" ہوگا.........اور پھر جب انقلاب کے بعد اسلامی معاشرہ قائم ہوگا۔ تو وہاں نہ کوئی خوف ہوگا نہ کوئی حزن۔ بقول قرآن.....فلاخوف" علیہم ولا ھم یحزنون ....بالفاظ دیگر یہ جنت ہوگی، جو اسی دنیا میں مومنین کو ملے گی۔ اور وہ قیامت تک غالب رہیں گے۔

اس کے برعکس ایک دوسری جنت ہے۔ جو آخرت میں بروز محشر اللہ کے دربار میں حساب کتاب کے بعد مومنین کے حصے میں آئے گی۔ وہ جنت چونکہ مرنے کے بعد کسی اور ہی جہان میں قائم ہوگی۔ چنانچہ اس کا تصور کرنا بھی انسان کے بس کی بات نہیں۔ کیونکہ عالم ارواح کی مثال عالم مادی سے نہیں دی جا سکتی۔ چنانچہ جب بھی قرآن کو اس جنت کا ذکر کرنا ہوتا ہے۔ تو قرآن حکیم عالم مادی سے محض مثال کے طور پر آرام و آسائش کا تذکرہ کرتا ہے۔ وہ جنت جہاں نظام انہضام نہیں ہوگا۔ کیونکہ سب کچھ کھا پی کر بھی پاخانہ نہیں آئے گا، یقیناً کسی ایسے جسم کی متقاضی ہے۔ جو اس جنت کی طرح لطیف ہو۔ اسی جنت کو مفسرین "باغ عدن" کا نام دیتے ہیں۔

تو یہ ہیں دو جنتیں، جنہیں قرآن حکیم نے "جنتن" (دو جنتیں) کہہ کر پکارا ہے۔ چنانچہ شروع شروع میں جب مومنین مکی زندگی کی مشکلات کا سامنا کر رہے تھے۔ تو انہیں ہر دو جنتوں کی بشارت دی گئی۔ پھر "مدنی زندگی" کا آغاز ہوا۔ تو اس وقت بھی پہلے پہل اشیائے خورد و نوش کی فراوانی نہ ہو سکی۔ چنانچہ مومنین جنتن کے حصول کی تگ و دو کرتے رہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان ادوار کی اکثر سورتوں میں جنت کی منظر کشی کرتے ہوئے قرآن حکیم شراب کا ذکر کرتا ہے۔

شراب اہل عرب کی محبوبہ تھی۔ وہ شراب کے بغیر پرُ تعیش زندگی کا تصور بھی نہ کر سکتے تھے۔ چنانچہ قرآن حکیم نے انہیں جنت میں خالص اور عمدہ شراب پینے کی بشارتیں دیں۔ کہیں فرمایا.....شَرَابًا طَھُوْرًا..........کہیں فرمایا........کَانَ مِزَاجُھَا زَنْجَبِیْلًا........کہیں فرمایا........ کَانَ مِزَاجُھَا کَافُوْرًا.........کہیں.......لَذَّۃٍ لِّلشّٰرِبِیْنَ......تو کہیں........رَحِیْقٍ مَّخْتُوْمٍ.......کا لقب دیا۔

اور یہ بشارت دونوں جنتوں کے لیے دی۔ وہ جنت جو اسی زمین پر مہدیٔ منتظر کی ضرب ید الٰہی کے نتیجے میں قائم ہوگی۔ اور مہدی تو بقول اقبالؒ وہی ہے:

ہوگی جس کی خودی پہلے نمودار
وہی مہدی، وہی آخر زمانی

بے شک! وہی مہدی برحق ہوگا۔ اور وہی آخر زمانی ہوگا۔ جس کی خودی سب سے پہلے نمودار ہوگی۔ یا یوں کہیے۔ جو سب سے پہلے اپنے آپ کو خلیفۃ اللہ فی الارض کی حیثیت سے پہچان کر انا الحق کا نعرہ لگائے گا۔ بقول شاعر:

اٹھے گا انا الحق کا نعرہ جو میں بھی ہوں اور تم بھی ہو
اور راج کرے گی خلق خدا جو میں بھی ہوں اور تم بھی ہو

ظاہر ہے جب خلق خدا راج کرے گی۔ تو گویا اللہ کی زمین پر بدامنی کا خاتمہ ہو جائے گا۔ انسان، انسان سے محبت کرنے لگیں گے۔ اقوام و ملت کی تفریق مٹ جائے گی۔ رنگ و نسل کا فرق ختم ہو جائے گا۔ تمام انسان "امت واحدہ" (القرآن) بن جائیں گے۔ تو گویا زمین پر جنت قائم ہو جائے گی۔ لیکن یاد رہے کہ جب تک پورے کرۂ ارض پر ایسی جنت قائم نہیں ہو جاتی۔ اور اللہ کی مخلوق کہیں نہ کہیں تکلیف میں رہتی ہے۔ تو مومنین کو پرُ تعیش

معاشرہ بنانے کی کوئی اجازت نہیں۔ چنانچہ شراب کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ لیکن شراب کی آیات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ تمام آیات جو شراب کی تعریف و توصیف میں اتری ہیں، اسی دنیا کی جنت سے متعلق ہیں۔ اب ہم انہیں تمام آیات کا جائزہ لیتے ہیں۔ سب سے پہلے ہم "سورۃ النحل" کی آیت نمبر 67 کی تلاوت کرتے ہیں۔ جس کے عربی الفاظ ہم پیچھے درج کر چکے ہیں۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

> "اور کھجور اور انگور کے میووں سے بھی (تم پینے کی چیزیں تیار کرتے ہو)۔ ان سے شراب بناتے ہو اور جو لوگ سمجھ رکھتے ہیں۔ ان کے لیے ان چیزوں میں نشانی ہے۔" (ترجمہ: مولانا فتح محمد جالندھریؒ)

"مولانا فتح محمد جالندھریؒ" نے اس آیت سے متعلق حاشیے میں درج ذیل الفاظ لکھے ہیں:

> "شراب"...... ہم نے سکر کا ترجمہ کیا ہے۔ اہل لغت نے لکھا ہے کہ "سکر" شراب کا نام ہے۔ ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ "سکر" بعینہٖ خمر ہے۔ ابن مسعودؓ کا بھی یہی قول ہے۔ اس مقام پر یہ ظاہر کرنا ضروری ہے کہ یہ آیت تحریم شراب سے پہلے نازل ہوئی تھی۔ اور دلیل یہ ہے کہ یہ سورۃ تین آیات کے سوا مکی ہے۔ اور "سورۃ مائدہ" مدنی ہے۔ جس میں شراب کی حرمت کا حکم ہے۔"

"سورۃ النحل" کی مذکورہ بالا آیت میں کسی جنت کا ذکر کیے بغیر شراب کے معاملے میں قرآن کریمؐ نے نرم لہجہ اختیار کیا ہے۔ آیت میں ہے...... "اور تم کھجور اور انگور سے ...... شراب بناتے ہو"...... گویا یہ ایک معمول کا کام ہے۔ اور "سکر" کے ساتھ ہی...... ورزقاً حسناً...... کے الفاظ میں موجود "و" کا فائدہ اٹھاتے ہوئے سکر کو شراب اور عمدہ رزق کو دیگر رزق (جوس، شربت وغیرہ) شمار کیا ہے۔ اس کا قرآنی محاورہ کے مخصوص

نداز میں ترجمہ یوں بھی بنتا ہے۔

> "...... تم شراب بناتے ہو۔ اور (یوں) حسین رزق حاصل کرتے ہو۔"

ایک لحاظ سے قرآن حکیم نے شراب کو عمدہ رزق قرار دیا ہے۔ لیکن یہ روایت البتہ درست معلوم ہوتی ہے کہ مذکورہ بالا آیت حرمتِ شراب سے پہلے نازل ہوئی تھی۔ اسی لیے اس آیت میں شراب کی تعریف کی گئی ہے۔

چنانچہ اس آیت سے اتنا ضرور واضح ہو جاتا ہے کہ شراب کشید کرنا یا پینا اسلام کی ابتدائی تاریخ میں اس حد تک خطرناک جرم نہیں تھا۔ جس حد تک کہ سُود، ذخیرہ اندوزی اور شرک وغیرہ ہیں جو کہ آج بھی شراب نوشی سے بڑے جرائم ہیں۔ کیونکہ یہ جرائم تو اسلام نے روزِ اوّل سے حرام قرار دیے۔ آج ہماری حالت یہ ہے کہ سود اور شرک وغیرہ جیسے جرائم کا ارتکاب کرتے ہوئے ہمیں ذرا بھر ندامت نہیں ہوتی۔ جبکہ شراب کا نام لیتے ہوئے ہماری روح کانپ اٹھتی ہے۔ حضرت علیؓ نے غالباً اسی وجہ سے فرمایا تھا کہ......"میں کسی مجرم پر حد نافذ کرتے ہوئے اتنا نہیں ڈرتا، جتنا شرابی پر"......شراب سے متعلق تو خیر قرآن حکیم میں ممانعت کا واضح حکم ہے۔ موسیقی اور تصویر کے متعلق جنہیں ہماری مذہبی پیشوائیت سُود سے بھی زیادہ نفرت کی نظر سے دیکھتی ہے..... تو قرآن حکیم نے اتنا بھی نہیں فرمایا۔ جتنا کہ شراب کے بارے میں۔

دراصل ہماری پیشوائیت نے گذشتہ پانچ سو سال کی غلامی میں ڈھیرے ڈھیرے اسلام کا حلیہ ہی بدل دیا۔ شراب بے شک حرام ہے۔ اور اس کی حرمت کے حکم میں کہیں بھی کسی کو کوئی شک نہیں۔ لیکن میرا مؤقف یہ ہے کہ شراب خنزیر کے گوشت، مردار، خون، شرک، سود، غیبت یا جھوٹ کے پائے کی حرام نہیں ہے۔ کیونکہ مذکورہ اشیاء کو تو قرآن حکیم نے روزِ اول سے روزِ تکمیل تک متواتر حرام کہا۔ اور ان سے اجتناب کا نام ہی "مسلمانی" رکھا۔ لیکن شراب

کو "مِنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ " کہہ کر مسلمانوں کو اس سے روک دیا اور مسلمان اس سے رک گئے لیکن دیکھنے کی بات یہ ہے کہ سود اور دیگر معاشرتی جرائم سے مسلمان آج تک کیوں نہ رک سکے۔ شراب حرام ہے۔ اور تا قیامِ بہشت حرام ہی رہے گی۔ کیونکہ جب تک زمین پر اللہ کی مخلوقات کو خلیفۃ اللہ فی الارض کے زیرِ سایہ چین نہیں آجاتا۔ مؤمن پر پُر تعیش زندگی حرام ہے۔ البتہ اربابِ فقہ کو یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ قرآن حکیم کی کوئی بھی آیت منسوخ، معزول یا معطل جاننا کفر ہے۔

ہم نے جنت میں شراب کی موجودگی پر تقریباً دس آیات درج کی ہیں۔ آیت نمبر 37/46 میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے...... شراب لطیف کے جام کا، ان میں دَور چل رہا ہوگا۔ جو رنگ کی سفید اور پینے والوں کے لیے لذت ہوگی۔ نہ اس سے سر درد ہوگا۔ اور نہ اس سے پینے والے بہکیں گے۔

آیت نمبر 36/49,50,51,52 میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے...... متقین کے لیے تو عمدہ مقام ہے۔ یعنی باغاتِ عدن۔ جن کے دروازے ان کے لیے کھلے ہوں گے۔ ان میں تکیے لگائے بیٹھے ہوں گے۔ بہت سے میوے اور شراب منگواتے رہیں گے۔ اور ان کے پاس حیا دار (نیچی نگاہ والی) ہم عمر عورتیں ہوں گی۔

آیت نمبر 47/15 میں ارشاد ہے...... اس (جنت) کی صفت یہ ہے کہ اس میں پانی کی نہریں (فراوانی کے ساتھ) ہیں۔ جو بو نہیں کرے گا۔ اور دودھ کی نہریں (فراوانی کے ساتھ) ہیں۔ جس کا مزا نہیں بدلے گا۔ اور شراب کی نہریں (فراوانی کے ساتھ) ہیں جو پینے والوں کے لیے لذت ہے۔

آیت نمبر 52/23 میں ارشاد ہے...... وہاں وہ ایک دوسرے سے جامِ شراب جھپٹ لیا کریں گے۔ جس کے پینے سے نہ ہذیاں سرائی ہوگی۔ اور نہ کوئی گناہ۔

آیت نمبر 56/18,19 میں فرمایا ہے...... یعنی آبخورے اور آفتابے اور صاف شراب کے گلاس لے کر۔ جس سے نہ تو کوئی سر درد ہوگا۔ اور نہ ان کی عقلیں زائل ہوں گی۔

آیت نمبر 76/5 میں ارشاد ہے...... جو نیکوکار ہیں۔ وہ ایسی شراب نوش جاں کریں گے۔ جس میں کافور کی آمیزش ہوگی۔

آیت نمبر 76/17,18 میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے...... "اور وہاں ان کو ایسی شراب پلائی جائے گی۔ جس میں اَدرک کی آمیزش ہوگی۔"

آیت نمبر 78/33,34,35 میں ارشاد ہے...... "اور ہم عمر نوجوان عورتیں اور شراب کے چھلکتے ہوئے گلاس، وہ وہاں نہ بیہودہ بات سنیں گے نہ خرافات۔"

آیت نمبر 76/21 میں ارشاد فرمایا ہے...... اور اِن کو ان کا پروردگار نہایت پاکیزہ شراب پلائے گا۔"

آیت نمبر 83/24,25 میں اِرشاد ہے...... "تم اِن کے چہروں ہی سے راحت کی تازگی معلوم کرلو گے۔ ان کو خالص شرابِ سر بمہر (سیل بند) پلائی جائے گی۔ جس کی مہر مشک کی ہوگی۔ تو نعمتوں کے شائقین کو چاہیے کہ وہ اِسی سے رغبت کریں۔"

مذکورہ بالا آیات بہشتِ بریں میں ملنے والی شراب کی تعریف میں اُتری ہیں۔ تمام آیات میں انتہائی وضاحت کے ساتھ پتہ چلتا ہے...... کہ یہ شراب مادی جسم کو ملے گی۔ یہی جسم جس میں ہڈیاں خون اور گوشت ہے۔

مشرکینِ مکہ کہا کرتے تھے...... "بھلا یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ہم مرجائیں۔ ہماری ہڈیاں مٹی میں مل جائیں۔ اور پھر ہم دوبارہ زندہ ہوں"...... تو اللہ تعالیٰ اس کے جواب میں اکثر یوں فرماتے ہیں...... انہیں سوچنا چاہیے کہ یہ جب دُنیا میں نہیں تھے۔ تو اللہ نے انہیں کیسے زندہ کیا۔ یہ مرجائیں گے۔ اور پھر زندہ کیے جائیں گے۔ تو اس میں اتنی سمجھنے کی کون سی مشکل بات

ہے۔ اور اللہ کی نشانیاں عقل والوں کی سمجھ میں آتی ہیں۔۔۔۔۔۔۔ اس مفہوم کی متعدد آیات قرآن حکیم میں موجود ہیں۔

دیکھا آپ نے اللہ تعالیٰ آئندہ زندگی کی مثال ہماری پیدائش سے پہلے ہمارے موجود نہ ہونے کی مثال پر دیتے ہیں۔ جب ہم موجود نہ تھے۔ تو کتابِ تقدیر میں ہمارا دنیا میں وارد ہونا لکھا ہوا تھا۔ گویا ابھی ہم محض ایک روح تھے۔ روح میں کوئی مادی میٹریل نہیں ہوتا۔ روح ایٹوں الیکٹرانوں یا پروٹانوں سے مل کر نہیں بنتی۔ روح محض ایک لطیف تصور ہے۔ جو مادی سے ماورا اپنا وجود رکھتا ہے۔ ہمارے جسموں میں روح اس طرح موجود ہے۔ جیسے گرم پانی میں آگ۔۔۔۔۔۔۔ پانی میں آگ؟۔۔۔۔۔ پانی میں آگ کیسے رہ سکتی ہے۔ گرم پانی میں موجود حرارت آگ ہی تو ہوتی ہے۔۔۔۔۔۔۔ بالکل ویسے حواسِ خمسہ سے سمجھ نہ آنے والی چیز روح ہے۔ تو جب ہم اس دنیا میں نہ تھے۔ اس وقت محض ایک روح تھے۔ کیونکہ رسالت مآب ﷺ کا ارشاد ہے۔۔۔۔۔۔۔ "سب سے پہلے اللہ نے میری روح کو تخلیق کیا۔ اور پھر باقی تمام ارواح کو" ۔۔۔۔۔۔۔ قرآن حکیم میں بھی ہے کہ ۔۔۔۔۔۔۔ پہلے ارواح کو تخلیق کیا گیا۔ پھر ان سے سوال کیا گیا۔۔۔۔۔۔۔ اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ ۔۔۔۔۔۔۔ جواب ملا۔۔۔۔۔۔۔ قالوا بلیٰ۔

عالم مادی بعد میں پیدا ہونا شروع ہوا۔ اور عالم مادی پیدا ہوا تو ہم سب بھی اپنی اپنی باری پر پیدا ہو گئے۔ چنانچہ جب ہمیں یہ ارشاد دکھائی دیتا ہے کہ ہمیں پھر اسی طرح پیدا کیا جائے گا۔ جیسے پہلے پیدا کیا گیا۔ تو اس کا ایک ہی مطلب ہے اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کے لیے روح کو مادے میں اور مادے کو روح میں بدلنا کوئی مشکل کام نہیں۔ لہٰذا بہشت بریں کا وہ ذکر جس میں انسان کے پاس مادی پیکر موجود ہوگا۔ "جنات نعیم" کا ذکر ہی ہو سکتا ہے۔

خصوصاً آخری آیت میں "من رحیقٍ مختوم" کے الفاظ اس بات کا ثبوت ہیں کہ یہ ایک مثالی اور آئیڈیل معاشرے کا ذکر ہے۔ من رحیقٍ مختوم کے معنی ہیں۔۔۔۔۔۔۔ "سربہ

مہر بوتل والی شراب" ایسی بوتل جسے کمپنی کی طرف سے سیل کر کے اور ٹریڈ مارک کی مہر لگا کر فروخت کیا جاتا ہے، سربہ مہر بوتل کہلاتی ہے۔ جبکہ آیت کے الفاظ ہیں۔۔۔۔۔۔۔ ان کو خالص شراب سربہ مہر پلائی جائے گی۔ جس کی مہر مشک کی ہوگی۔ اور شائقین کو چاہیے کہ اسی سے رغبت کریں۔

جنتِ نعم اور جناتِ عدن کی وضاحت میں ابھی بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے۔ لیکن اس طرح ہم اپنے اصل موضوع سے دور ہٹ جائیں گے۔ چنانچہ مختصر یہ ہے کہ یہ دو جنتوں کا ذکر ہے۔ ایک دنیا میں انسان، مثالی معاشرہ قائم کر کے حاصل کریں گے۔ جہاں ہر چیز کی فراوانی ہوگی۔ کوئی غم و خوف، بھوک، پیاس، پریشانی اور بیماری نہ ہوگی۔

دوسری اگلے جہان میں ملنے والی وہ لطیف جنت ہے۔ جس میں انسان ہمیشہ رہیں گے۔ اور انہیں ایک نہ ختم ہونے والی زندگی عطا کی جائے گی۔ جہاں وہ اپنے پروردگار کا دیدار کریں گے۔ اور پھر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس کے دیدار کی لذت میں مست ہو جائیں گے۔۔۔۔۔۔ اور یہی نیکوکار لوگوں کا اصل ٹھکانہ ہے۔ اس طرزِ استدلال سے کام لیا جائے۔ تو قرآن حکیم میں موجود شراب سے متعلق تمام تعریفی و توصیفی آیات کا مفہوم واضح ہو جاتا ہے۔ بصورتِ دیگر بیانِ واعظ ہمیشہ تشنۂ مفہوم رہتا ہے۔

شراب حرام ہے

اب ہم ان آیاتِ مبارکہ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ جو شراب کی مذمت میں نازل ہوئیں۔ اور یہی احکام کا درجہ بھی رکھتی ہیں۔ کیونکہ قبل ازیں ہم نے جن آیات کو درج کیا۔ ان میں حکم نہیں تھا۔ محض ایک بشارت تھی۔ اصل سوال تو یہ ہے کہ ہمیں اپنے معاشرہ میں کیا کرنا ہے۔ اس دور میں جس میں ہمیں پیدا کیا گیا ہے۔ ہماری اپنی ذمہ داریاں کیا ہیں۔ کیا ہم شراب پی سکتے ہیں۔ یا یہ ہماری ذمہ داریوں کے راستے میں رکاوٹ ہے۔ شانِ نزول

کے اعتبار سے بھی یہ آیات بعد میں نازل ہوئیں۔ چنانچہ ان میں اللہ تعالیٰ نے مومنین کو شراب کی خباثتوں سے بتدریج آگاہ کیا۔ اور پھر ایک مقام پر تو من عمل الشیطن کہہ کر شراب کو مطلقاً حرام کردیا۔

دراصل اس دنیا میں مؤمن کی جو ذمہ داریاں ہیں، شراب کا نشہ ان کے راستے کی روکاوٹ بن جاتا ہے۔ جیسے قرآن کے الفاظ میں یصدون عن سبیل اللہ……کہا جاتا ہے۔ انسان کا مقصود ہے بالآخر دیدار الٰہی۔ جو ایک طویل سفر پر چلنے کے بعد آخرکار موجود ہے۔ یہ طویل سفر تلوار سے زیادہ تیز اور بال سے زیادہ باریک راستے پر طے کیا جاتا ہے۔ اس راستے میں جگہ جگہ روکاوٹیں بھی کھڑی ہیں۔ اور راستے کے دائیں بائیں انتہائی دلکش اور دلفریب ٹھکانے اور سرائیں بھی موجود ہیں۔ وہ مسافر جو دیدار الٰہی کی غرض سے عشق کے اس انوکھے راستے پر چل پڑتا ہے۔ اس کے لیے قدم قدم پر آزمائشیں موجود ہیں۔ راستے میں موجود پرتعیش سرائے اسے دعوت دیتی ہے کہ وہ یہاں آرام کے لیے رک جائے۔ جذباتی رشتے اس کے لیے پیروں کی زنجیر بن جاتے ہیں۔ اور فرسودہ عقیدے راستے کی دیوار۔ لیکن اگر وہ عاشق صدق دل ہے۔ تو رکتا نہیں نہیں، چلتا چلا جاتا ہے۔ وہ ایک اچھے مسافر کی طرح کم سے کم بوجھ اپنے ہمراہ رکھتا ہے۔ کیونکہ زیادہ بوجھ ایک مسافر کو جلد تھکا دیتا ہے۔ اور اس کے سفر کی رفتار سست پڑ جاتی ہے۔ لیکن عاشق صادق، دل پر کوئی بوجھ لے کر نہیں چلتا۔ وہ عشق کے اس پرخار راستے پر دیوانہ وار، مستانہ وار آگے ہی آگے بڑھتا چلا جاتا ہے۔ اسے زندہ رہنے کے لیے جتنی روٹی چاہیے۔ وہ اتنا ہی کھاتا ہے۔ اسے معاشرے میں با توقیر شہری کی حیثیت سے جس قدر لباس چاہیے۔ وہ اتنا ہی پہنتا ہے۔ اسے شب بسری کے لیے جس قدر آشیانہ درکار ہے۔ وہ اتنا ہی گھونسلا بناتا ہے۔ وہ تو عشق کا مسافر ہے۔ اسے ارتقاء کرنا ہے۔ آگے سے آگے بڑھنا ہے۔ ایک طویل سفر انتہائی تیزی کے ساتھ مکمل کرنا ہے۔ یہ کیونکر ممکن ہے کہ وہ

مادی زندگی کے پرتعیش ٹھکانوں میں اپنا وقت برباد کرتا پھرے۔ وہ آگے سے آگے نکلتا چلا جاتا ہے۔ قرآن حکیم نے اسے السَّابِقونَ السَّابِقون کہہ کر پکارا ہے۔ اللہ اسکے جذبے کو دیکھ کر اس کی مشکلیں آسان کردیتا ہے۔ وہ زندگی کے پل صراط پر سے پلک جھپکتے میں گزر جاتا ہے۔ اور سیدھا حقیقت سرمدیہ کے حضور جا موجود ہوتا ہے۔

چنانچہ راستے کی روکاوٹیں اور ٹھکانے جو ایک مؤمن کو اللہ تک پہنچنے سے روک سکتے ہیں۔ مادی زندگی کی آلائشیں ہی ہیں۔ سونے چاندی کے ڈھیر، دولت، اولاد، گھوڑے، گاڑیاں اور عشرت کدے قرآن کی زبان میں…… ……متاع الحیاۃ الدنیا (دنیاوی دولت) ہیں۔ ان مادی آلائشوں میں شراب بھی ایک ایسی چیز ہے جسے من عمل الشیطن کہا گیا ہے۔

مِنْ عَمَلِ الشَّیْطٰن

قرآن حکیم کی آیت نمبر 5/90,91 میں ارشاد ہے……"اے ایمان والو! شراب اور جواء اور بت اور پانسے، ناپاک کام، اعمال شیطان میں سے ہیں۔ شیطان چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے سبب تمہاری آپس میں دشمنی اور رنجش ڈلوا دے۔ اور تمہیں اللہ کی یاد سے اور صلوٰۃ سے روک دے۔"

اس آیت کا مضمون خاصا قابل غور ہے۔ گویا انسان شراب پیتا ہے۔ تو اللہ کی یاد اور صلوٰۃ کے راستے سے رک جاتا ہے۔ وہ راستہ جس پر آگے بڑھ کر اللہ کا دیدار کرنا تھا۔ شراب اور جوئے سے بند کردیا جاتا ہے۔ اور یہ کام شیطان کرتا ہے۔ تاکہ مؤمنین کو آگے نہ جانے دے۔ ہمیں دیکھنا یہ ہے کہ شیطان ایسا کیونکر کرلیتا ہے۔ پھر یہ دیکھنا ہے کہ شراب میں ایسی کیا بات ہے کہ یہ چیز انسان کو اللہ تعالیٰ تک پہنچنے سے روک دیتی ہے۔ تو اس سوال کا جواب بھی ہمیں اسی آیت میں دیا گیا ہے۔ جب فرمایا کہ……شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے سبب تمہاری آپس میں رنجشیں اور دشمنیاں ڈلوا دے۔

بات کچھ کچھ واضح ہونے لگی ہے۔ جوئے کی وجہ سے آپس میں دشمنی یا عداوت پڑ سکتی ہے۔ اس موضوع پر تو کوئی ثبوت ڈھونڈنے کی ضرورت ہی نہیں، سب جانتے ہیں کہ ہاں! جواء کھیلنے سے ایسا ہوتا ہے۔

لیکن ہمیں شراب کی اس خصلت کو بیان کرنے کے لیے واضح ثبوت اور دلائل کی ضرورت ہوگی۔ کیونکہ جہاں ہم قرآن حکیم کا یہ قانون پیش کر چکے ہیں کہ شراب اللہ تک پہنچنے سے روکتی ہے۔ وہاں ہم گزشتہ اوراق میں یہ بھی درج کر چکے ہیں کہ یونانیوں اور بعض دیگر مذاہب کے نزدیک شراب اللہ سے ملانے کا ذریعہ ہے۔

یہ دونوں نظریات تو بالکل الٹ ہو گئے۔ ظاہر ہے، ہم تو قرآن کی بات مانیں گے۔ لیکن کیا ہمارا یہ فرض نہیں بنتا کہ ہم ان دونوں نظریات کا موازنہ کرتے ہوئے حقیقت کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ یہ نظریہ کہ شراب اللہ سے ملاتی ہے۔ بہت مقبول ہے۔ آج بیشمار ملنگ اسی نظریے کے حامل ہیں۔ اہل تصوف میں بھی ایک بڑا گروہ منشیات کو اللہ سے ملاقات کا ذریعہ مانتا ہے۔ ہم پہلے بھی ذکر چکے ہیں کہ قدیم امریکی قبائل میں شراب "نروان" حاصل کرنے کا ذریعہ سمجھی جاتی تھی۔ ہندو بھی پرماتما کا دیدار کرنے کے لیے شراب اور منشیات کا سہارا لیتے ہیں۔ اور بھنگ کے بارے میں تو باقاعدہ "پنجاب" میں یہ مقولہ مشہور ہے......"پی ساوی تے رب نظر آوی" (بھنگ پیو اور پروردگار کا دیدار کرو) اس کے برعکس قرآن حکیم کا یہ کہنا ہے کہ مومنوں شراب سے باز رہو۔ کیونکہ شیطان شراب کے ذریعے تمہارے مابین دشمنی ڈالنا چاہتا ہے۔ اور وہ ایسا اس لیے کرتا ہے تاکہ تمہیں اللہ کی یاد اور صلوٰۃ سے روک دے۔

یہ ہیں دونوں نظریات۔ سب سے پہلے ہم قرآنی نظریہ کی تشریح میں غور کرتے ہیں۔ دیکھیے! دنیا میں ہمیں ایک جسم دیا گیا ہے۔ یہ جسم ہمیں عارضی طور پر ملا ہے۔ اور بہت جلد ہم سے واپس لے لیا جائے گا۔ اور پھر ہم ویسے کے ویسے جیسے عالم ارواح میں ایک روح تھے......روح بن جائیں گے۔ گویا موت تو آئے گی ہی نہیں۔ مرے گا تو صرف جسم۔ اب جسم کے مرتے ہی روح کے ساتھ کیا ہوتا ہے۔........دو میں سے ایک بات ہوتی ہے۔ یا تو دیدار الٰہی نصیب ہوتا ہے۔ اور انسان کو حیاتِ جاوداں مل جاتی ہے۔ اور یا پھر دیدار الٰہی نصیب نہیں ہوتا۔ روح جہنم میں قید کر دی جاتی ہے۔ یہ دونوں منزلیں نتیجہ ہیں۔ ان اعمال کا جو عارضی زندگی میں جسم نے سرانجام دیے۔ بقول حضرت علامہ اقبالؒ:

عمل سے زندگی بنتی ہے، جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

جسم کو کون سے اعمال سرانجام دینے چاہیے تھے۔ تاکہ وہ اپنے مرنے کے بعد روح کو حیاتِ جاوداں دلوا سکتا۔ قرآن کی زبان میں جسم کو اعمالِ صالح سرانجام دینے چاہیے تھے........اعمالِ صالح؟........اعمالِ صالح کیا ہیں؟ ہر وہ جسمانی عمل جو روح کی اصلاح کرتا ہو، بالفاظ دیگر روح یا خودی کو تقویت دیتا ہو، عملِ صالح ہے۔ ہم بڑی آسانی سے اعمال صالح کا جائزہ لے سکتے ہیں۔ کیونکہ ہمارا ہر عمل جب ہمارے ضمیر پر اثرات مرتب کرتا ہے۔ تو ہمیں فی الفور پتہ چل جاتا ہے کہ ہماری روح کو تقویت ملی یا ضعف۔ ہاں! البتہ بے حد و شمار برے اعمال کر چکنے کے بعد کسی برے شخص پر وہ مرحلہ بھی آ جاتا ہے۔ جب اس کا دل سیاہ ہو جاتا ہے۔ اس وقت اس کے ضمیر پر مرتب ہونے والے اثرات کوئی اچھا نتیجہ نہیں دیتے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ شراب پی کر ہمارے ضمیر پر کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ اور آیا وہ اثرات ہماری خودی کو تقویت دیتے یا کمزور کرتے ہیں۔ بس! یہیں سے فیصلہ ہو جائے گا کہ مذکورہ بالا دونوں نظریات میں سے کس کا فیصلہ درست ہے۔

دیکھیے! شراب معدے میں داخل ہو کر بے پناہ جلدی کے ساتھ خون میں نفوذ کر جاتی ہے۔

معدے میں موجود تمام خوراک کو بے حد سرعت کے ساتھ ہضم کرادیتی ہے۔ یہ تو سب جانتے ہیں کہ جلدی کا کام شیطان کا ہوتا ہے۔ خون میں الکوحل کا مالیکیول $(2CH_3\ CH_2\ OH)$ شامل ہوتے ہی ہنگامہ کھڑا کردیتا ہے۔ حرارتِ غریزی غیر قدرتی تیزی کے ساتھ بڑھ جاتی ہے۔ اور جسم کی تمام مادی ضرورتیں بھی حرارتِ غریزی کی نسبت سے فی الفور بڑھ جاتی ہیں۔ جسم ہر مادی خواہش کو تسکین پہنچانے کے لیے پوری طرح تیار ہوجاتا ہے۔ اب دیر ہے تو صرف خیال کے ساتھ کنکشن جوڑنے کی........ جونہی قوتِ متخیلہ حرارتِ غریزی کی وجہ سے سر اٹھانے والے جسمانی تقاضوں کی طرف متوجہ ہوتی ہے۔ انسان جانور بن جاتا ہے۔ کیونکہ اب اسے صرف جسمانی تقاضوں کی تسکین درکار ہے۔ اسے بھوک لگتی ہے۔ یہ اشتہا کا تقاضا ہے۔ اس کی جنسی رگ پھڑک اٹھتی ہے۔ یہ شہوت کا تقاضا ہے۔ اب وہ اپنے دل ودماغ کو اسی تقاضے کی تسکین پر لگا دیتا ہے۔ اور یہ تو ظاہر ہے کہ کسی جانور کی طرح محض اشتہا و شہوت کے لیے سوچنا، عمل کرنا، اور مارا مارا پھرنا وہی نتائج ہی مرتب کریگا۔ جو جانوروں میں دکھائی دیتے ہیں۔ کتا، اشتہا کی تسکین کے لیے اپنے بھائی پر بھونکتا ہے۔ سؤر اور ریچھ اپنی شہوت پوری کرنے کے لیے غیر جنس کے ساتھ بھی اختلاط کر لیتے ہیں۔ گویا شہوت اور اشتہاء کی اطاعت انسان کو مقامِ انسانیت سے گرادیتی ہے۔ اور وہ جانور بن کر جانوروں کی طرح ایک دوسرے کا دشمن ہوجاتا ہے۔

دیکھا آپ نے شراب جسم میں داخل ہوئی۔ تو پیٹ کی بھوک اور جنسی بھوک دونوں بڑھ گئیں۔ ان دونوں بھوکوں پر قابو نہ پاسکنے کی وجہ سے انسان جانوروں جیسی حرکتیں کرنے لگا۔ اور یوں وہ لڑنے اور مرنے مارنے پر تیار ہوگیا۔ یہی خصلت کتے میں بھی پائی جاتی ہے۔ شرابی بھی کتے کی طرح اپنے بھائی پر بھونکتا ہے۔ حرارتِ غریزی میں اشتعال کی بدولت شرابی کو بات بات پر غصہ آتا ہے۔ اس کی زبان سے بکواس نکلتے ہیں۔ اور جب وہ کھا پی کر سیر ہوجائے۔ تو اس کی جنسی ہوس بھڑک اٹھتی ہے۔ اور کسی شرابی سے تو یہ بھی بعید نہیں کہ وہ اپنی بہن یا ماں کو بری نظر سے دیکھنے لگے۔

ہم نے تھوڑی دیر قبل تحریر کیا کہ یہ سب کچھ اس وقت شروع ہوتا ہے۔ جب شراب پینے کے بعد قوتِ متخیلہ کا رابطہ جسمانی تقاضوں کے ساتھ جڑنے لگتا ہے۔ بعض اوقات یوں بھی ہوتا ہے کہ قوتِ متخیلہ جسمانی تقاضوں کو بھول کر کہیں اور پرواز کرنے لگتی ہے۔ اب الکوحل کا مالیکیول جو حرارتِ غریزی میں اضافہ اور تیزی کا باعث ہوا تھا۔ دماغ میں سوچنے کی رفتار کو بھی بڑھا دیتا ہے۔ سوچیں نہ جانے کہاں کہاں بھٹکنے لگتی ہیں۔ عین ممکن ہے کہ ایسا بھی ہو........ کہ شرابی کی سوچیں کسی حسین دنیا کو تعمیر کرنے لگیں۔ اور ایسا بھی ممکن ہے کہ شرابی کی سوچیں اس کے اپنے باطنی مسائل پر مرکوز ہوجائیں۔ ایسا شرابی جس کی قوتِ متخیلہ جسمانی تقاضوں سے بالاتر ہوکر دیر تک فکر کرنے کی اہل ہے۔ شراب کے حقیقی فوائد سے لطف اندوز ہوتا ہے۔ کبھی تو وہ شعر کہنے لگتا ہے۔ اور کبھی اس کی تحریر یا تقریر تخلیق بن کر امر ہوجاتی ہے۔ یہی وہ پہلو ہے جس کی بناء پر اہلِ یونان یا بعض دیگر لوگوں کا یہ خیال تھا کہ شراب خدا سے ملواتی ہے۔ لیکن یہاں ایک اہم بات کا ذکر ضروری ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ بڑھی ہوئی حرارتِ غریزی اور خون کے جوش وخروش کے دوران جسمانی تقاضوں پر قابو پانا بالکل ایسا ہی ہے۔ جیسا کہ آگ کے بھڑکتے ہوئے شعلے میں ہاتھ ڈالنا لیکن ہاتھ کا نہ جلنا۔ کتنے لوگ ہوں گے۔ جو مشتعل حرارتِ غریزی کی حالت میں اپنے جسمانی تقاضوں کو نظر انداز کر سکتے ہوں........ آپ نے کبھی سوچا.......... شراب کباب اور شباب کا نام اکٹھا کیوں لیا جاتا ہے۔ اسی لیے، ہاں! اسی لیے........ لیا جاتا ہے کہ شراب سے ہمیشہ کباب اور شباب کی خواہش پیدا ہوتی ہے۔ چنانچہ جب سو میں سے ننانوے فیصد سے زیادہ افرادِ معاشرہ ہی ایسے ہوں کہ انہیں شراب کے بعد فوراً کباب اور شباب کی خواہش پیدا ہو جاتی ہو۔ تو آپ خود بتائیے! شراب

کے حلال ہونے کا فتویٰ ہونا چاہیے تھا، یا حرام ہونے کا۔ یہ بات کہ شراب پی کر خدا نظر آتا ہے، قرآن نے نہیں مانی۔ قرآن پورے کے پورے انسانی اجتماع کو خدا دکھانا چاہتا ہے۔ اور پورا اجتماع سو فیصد انسانی معاشرے پر مشتمل ہوتا ہے۔ اگر کروڑوں اربوں میں سے کسی ایک شخص نے اپنے جسمانی تقاضوں پر قابو پا بھی لیا۔ اور شراب پیتا رہا۔ تو اس سے اجتماع کو تو کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ اب ہم ایک انتہائی اہم بات کے ذریعے اس مؤقف کو ثابت کرتے ہیں۔

قرآن حکیم میں جنت کا تذکرہ کرتے ہوئے جتنے مقامات پر شراب کا ذکر ملتا ہے۔ ان میں سے زیادہ تر مقامات پر شراب کے ساتھ نیچی نگاہ والی نوجوان عورتوں کا بھی ذکر ملتا ہے۔ اس کا کیا مطلب ہے؟ یہی ناں! کہ وہاں شراب بھی ہوگی۔ کباب بھی ہوگا اور شباب بھی ہوگا۔ ....اب ہے وہ نازک نقطہ جسے میں سمجھانے کی کوشش کر رہا ہوں۔ جنت میں شباب یعنی نوجوان عورتیں تو ہوں گی۔ لیکن بے حیائی جسے ہم جنسی گناہ کہتے ہیں، قطعاً نہ ہوگی۔ نیچی نگاہ رکھنے والی عورتیں یعنی حیاء دار عورتیں ہوں گی۔ گویا بے حیائی نہ ہوگی۔ اب دیکھیے! یہ کون سا مقام ہے۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ انسان شراب پیے اور اس میں شہوت یا جنسی ہوس پیدا نہ ہو۔ یقیناً ایسا اسی وقت ہوسکتا ہے۔ جب انسان کی قوتِ متخیلہ جسمانی تقاضوں سے ہٹ کر سوچنے کی عادی ہو۔ وہ کسی حسین دنیا یا اپنے باطن کی سیر کرنے کا دلدادہ ہو........ ظاہر ہے یہ مقام انسانی معاشرے میں اسی وقت آسکتا ہے جب مادے کا عظیم الہیت بت انسان کی نگاہوں میں ٹوٹ کر پاش پاش ہو جائے۔ اور انسان اپنے جسمانی تقاضوں کے بارے میں جان لے کہ ان کی اتباع اسے حیاتِ جاوداں نہیں دلا سکتی۔ اسے ارتقاء کرنا ہوگا۔ اسے آگے بڑھنا ہوگا۔ تمام جسمانی تقاضے بوجھ ہیں۔ اور کوئی بھی دنیاوی بوجھ لے کر وہ دیدارِ حقیقت کے سفر پر روانہ نہیں ہوسکتا۔ اس کا دماغ بے پناہ دباؤ کا شکار ہے۔ ہر طرح کا ڈپریشن ایک الگ مادی بت کی حیثیت رکھتا ہے۔ روٹی، کپڑا اور مکان اگرچہ بقدرِ ضرورت اس کا حق ہے۔ لیکن

ضرورت سے زیادہ حاصل کرنے کے شوق نے اس کے ذہن کو صنم کدہ بنا دیا ہے۔ وہ اللہ کو بھول کر دوسرے خداؤں کے سامنے سجدہ ریز ہے۔

الغرض جب تک بہشت قائم نہیں ہو جاتی، انسانی جسم کو شراب پینے کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔ کیونکہ اگر ایک دو اعلیٰ سطح کے اذہان کو اجازت دی گئی۔ تو باقی لوگ از خود اپنے آپ کو شراب پینے کا اہل کہہ کر ام الخبائث کی گود میں جا لیٹیں گے۔

شراب سے متعلق احادیث

شراب سے متعلق کتبِ احادیث میں متعدد روایات درج ہیں۔ ''بخاری شریف'' کو کتب احادیث میں جو مقام ہے۔ وہ محتاجِ تعارف نہیں۔ ''بخاری شریف'' میں شراب کے متعلق بہت سی احادیث درج ہیں۔ جن میں چند ہم یہاں پیش کر رہے ہیں:

(1) ''حضرت عقبہ بن حارثؓ کہتے ہیں کہ ابنِ نعمان ......شراب پیے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائے گئے۔ تو آپ ﷺ نے ان تمام لوگوں کو جو اس وقت گھر میں موجود تھے۔ حکم دیا کہ ان کو ماریں۔ (ان یضربوا) عقبہؓ کہتے ہیں کہ میں بھی ان لوگوں میں سے تھا۔ جنہوں نے ابنِ نعمان کو مارا۔ اور ہم نے انہیں جوتیوں اور چھڑیوں سے مارا تھا''۔ یہ روایت خاصی مشہور ہے اور ہم نے تجرید البخاری، کتاب الوکالۃ صفحہ نمبر 439 سے لی ہے۔

(2) ''حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں ایک شرابی کو لایا گیا۔ تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ اسے مارو! ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ہم میں سے بعض نے تو اسے ہاتھ سے مارا۔ اور بعض نے جوتیوں سے۔ اور بعض نے اپنے کپڑے سے۔ جب میں چلا گیا۔ تو لوگوں میں سے بعض نے کہا........ (اخزاک اللہ) خدا تجھے خراب کرے۔ اس پر حضور ﷺ نے فرمایا اس طرح نہ کہو!''۔ (صفحہ 494)

(3) ”حضرت عمر بن خطابؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ کے زمانے میں ایک شخص کو حضورؐ کی خدمت میں لایا گیا۔ جس کا نام عبداللہ تھا۔ جس کا لقب ”حمار“ تھا۔ اور جو آنحضورؐ کو ہنسایا کرتا تھا۔ آپؐ نے اس سے پہلے اسے شراب پینے پر مارا بھی تھا۔ پھر ایک روز اسے حضورؐ کی خدمت میں جب پکڑ کے لایا گیا۔ تو آپؐ نے پھر اسے مارنے کا حکم دیا۔ ایک شخص نے کہا...... اے اللہ! اس پر لعنت کر کہ ہمیشہ شراب پینے کے باعث حضورؐ کی خدمت میں لایا جاتا ہے۔ آپؐ نے فرمایا اس کو لعنت نہ کرو۔ واللہ! میں جانتا ہوں یہ اللہ اور اس کے رسولؐ کے ساتھ محبت کرتا ہے“۔ (صفحہ 494)

(4) اب تک ہم نے تین احادیث درج کیں۔ یہ تینوں حرمتِ شراب کا حکم نازل ہونے کے بعد کی ہیں۔ گویا حضورؐ نے شرابی کے لیے صرف یہی سزا مقرر کی کہ اسے مارا پیٹا جائے۔ بعد ازاں خلفائے راشدینؓ کے زمانہ میں شرابی کو اس طرح مارنا ثابت ہے کہ جب وہ نشے کی حالت میں ہو تو اس کے آس پاس موجود مسلمان اسے تھپڑ جوتا یا چھڑی سے ماریں۔ تینوں احادیث میں یہی ثابت ہے۔ بالفاظ دیگر رسول کریمؐ نے شرابی پر کوئی مخصوص حد صادر نہیں فرمائی۔ ”بخاری شریف“ کی ایک روایت میں حضرت علیؓ فرماتے ہیں...... ”کہ میں جس شخص پر حد قائم کروں۔ اور وہ دورانِ سزا مر جائے۔ تو میں اس کا رنج نہ کروں گا۔ سوائے شرابی کے۔ کہ اگر یہ مر جائے تو میں اس کا خون بہا دوں گا۔ کیونکہ رسول اللہؐ سے اس کے متعلق کوئی حدِ مخصوص صادر نہیں ہوتی۔ (بخاری، صفحہ 494)

کتنی حیرت انگیز مماثلت ہے رسول کریمؐ کے عمل اور فی زمانہ جدید میڈیکل سائنس کی تحقیق میں۔ جدید میڈیکل سائنس کا یہ کہنا ہے کہ جب کوئی شخص زیادہ شراب پی لے۔ اور نشے میں بہک جائے۔ تو اس کا نشہ اتارنے کے لیے اسے خوب ”پیٹو“۔ دراصل نشے کی زیادتی میں دماغ کے خلیے جب حرات غریزی کی تیز رفتار حرکت کا ساتھ نہیں دے سکتے۔ تو سوچنے سمجھنے کی

صلاحیت ماؤف ہونے لگتی ہے۔ گویا شرابی دماغی طور پر بیہوش ہونے لگتا ہے۔ اب میڈیکل سائنس کا یہ بھی کہنا ہے کہ جب مریض شراب کے بہت زیادہ نشے میں غرق ہو۔ تو اس وقت اس کے لیے نیند یا بے ہوشی موت کا سبب بن سکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شراب پی کر سونے سے منع کیا جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جسم میں حرارتِ غریزی تو بڑھ چکی ہوتی ہے۔ جبکہ دماغ سو جاتا ہے۔ اور یوں افعال جسمانی تھم جاتے ہیں۔ اگر شرابی بحالتِ نشہ جاگتا رہتا، شور مچاتا، ہنگامہ کرتا تو اس کا جسم بھی حرارتِ غریزی کے مطابق حرکت میں رہتا۔ دماغ ماؤف ہو جانے سے جسم بھی سو جاتا ہے۔ جبکہ حرات پوری طرح بھڑکتی رہتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ شرابی بیہوشی یا نیند کی حالت میں مر جاتا ہے۔ لیکن شرابی کو جب نشے کی حالت میں مار پڑتی ہے۔ تو اس کی حرارتِ غریزی کا بیجا بہاؤ...... استعمال ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ اور یوں جلد ہی اس کا نشہ ٹوٹ جاتا ہے۔ فی الفور نشہ توڑنے کا اس سے بہتر اور کوئی طریقہ نہیں۔

لیکن اس سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ مارنے پیٹنے کی سزا بھی صرف بحالتِ نشہ جائز ہے۔ ایک ایسا شرابی جسے بحالتِ نشہ سزا نہ دی گئی۔ تو بعد میں اس پر حد نافذ کرنا بظاہر درست معلوم نہیں ہوتا۔ لیکن غالباً خلفائے راشدینؓ کی حکومتوں میں شرابی کے لیے نافذ کردہ اسّی درّے انتباہ اور تادیب کے لیے تھے۔ اس گفتگو کے بعد ہم بخاری شریف کی مزید احادیث درج کرتے ہیں۔

(5) ”حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ ہمارے ہاں فضیح شراب کے سوا اور کسی قسم کی شراب نہ تھی۔ پس میں کھڑا ہوا۔ ابوطلحہؓ اور فلاں فلاں کو فضیح پلا رہا تھا۔ اتنے میں ایک آدمی نے آ کر کہا کہ تمہیں کچھ خبر ہے۔ ان سب نے کہا کس چیز کی؟ اس نے کہا شراب حرام کی گئی ہے۔ انہوں نے کہا شراب کے ان پیالوں کو زمین پر پھینک دو۔ حضرت انسؓ کہتے ہیں

کہ اس کے بعد کسی نے شراب کی بابت کچھ دریافت نہ کیا۔ اور نہ اس کے حکم کے برخلاف کہا"۔

(جلد دوئم، صفحہ 338)

کہتے ہیں رحمۃ العالمین حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ایک خادم کو حکم دے کر مدینہ کے گلی کوچوں میں حرمتِ شراب کی منادی کروائی۔ تو جتنے لوگ شراب پی رہے تھے۔ سب نے جام ہونٹوں سے ہٹائے اور زمین پر پٹخ دیے۔ میکدے ویران ہو گئے۔ اور صراحیاں توڑ دی گئیں۔ ایک روایت میں ہے کہ ایک صحابیؓ شراب کے بیوپاری تھے۔ آپؓ کا مال، جو مٹکوں میں بھری ہوئی بہت سی شراب تھی۔ اونٹوں پر لدا ہوا جب مدینہ کے قریب پہنچا...... تب کسی نے کہا شراب تو حرام قرار دے دی گئی ہے۔ روایت میں ہے کہ صحابیؓ نے اونٹوں کو بٹھایا اور ایک ڈنڈا لے کر اونٹوں پر بندھے شراب کے تمام مٹکے توڑ دیے۔ رسول کریمؐ کے فیضِ تربیت، صحابہؓ کی کامل اطاعت اور اسلام کی قوتِ انقلاب کا یہ...... وہ عدیم النظیر مظاہرہ تھا۔ جس کی مثال پھر تاریخ کبھی پیش نہ کر سکی۔ "روزنامہ آزادی سرگودہا" میں جناب پیر کرم شاہ الازہریؒ" کا ایک مضمون شائع ہوا۔ جس میں انہوں نے "ماذا خسر العالمؒ" نامی ایک کتاب کے حوالے سے مندرجہ ذیل اقتباس لکھا:

> "شراب کے زہریلے اثرات دیکھ کر یورپ و امریکہ کے ڈاکٹر اور دانشور لرزہ براندام ہیں۔ اس مصیبت سے اپنی قوم کو چھٹکارا دلانے کے لیے بڑی مخلصانہ اور حکیمانہ کوشش کی جا رہی ہیں۔ حکومتِ امریکہ نے پورے چودہ سال تک (1933ء سے قبل) زور و شور سے جہاد جاری رکھا۔ اس جہاد میں نشر و اشاعت اور پروپیگنڈے کے جدید ترین اور قوی ترین وسائل اختیار کیے گئے۔ اخبارات، رسائل، لیکچرز، تصاویر اور فلمیں ...... سبھی شراب سے نفرت دلانے کے لیے بر سرِ پیکار رہے۔ اس عظیم مہم پر حکومت نے تقریباً 6 کروڑ ڈالر خرچ کیے۔ 25 پونڈ کا خسارہ برداشت کیا۔ 300 افراد کو سزائے موت دی۔ 5 لاکھ سے زیادہ افراد کو قید کیا۔ بھاری ~~جرمانے~~ نے عائد کیے۔ بڑی بڑی جائیدادیں ضبط کیں۔ لیکن یہ ساری چیزیں بے کار ثابت ہوئیں۔ آخر کار حکومت کو اپنی شکستِ فاش کا اعتراف کرنا پڑا۔ اور اس نے شراب نوشی کو، جس کے خلاف عرصہ دراز سے معرکہ آراء مہم جاری تھی...... 1933ء میں قانوناً جائز قرار دے دیا۔"

مذکورہ بالا اقتباس کے بعد جب ہم حرمتِ شراب کا اولین نظارہ دیکھتے ہیں۔ تو حیرت ہوتی ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک حکم پوری قوم کے لیے حرفِ آخر ثابت ہوا۔ یہ دراصل ایمان کا کرشمہ تھا۔ اور پوری قوم کی اجتماعی بصیرت تھی جس نے اس حکم کی اہمیت کو سمجھا۔ اور پھر کبھی شراب کو منہ نہ لگایا۔ اب ہم بخاری شریف کی ایک اور حدیثِ مبارکہ دیکھتے ہیں۔

(6) "حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریمؐ نے انہیں یمن کی طرف روانہ فرمایا تو حضرت ابوموسیٰ اشعری نے حضورؐ سے ان شرابوں کا حکم دریافت کیا جو یمن میں بنتی ہیں۔ رسول کریمؐ نے پوچھا وہ کون کون سی شرابیں ہیں۔ تو حضرت ابوموسیٰؓ نے جواب دیا...... تبع اور مذر۔ رسول کریمؐ نے جواب دیا...... کل مسکرٍ حرامٌ...... ہر نشے والی چیز حرام ہے"۔ بخاری، صفحہ (287)

(7) "حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے دنیا میں شراب پی لی اور توبہ نہ کی۔ تو اسے آخرت میں شراب سے محروم رکھا جائے گا"۔

(٨) ''حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ زانی زنا کرتے وقت مومن نہیں رہتا۔ اور شرابی کا ایمان شراب پیتے وقت پورا نہیں رہتا۔ اور چور، چوری کے وقت مومن نہیں رہتا''۔

احادیث کی دیگر کتب میں بھی شراب سے متعلق بہت سی روایات ہیں۔ لیکن ہم ''بخاری شریف'' پر اکتفا کرتے ہیں۔

اِمام شاہ وَلی اللہ کا بیان

''امام شاہ ولی اللہؒ ''برصغیر میں اسلام کی نشاۃ ثانیہ.......... کے شہسوار ہیں۔ علامہ اقبالؒ اپنے خطبات میں امام شاہ ولی اللہؒ کو خراج تحسین پیش کرتے ہیں۔ امام صاحبؒ کی سب سے معتبر کتاب ''حجۃ اللہ البالغہ'' ہے۔ حجۃ اللہ البالغہ'' کی جلد دوئم مترجم کے صفحہ نمبر 523 پر ''مسکرات'' کا بہت عمدہ بیان ہے۔ جسے ہم یہاں درج کر رہے ہیں:

> ''واضح ہو کہ نشہ آور چیز کھا کر عقل کا زائل کرنا، عقل کے نزدیک قطعی برا فعل ہے۔ اس لیے کہ اس میں نفس کو چوپایوں کی خصلت میں ڈال دینا اور صفت ملکوتی سے نہایت درجہ بعید ہو جاتا ہے۔ اور خلق الٰہی کو بدلنا ہے۔ اس لیے کہ اس شخص نے اپنی عقل کو، جسے اللہ تعالیٰ نے نوع انسانی کے ساتھ مخصوص کیا۔ اور اس عقل کے ذریعے انسانوں پر احسان کیا ہے (بحالت نشہ) بگاڑ دیا۔ اور اس میں مصلحتِ منزلیہ اور مدینہ کا فاسد کرنا اور مال کا ضائع کرنا ہے۔ اور ہیات قبیحہ کا اپنے اوپر طاری کرنا ہے۔ جس سے وہ مضحکہ اطفال بن جاتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان سب باتوں کو صراحتاً یا اشارتاً اس آیت میں جمع کر دیا ہے...... بے شک! شیطان ارادہ کرتا ہے۔ تمہارے درمیان دشمنی ڈلوادے

.... یہی وجہ ہے کہ تمام اہل مذہب اور اہل عقل کا اس کے قبیح ہونے پر اتفاق ہے۔ اور بعض بصیرت نہ رکھنے والے یہ گمان کرتے ہیں کہ حکمتِ عملیہ کے اعتبار سے وہ ایک عمدہ چیز ہے۔ کیونکہ اس میں طبیعت کو تقویت ہوتی ہے۔ سو وہ غلط ہے۔ کیونکہ ان کا یہ گمان حکمتِ طبیہ (میڈیکل سائنس) کی حکمتِ عملیہ کے ساتھ اشتباہ کے قبیل سے ہے۔ حقیقت میں یہ دونوں ایک دوسرے سے متغائر ہیں۔ اور بعض اوقات ان دونوں میں کشمکش اور تنازع واقع ہوتا ہے۔ مثلاً قتال کرنا۔ کیونکہ طب اپنے منصب کی بدولت قتال کی مخالف ہے۔ کیونکہ طب کا منصب انسان کی حفاظت ہے۔ اب دیکھیے! حکمتِ طبیہ نے قتال سے منع کیا۔ جبکہ حکمتِ عملیہ کے اعتبار سے کبھی کبھی قتال واجب اور ضروری ہو جاتا ہے۔ اسی طرح جماع کی بات ہے کہ غلبہ شہوت کے وقت طب جماع کو واجب کرتی ہے۔ کیونکہ اس کے ترک کرنے سے جسم کو نقصان پہنچ سکتا ہے۔ لیکن بعض اوقات سنتِ راشدہ کے خلاف ہونے کی وجہ سے حکمتِ عملیہ اس کام کو حرام قرار دیتی ہے۔ اور ہر امت اور ہر زمانہ کے دانشمند لوگ...... اس شخص کو جو طب پر مصلحت سے نفع حاصل نہ کرے۔ اور صحتِ جسمانی کی طرف مائل ہو کر مصلحت کا پابند نہ رہے۔ فاسق و فاجر، بدکردار اور برا سمجھتے ہیں۔ اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہوتا۔ اور اللہ تعالیٰ نے ہم کو اس آیت میں اس بات کی تعلیم فرما دی ہے........ ''ان دونوں میں بڑا گناہ ہے۔ اور لوگوں کے لیے منافع ہیں۔ اور ان کا گناہ ان کے منافع سے زیادہ

بڑا ہے"........ البتہ نشہ آور چیز کے کھانے میں، بشرطیکہ کہ وہ نشہ نہ دلائے اور خرابیاں مرتب نہ کرے...... دانشمندوں کا اختلاف ہے۔ اور شریعتِ محمدیہؐ سیاستِ امت میں اور فسادات کے بند کرنے میں اور احتمالِ تحریف کے قطع کرنے میں کامل ہے۔ شریعتِ محمدیہؐ نے اس بات کا خیال کیا کہ تھوڑی شراب زیادہ شراب کا مرتکب بناتی ہے۔ اور ان مفاسد سے منع کرنا بغیر اس کے کہ شراب سے منع کیا جائے، کچھ موثر نہیں ہے۔ اور اس پر مجوس وغیرہ کا حال کافی شاہد ہے۔ اور اگر تھوڑی شراب کا دروازہ کھل جائے۔ تو سیاستِ ملیہ کا انتظام بالکل نہیں ہو سکتا۔ اس واسطے شراب پینا مطلقاً حرام ٹھہرا۔ خواہ وہ تھوڑی ہو یا بہت۔

نبی کریمؐ نے فرمایا........ اللہ تعالیٰ نے شرابی پر اور اس کے پینے والے پر اور اس کے پلانے والے پر اور اس کے بیچنے والے پر اور اس کے خریدنے والے پر اور اس کے نچوڑنے والے پر اور جس کے لیے نچوڑی جائے اس پر اور اس کے اٹھانے والے پر اور جس کے پاس اٹھا کر پہنچائی جائے اس پر لعنت کی ہے۔

میں کہتا ہوں کہ جب ایک چیز کے حرام کرنے میں۔ اور اس کے مٹانے میں مصلحت قرار پا گئی اور اس کے بارے میں حکمِ الٰہی نازل ہو گیا۔ تو ضروری ہوا کہ ان تمام چیزوں سے منع کیا جائے۔ جس سے اس کی قدر بڑھے اور لوگوں میں رواج یا رغبت پائی جائے۔ کیونکہ یہ چیزیں مصلحت کے خلاف اور شرع کے مخالف ہیں۔ چنانچہ نبی کریمؐ اور آپؐ

کے صحابہؓ سے بہت سی احادیث بے شمار طریقوں اور مختلف عبارتوں سے منقول ہیں۔ چنانچہ نبی کریمؐ نے فرمایا........ "شراب اِن دو درختوں سے بنتی ہے۔ چھوہارے کا درخت اور انگور کا درخت" .... اور نبی کریمؐ نے اس شخص سے جس نے "تبع" اور "مذر" کے بارے میں دریافت کیا تھا، فرمایا..... "جو پینے کی چیز نشہ آور ہو وہ حرام ہے"۔ اور نبی کریمؐ نے فرمایا........ "ہر نشہ آور چیز حرام ہے"۔ اور جو چیز بہت ساری نشہ لائے وہ تھوڑی سی بھی حرام ہے۔ اور جس کا ایک پیالہ نشہ لائے اس کا ایک چلو بھی حرام ہے۔" .... اور جن لوگوں نے نزولِ آیت کا مشاہدہ کیا اور یہ کہا کہ "جب شراب کی حرمت نازل ہوئی اس وقت شراب پانچ چیزوں سے بنا کرتی تھی۔ انگور، چھوہارہ، گندم، جَو، شہد" .... ہر وہ چیز شراب ہے جو عقل کو زائل کر دے۔ اور ان لوگوں کا قول ہے کہ جب شراب حرام قرار دی گئی۔ تو ہمارے پاس انگور کی شراب بہت ہی کم تھی۔ اور عام شراب کھجور اور چھوہاروں کی ہوا کرتی تھی۔ اور جب آیت کا نزول ہوا تو لوگوں نے ان مٹکوں کو توڑ ڈالا جن میں وہ شراب بنایا کرتے تھے۔ قوانینِ شرع کا یہی مقتضیٰ ہے کہ شراب مطلق حرام ہو۔ کیونکہ انگوری شراب کے خاص ہونے کے کوئی معنی نہیں۔ اور اس کی حرمت کا سبب یہ ہے کہ یہ عقل کو زائل کرتی ہے۔ جس کا تھوڑا پینا بہت پینے کی دعوت دیتا ہے۔ اس لیے مطلق شراب کی حرمت کا قائل ہونا ضروری ہوا۔ اس زمانہ میں کسی شخص کو یہ جائز نہیں کہ جو شراب انگور سے نہ بنائی جائے یا حدِ سکر سے کم استعمال کی

جائے اس کے حلال ہونے کا قائل ہو۔ البتہ صحابہؓ اور تابعین میں سے کچھ لوگ ایسے تھے جن کو شروع شروع میں یہ حدیث نہیں پہنچی تھی۔ اس لیے وہ معذور تھے۔ اور جب یہ حدیث سب میں مشہور ہوگئی۔ اور آفتاب نیم روز کی مانند یہ بات ظاہر ہوگئی۔ اور یہ حدیث بھی ثابت ہوگئی کہ......."میری امت کے کچھ لوگ شراب پیا کریں گے۔ اور شراب کے علاوہ اس کے کچھ اور نام رکھیں گے۔" تو اب کچھ عذر باقی نہیں رہا۔ اللہ تعالیٰ ہم کو اور مسلمانوں کو اس سے بچائے۔ کسی شخص نے نبی کریمؐ سے شراب سے سرکہ بنانے کے متعلق دریافت کیا۔ تو آپؐ نے اس کو منع فرمایا۔ پھر کسی نے عرض کیا کہ میں اسے دوا کے لیے بناتا ہوں۔ تو آپؐ نے اسے فرمایا کہ وہ دوا نہیں، بیماری ہے۔

میں کہتا ہوں چونکہ لوگ شراب کے بڑے حریص تھے۔ اور اس کے پینے کے لیے حیلے کیا کرتے تھے۔ اس لیے مصلحت.......اس کے بغیر تمام نہ ہوتی تھی کہ ہر حال میں اس سے منع کیا جائے۔ تاکہ کسی کو کوئی حیلہ اور عذر نہ رہے۔ اور نبی کریمؐ نے تر اور خشک چھوہاروں کو ملانے سے، اور منقیٰ اور چھوہاروں کے ملانے سے، اور مائل بہ سرخی چھوہارے اور ترشی لیے چھوہاروں کے ملانے سے منع فرمایا۔

میں کہتا ہوں اس میں راز یہ ہے کہ ذائقہ بدلنے سے پہلے ان چیزوں کو ملا دیا جائے۔ تو ان چیزوں میں نشہ جلدی پیدا ہو جاتا ہے۔ پس! پینے والا تو یہ سمجھتا ہے کہ وہ نشہ آور نہیں۔ حالانکہ اس میں نشہ ہوتا ہے۔"

شراب کا شرعی مسئلہ

شریعت کا حکم یہ ہے کہ شراب مطلقاً حرام ہے۔ شروع شروع کے زمانہ میں حرمت شراب پر اتنی قطعیت کے ساتھ حکم نافذ نہیں تھا۔ لیکن ائمہ کرام نے رسول کریمؐ اور صحابہؓ کے مل سے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ شراب کی قطعی حرمت کا فتویٰ ناگزیر ہے۔ چنانچہ "امام ابوحنیفہؒ" ے بعد آپؒ کے شاگردانِ رشیدان نے شراب کی قطعی حرمت کا فتویٰ جاری کر دیا۔ امام صاحبؒ نے بھی شراب کو حرام تو کہا تھا۔ لیکن آپؒ نے شراب کا وہ گھونٹ حرام قرار دیا تھا۔ جس ے نشہ شروع ہوتا ہے۔ لیکن بعد میں صاحبین یعنی امام یوسفؒ اور امام محمدؒ اسی طرح امام شافعیؒ وغیرہ نے عامۃ الناس کے مزاج کو مدِ نظر رکھتے ہوئے شراب کی ہر قسم کو مکمل طور پر حرام قرار دے دیا۔

درحقیقت عامۃ الناس کا مزاج یہ ہے کہ وہ تھوڑی رعایت سے بڑا فائدہ از خود اٹھا لیتے ہیں۔ اب سچ تو یہ ہے کہ اگر بعض لوگوں کو شراب پینے کی اجازت دے دی جائے تو باقی لوگ بھی اسکی خباثتوں اور قباحتوں سے بے خوف ہو جائیں گے۔ معاشرے کی بھاری اکثریت وہی لوگ ہوتے ہیں۔ جو نشے کے استعمال سے اپنی عقلیں زائل کر بیٹھتے ہیں۔ لیکن اگر ان ے پوچھا جائے کہ کیا وہ شراب پینے کا ظرف رکھتے ہیں۔ تو ان کا جواب ہمیشہ ہاں میں ہوگا۔ ایسے عالم میں یہ فیصلہ کون کرے گا کہ فلاں شخص کو شراب پینی چاہیے اور فلاں کو نہیں۔ عامۃ الناس کے خراب ہونے کا اندیشہ ہے۔ اور عامۃ الناس ہی اصل معاشرہ ہوتے ہیں۔

چنانچہ یہ حکم کہ شراب مطلقاً حرام ہے.......تھوڑی بھی اور بہت بھی، درست معلوم ہوتا ہے۔

لیکن پھر ایک اور مسئلہ ہے جو درمیان میں آ کر اٹک جاتا ہے۔ اور شراب پینے یا نہ پینے ے شرعی مسئلہ کو پھر سے اٹھا دیتا ہے۔ اور وہ ہے "نبیذ" کا مسئلہ۔ نبیذ کا تفصیلی ذکر آگے آنے ۱۱۰ ہے۔ یہاں ہم صرف یہ بتائیں گے کہ نبیذ کھجوروں کے زیادہ دیر سے رکھے ہوئے پانی کو

کہتے ہیں۔ جس میں وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ نشہ بڑھتا جاتا ہے۔ ائمہِ فقہ سمیت ساری دنیا کے مسلمان علماء اور ہر مسلک کے مفتی اس بات کے ساتھ متفق ہیں کہ نبیذ حلال ہے۔ مفید ہے، نبی کریمؐ کی سنت اور صحابہ کرامؓ کا عمل ہے۔ حالانکہ نشہ تو نبیذ میں بھی پیدا ہو جاتا ہے۔ خود کتبِ روایات میں ثابت ہے کہ بعض صحابہؓ نبیذ پی کر نشہ میں مبتلا ہو جاتے تھے۔ اگر نبیذ کی روایات درست ہیں۔ تو پھر یہ بات کہ ہر وہ چیز جس کا ایک پیالہ نشہ دیتا ہو، چلو بھر پینا بھی حرام ہے...... کہاں جائے گی؟ یہ الگ بات ہے کہ نبیذ زیادہ تر لوگوں کو نشہ نہیں دیتی۔ لیکن اس کا نشہ دینا بہر حال ثابت ہے۔

ہم جب علماءِ کرام سے شراب کے بارے میں فتویٰ طلب کرتے ہیں۔ تو ہمیں بظاہر شراب مطلقاً حرام بتائی جاتی ہے۔ لیکن ہم جوں جوں اس مسئلہ کی چھان بین کرتے ہیں۔ اور طرح طرح کے سوالات کرتے ہیں۔ تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ نشے پر نافذ فقہی احکامات ابھی تشنہء تکمیل ہیں۔ ابھی اس مسئلہ کی فقہ مرتب کرنے کے لیے ایک اور امام کی ضرورت ہے۔ بالفاظِ دیگر اجتہاد کا دروازہ اس طرف سے بھی کھلا ہے۔ فی زمانہ نشہ صرف شراب کا نہیں رہا۔ بلکہ طرح طرح کے بے شمار نشے دنیا میں متعارف ہو چکے ہیں۔ ہیروئن اور ڈرگز تو نوجوان نسلوں کو چاٹتی جا رہی ہیں۔ لیکن ابھی تک فقیہانِ ملت شراب کے علاوہ کسی دوسرے نشے کو حرام نہیں کہہ پائے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ماضی میں جس طرح شراب کے نقصانات کو دیکھ کر مذہب نے اسے کلیتاً حرام قرار دیا۔ اسی طرح ڈرگز اور دیگر منشیات استعمال کرنے، بیچنے، خریدنے، بنانے، تیار کرنے، فروخت کرنے، اٹھانے اور لے جانے پر بھی فی زمانہ حرمتِ قطعی کا فتویٰ ہونا چاہیے۔ لیکن ایسا نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے نزدیک یہ مسئلہ ابھی تشنہء تکمیل ہے۔

کہتے ہیں خلیفہ یزید اوّل شراب پیتا تھا۔ خصوصاً واقعہء کربلا کے بعد یزید کی شراب نوشی

بہت مشہور ہو گئی۔ یہی سوال جب فقیہہ العصر، محدث کبیر "حضرت مولانا سیّد حامد میاںؒ" پر کیا گیا۔ تو انہوں نے جواب میں اپنے درسِ حدیث کے دوران ایک مفصل لیکچر دیا۔ جس کی آڈیو کیسٹ دستیاب ہے۔ "ماہنامہ انوارِ مدینہ" نے یہ لیکچر دو قسطوں میں شائع کیا۔ اس لیکچر میں شراب اور نبیذ سے متعلق بعض روایات، واقعات اور شرعی حیثیت بیان کی گئی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ "سیّد حامد میاںؒ" کا یہ درس جو "انوارِ مدینہ" میں شائع ہوا۔ جستہ جستہ یہاں پیش کروں۔ آپؒ فرماتے ہیں:

> "اور نشہ کا معاملہ ایسے ہے کہ...... عربوں میں ایک عادت چلی آ رہی ہے...... نبیذ پینے کی۔ نبیذ کا مطلب ہے کہ کھجوریں پانی میں بھگو دی جائیں۔ اور پانی مٹی کے برتن میں ہو۔ تو پانی گرمیوں میں ٹھنڈا ہو جاتا ہے۔ اور کھجوروں کی وجہ سے میٹھا بھی ہو جاتا ہے۔ رسول کریمؐ فرماتے ہیں...... اس طرح کہ صبح بھگو دیں۔ تو شام کو پانی پی لیا۔ شام کو بھگو دیں تو صبح پانی پی لیا۔ لیکن بعض صحابہء کرامؓ اس سے زیادہ دیر کی بھگوئی ہوئی بھی پیتے تھے...... تو زیادہ دیر گزرنے پر اس میں ایک طرح سے جوش پیدا ہو جاتا ہے...... تو اب ایک آدمی جو اس طرح کی نبیذ پینے کا عادی ہو گیا ہو۔ اسے نشہ نہیں ہوتا۔ اور جو عادی نہ ہوا ہو تو وہ جب نبیذِ شدید پی لے گا۔ تو اسے نشہ ہو جائے گا۔
>
> اور میرا اپنا تجزیہ یا گمان یہ ہے کہ نبیذ کی وجہ سے نشہ کے واقعات بہت زیادہ ہوتے ہوں گے۔"

اس اقتباس سے پہلے "سیّد حامد میاںؒ صاحب" نے یزید کی شراب نوشی کا ذکر کرتے ہوئے کہا۔ دراصل...... بعض افواہوں کی بناء پر مدینہ منورہ سے ایک وفد تحقیقات کی نیت سے شام

بھیجا گیا۔ اس وفد کے واپس آکر عجیب و غریب بیانات دیے۔ انہوں نے یہ بھی بتایا کہ یزید بہت بے پرواہ آدمی ہے۔ دینی معاملات میں سستی کرتا ہے اور شراب بھی پیتا ہے۔ مدینہ والوں کو یزید کی روش بری لگی۔

اس کے بعد "سیّد حامد میاں صاحبؒ "تاریخی روایات کی مدد سے صحابہ و کرامؓ کی شراب نوشی یا نبیذ نوشی کے متعدد واقعات پیش کرتے ہیں۔ اور آخر میں فرماتے ہیں:

> "اور یزید کے بارے میں گر نشے کا ذکر آجاتا ہے۔ تو پھر آپ کے سامنے میں نے جو اتنے بڑے بڑے حضرات کا ذکر کیا ہے۔ تو ان کے مقابلے میں یزید کوئی چیز ہی نہیں۔ اتنے لوگوں کے واقعات جب اس طرح ہوتے رہے ہیں۔ تو عین ممکن ہے کہ جس دن مدینہ منورہ کا وفد آیا ہو۔ ان دنوں میں یزید نے ایسی کوئی حرکت کی ہو، زیادہ پی لی ہو.......نبیذ.......پھر نشہ ہو گیا ہو۔ یا غلطی سے ہو گیا ہو.......تو یہ ہے وہ ریکچر جو مدینہ کے وفد نے جا کر دی۔ اب مدینہ والوں نے کہا کہ ایسے آدمی سے بیعت کر کے ہم نے غلطی کی.......ہم بیعت توڑتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے بنو امیہ کے رشتہ داروں کو مدینہ سے نکلنے کا حکم دیا۔ ان نکلنے والوں میں قروان بھی تھا.......گورنر۔ مدینہ والوں نے بنو امیہ کا ایک بھی فرد رہنے نہ دیا۔"

سید حامد میاں صاحبؒ نے صحابہؓ کے جو واقعات بیان کیے ہیں۔ وہ میں اگلے عنوان کے تحت درج کرنے والا ہوں۔ یہاں ذکر مقصود تھا یزید کی شراب نوشی کا۔ یزید اولادِ رسولؐ کا قاتل ، ایک ظالم اور شرابی شخص تھا۔ بڑے بڑے صحابہ کرامؓ کے واقعات اس غرض سے پیش کرنا کہ بعد ازاں یزید کی شراب نوشی کو معمولی حرکت ظاہر کیا جا سکے، درست معلوم نہیں ہوتا۔

شراب کا شرعی مسئلہ یہ ہے کہ شراب ہو یا نبیذ اگر اس میں نشہ ہو گا۔ تو یہ نشے کی چیز شمار کی جائے گی۔ اور مومن کے لیے نشے کی حالت میں رہنا انتہائی بری اور اللہ کے نزدیک ناپسندیدہ عادت ہے۔ نشہ حرام اس لیے ہے کہ مومن بحالتِ نشہ اپنی اعلیٰ انسانی خصلتوں کا مظاہرہ نہیں کر سکتا۔ بالفاظ دیگر وہ اپنی اعلیٰ انسانی یعنی مومنانہ ذمہ داریوں سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتا۔ ایسا کوئی بھی عمل جو جسم انسانی یا ذہن انسانی کی کارکردگی کو منفی طور پر متاثر کرتا ہے، اسلام نے حرام قرار دیا ہے۔ اور اس لحاظ سے صرف شراب پر ہی کیا موقوف نشے کی ہر وہ چیز جو انسانی ذہن و جسم پر منفی اثرات ڈالے حرام ہو گی۔ اس فہرست میں افیون، بھنگ، چرس، ہیروئن اور ڈرگز سب ہی شامل ہیں۔ کیونکہ نشے کی حالت میں رہنا مومن کا شیوہ نہیں۔

یزید پر یہ الزام نہیں تھا کہ وہ شراب پیتا ہے۔ بلکہ یہ حقیقت تھی کہ یزید شراب پیتا تھا۔ شراب یا نبیذ یا کوئی بھی چیز جب اس حد تک استعمال کی جائے کہ عقل زائل ہونے لگے۔ تو اسلامی حکومت میں جرم شمار ہوتی ہے۔ نبیذ اہل عرب کے نزدیک کھانے پینے کی ایک عام سی چیز ہے۔ یہ مختلف النوع ہوتی ہے.......ہلکی، تیز.......جیسے کسی کا مزاج ہو۔ بس ویسے ہی وہ اس کا عادی ہو جاتا ہے۔ شروع شروع میں یعنی زمانہ و رسولؐ میں تو ہجرت کے بعد تک شراب ام پی جاتی تھی۔ شراب کی ممانعت غزوۂ احد کے بعد ہوئی۔ اس غزوہ میں شہید ہونے والوں نے شراب پی رکھی تھی۔ (بحوالہ انوارِ مدینہ).......پھر بعد میں شراب کی ممانعت ہوئی۔ مگر نبیذ منع نہ ہوئی۔ نبی کریمؐ کے زمانہ میں جب کوئی شراب پیتا۔ تو آپؐ محض اس کا نشہ اتارنے ے لیے اسے پینے کا حکم دیتے۔ اور ایسا آج بھی کیا جاتا ہے۔

لیکن نبی کریمؐ کے وصال کے بعد شراب سے نشہ کرنے کے بعض واقعات جب سامنے ئے۔ تو صحابہ و کرامؓ نے باہم مشورہ کیا۔ گویا اسلام کی اوّلین مجلسِ شوریٰ یا سینٹ نے شراب ے متعلق بل پیش کیا۔ اس موقع پر حضرت علیؓ کا مشورہ پسند کیا گیا۔ یہ حضرت عمرؓ کا دور تھا۔

حضرت عمرؓ نے جب مجلسِ شوریٰ کے سامنے یہ مسئلہ رکھا کہ شرابی کو کتنی سزا دی جائے۔ تو حضرت علیؓ نے فرمایا کی جب آدمی نشہ میں ہوتا ہے تو وہ بولتا ہے، بکواس کرتا ہے۔ اور یہ نہیں سوچتا کہ وہ کسی پر الزام لگا رہا ہے۔ تو اس آدمی کو جو شراب پیتا ہے۔ زیادہ سے زیادہ وہ سزا دی جائے۔ جو کسی پر جھوٹا الزام لگانے کی ہو سکتی ہے۔ یعنی حدِ قذف۔ صحابہؓ کی مجلسِ شوریٰ نے حضرت علیؓ کے قیاس کو پسند کیا۔ اور پھر یہی سزا مقرر کر دی گئی۔

گویا اسلام کی عظیم فقہی مجلس نے کسی پر الزام لگانے کا جرم اور شراب پینے کا جرم ایک برابر تصور کیا۔ آج ہم دیکھتے ہیں کہ کسی پر الزام لگانا چٹکی بجانے یا مچھر مارنے کے مترادف سمجھا جاتا ہے۔ جبکہ شراب پینا سود اور زناء سے بھی زیادہ برا جانا جاتا ہے۔

شرابی کے لیے حدِ قذف کے برابر سزا مقرر کی گئی۔ اور یہ طے ہوا کہ اگر اکہرا (Single) درّہ استعمال کیا جائے۔ تو اسّی درّے اور دوہرا (Double) درّہ استعمال کیا جائے تو چالیس درّے شراب پینے والے کو مارے جائیں گے۔ اور یہ شرط بھی رکھی گئی کہ درّہ لگنے سے زخم نہ آنے پائے اور خون نہ نکلنے پائے۔ ملزم کے ہاتھ بھی کھلے چھوڑے جائیں گے۔ تاکہ وہ اپنا بچاؤ کر سکے۔ جلاد کو حکم ہے کہ وہ ایک ہی جگہ پر درّہ نہ مارے بلکہ مختلف جگہوں پر ضرب لگائے۔ اور اگر خون نکل آیا تو جلاد کو پکڑ لیا جائے گا۔

دراصل شرابی کو درّوں کی یہ معمولی سزا محض اس لیے دی جاتی تھی تاکہ وہ لوگوں کے سامنے شرمسار ہو........ یہ جو ہمارے ملک میں اسلامی سزا کو چھوڑ کر پولیس اپنے طور پر شراب پینے والوں کو (خصوصاً طبقہ غرباء) قید کرتی یا مارتی پیٹتی ہے........ اس سے شرابی کو سزا دینے کا مقصد پورا نہیں ہوتا۔

یہاں ایک انتہائی دلچسپ فقہی نکتہ بیان کرنے کا مقام ہے۔ اسلام میں بے نمازی کے لیے بھی کوڑے کی سزا مقرر ہے۔ شرابی کی سزا تو یہ ہے کہ اسے اس طرح درّے مارے جائیں کہ خون نہ نکلے۔ لیکن بے نمازی کے لیے حکم ہے کہ اسے اتنا مارا جائے کہ خون نکل آئے۔ حیرت ہے آج بے نمازیوں کی تعداد شرابیوں کی نسبت کئی گنا ہے۔ لیکن بے نمازی سے کسی کو کوئی گلہ نہیں۔

فقہ کی رو سے انگوری شراب قطعی طور پر حرام ہے۔ اس کی حرمت کا انکار کفر ہے۔ اور عربی میں اسی شراب کو خمر کہا جاتا ہے۔ چنانچہ حضرت انسؓ فرماتے ہیں........ کہ حرام تو "خمر" کی گئی۔ جبکہ مدینہ میں تو "خمر" تھی ہی نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ انگوری شراب مدینہ میں نہ تھی۔ بعض روایات میں ہے کہ کم تھی۔ چنانچہ فقہ میں انگوری شراب کی قطعی حرمت کا حکم ہے۔ اگر یہ کپڑے کو لگ جائے تو کپڑا ناپاک ہو جاتا ہے۔ حتیٰ کہ انگوری شراب دوا کے طور پر استعمال کرنے کی بھی اجازت نہیں۔

جہاں تک میرا خیال ہے فی زمانہ انگوری شراب کی طرح ہیروئن، افیون اور بعض میڈیسن کو بھی قطعی طور پر حرام قرار دیا جانا چاہیے۔ ہم اس مضمون میں شراب کا شرعی مسئلہ بیان کر رہے ہیں۔ چنانچہ آخر میں "انورِ مدینہ" کا ایک اقتباس پیش کرتا ہوں:

> "ائمہ کرام کی اپنی اپنی تحقیقات ہیں۔ امام اعظم ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ شراب کے علاوہ نشے کی اگر کوئی چیز استعمال کرنا مقصود ہو۔ تو اس کا اس حد تک استعمال جائز ہے۔ جس حد تک وہ جسمانی تقویت کا باعث بنے۔ اور اگر نشے کی حد تک پہنچ جائے، وہ جائز نہیں۔ معلوم ہوا کہ وہ گھونٹ کہ جس گھونٹ سے نشہ شروع ہوا........ حرام ہے۔ امام اعظمؒ فرماتے ہیں........ الجرعۃ التی اسکر تک........ لیکن آپؒ نشیلے گھونٹ سے پہلے پہلے تک منع نہیں فرمایا۔ خود صحابہؓ میں یہ استعمال ہوتی تھی۔ تو وہ گھونٹ جس پر نشہ شروع ہوا حرام ہے۔ اور اس سے کم پر امام اعظمؒ

نے نزدیک منع نہیں۔

دیگر ائمہ کرام سارے کے سارے امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام حنبلؒ اور امام اعظمؒ کے بڑے جلیل القدر شاگرد امام یوسفؒ اور امام محمدؒ وغیرہ کہتے ہیں کہ جس چیز کی زیادہ مقدار نشہ لائے اس چیز کی تھوڑی مقدار بھی حرام ہے۔ ان ائمہ کرام کے سامنے یہ حدیث مبارکہ ہے مااسکر کثیرہ فقلیلہ حرام......... ترجمہ: جس کا، زیادہ، نشہ دے، اس کا تھوڑا، بھی حرام ہے۔ ان ائمہ کرام شراب انگوری ہو یا غیر انگوری سب حرام ہے۔ ہمارے علاقوں میں فتویٰ اسی پر ہے...... لیکن اگر عرب ممالک میں جہاں نبیذ ان کی غذا کا جزو چلی آرہی ہے۔ وہاں روکا نہیں جا سکتا۔ مگر انہیں بھی چاہیے کہ اس طرح پئیں۔ جس طرح رسول اللہؐ پیا کرتے تھے۔ آپؐ صبح کھجوریں پانی میں ڈال دیتے تھے۔ اور شام کو استعمال فرما لیتے تھے۔ اسی طرح شام کو ڈال دیتے تھے۔ اور صبح استعمال فرما لیتے تھے۔ اسی طرح کی نبیذ بلاشبہ جائز ہے۔ بلکہ یہ تقویت پہنچاتی ہے۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ اگر نبیذ تیز ہو جائے۔ تو سب ائمہ کرامؒ کہتے ہیں کہ تھوڑی بھی نہ پی جائے۔ لیکن امام اعظمؒ اختلاف کرتے ہیں۔ اور فرماتے ہیں کہ......... نہیں!......... پی سکتا ہے! ہر شخص کو اپنی عادت کا خود پتہ ہے کہ وہ کتنی دیر بھیگی ہوئی نبیذ پی سکتا ہے۔

اگر تائید کے لیے واقعات یا دلائل تلاش کیے جائیں۔ تو تائید امام اعظمؒ کی ہوتی ہے۔ لیکن اگر احتیاط کا تقاضا دیکھا جائے تو احتیاط اسی میں

ہے کہ دیگر ائمہ کی بات مانی جائے۔ آج دنیا میں جو عمل ہے۔ وہ امام اعظمؒ کے قول پر ہے۔"

صحابہ کرامؓ سے منسوب نشے کے واقعات

حدیث کی معتبر ترین کتاب "بخاری شریف" میں سید الشہداء حضرت امیر حمزہؓ سے منسوب ایک واقعہ درج ہے۔ جس کا ذکر ہم قبل ازیں بھی ایک مرتبہ کر چکے ہیں۔ حضرت حمزہؓ، حضورؐ کے بہت ہی پیارے چچا تھے۔ روایت یہ ہے:

> "حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ مجھے رسول اللہؐ کے ساتھ بدر کے دن مال غنیمت میں اونٹنی ملی۔ پھر ایک اونٹنی رسول اللہؐ نے مجھے اور دی۔ ایک دن ایک انصاری کے دروازے پر میں نے ان دونوں اونٹنیوں کو بٹھا دیا۔ اور میں یہ چاہتا تھا کہ ان پر گھاس لاد کر بیچوں۔ میرے ساتھ بنی قینقاع کا ایک سنار بھی تھا (میں نے سوچا کہ اس سے فاطمہؓ کے ولیمے میں مدد لوں) حضرت حمزہ بن مطلبؓ اسی گھر میں شراب پی رہے تھے۔ اور ان کے ساتھ ایک گانے والی بھی تھی۔ جو یہ گا رہی تھی۔ الا یا حمزۃ للشرف النواء...... حمزہ آگاہ ہو جاؤ ان فربہ اونٹنیوں کو لو۔ (اور ذبح کرو)۔ پس! حمزہؓ تلوار لے کر ان دونوں اونٹنیوں کی طرف متوجہ ہوئے۔ اور انہوں نے ان کے...... کوبان کاٹ دیے۔ اور ان کو لہے کاٹ کر ان کے کلیجے نکال لیے۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ میں اس منظر سے خوفزدہ ہو کر نبی کریمؐ کے پاس گیا۔ آپؐ کے پاس زید بن حارثہؓ بھی موجود تھے۔ میں نے یہ خبر آپؐ سے بیان کی۔ جس پر آپؐ باہر نکل آئے۔ اور میں بھی آپؐ کے ہمراہ چلا۔ آپؐ حضرت حمزہؓ کے

پاس پہنچے۔ اوران پر بہت غصہ کیا۔ تو حضرت حمزہؓ نے آنکھ اٹھائی اور (نشے کی حالت میں) کہنے لگے۔ تم لوگ میرے باپ دادا کے غلام ہو۔ اس پر رسول اللہؐ پچھلے پیروں پر واپس لوٹ آئے۔ یہ واقعہ شراب حرام ہونے سے پہلے کا ہے۔" (بخاری، حصہ اوّل، صفحہ 449)

حضرت حمزہؓ کے بعد "حضرت نعیمانؓ" کا واقعہ ہے:

"حضرت عقبہ بن حارثؓ فرماتے ہیں کہ حضرت نعیمانؓ شراب پیئے ہوئے رسول اللہؐ کی خدمت میں لائے گئے۔ تو آپؐ نے تمام لوگوں کو جو اس وقت گھر میں موجود تھے۔ ان کو حکم دیا کہ ان کو ماریں (ان کو ماریں) (ان بھی ہوا)۔ عقبہؓ فرماتے ہیں کہ میں بھی ان لوگوں میں تھا۔ جنہوں نے نعیمانؓ کو مارا۔ اور ہم نے انہیں جوتیوں اور چھڑیوں سے مارا تھا۔"

(بخاری شریف مترجم، حصہ اوّل، صفحہ 439)

ایک اور روایت جو سید حامد میاںؒ نے اپنے لیکچر میں بیان فرمائی ہے۔ "انوارِ مدینہ" کے حوالے سے پیش خدمت ہے:

"حضرت عمرؓ کے بہنوئی، حضرت قدامہ بن مظعونؓ "بحرین" کے عامل تھے۔ شکایت ہوئی کہ یہ نشہ کرتے ہیں۔ تو حضرت عمرؓ نے ان کو بلوالیا۔ اور بلوا کر ان سے پوچھا...... اب وہ بڑے آدمی تھے۔ اہل بدر میں سے تھے۔ اہل بدر بہت ہی تھوڑے تھے۔ اور ان کے برابر دوسرا کوئی ہے ہی نہیں...... سوائے عشرہ مبشرہ کے۔ انہیں بلوایا گیا، پوچھا گیا، معلومات کیں...... انہوں نے کہا۔ ...... "ہاں

!میں پیتا تھا"۔ اس واسطے کہ آیت میں یہ آیا ہے...... لیس علی الذین امنوا وعملوا الصالحات جناح فیما طعموا ...... ترجمہ: کوئی حرج نہیں ہے اس میں، کہ جو لوگ ایمان قبول کریں اور نیک کام کریں۔ تو وہ جو بھی کھا (پی) لیں...... "جب وہ تقویٰ اختیار کریں۔ ایمان پر رہیں اور پھر بار بار تقویٰ پر ہی عمل کرتے رہیں۔ اور اچھے کام کریں۔" (آیت)

میں نے کوئی برا کام نہیں کیا۔ لہٰذا میرے اوپر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا۔

حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ تمہیں اس آیت کی تفسیر میں غلطی لگی ہے۔ اگر تقویٰ اختیار کرتے۔ تو اتنی پیتے ہی کیوں کہ نشہ ہو۔ تم اس آیت سے یہ سمجھے ہو کہ پینے اور کھانے کی اجازت ہے...... یہ بات نہیں۔ بلکہ اگر تقویٰ ہوگا تو کھانے پینے سے اجتناب کرنا ہوگا۔ حضرت عمرؓ نے اپنے بہنوئی حضرت قدامہ مظعونؓ پر حد لگانے کا حکم دے دیا۔ اسی دوران حضرت قدامہؓ بیمار ہو گئے۔ اب قاعدہ یہی ہے کہ مجرم بیمار ہو جائے تو سزا مؤخر کردی جاتی ہے۔ حضرت قدامہؓ بیمار ہوئے تو حضرت عمرؓ نے آپؓ کی سزا مؤخر کردی۔ لیکن پھر کچھ وقت بعد حضرت عمرؓ کو خیال آیا کہ اگر اسی تاخیر کے دوران میرا انتقال ہو گیا۔ اور سزا پر عمل درآمد رہ گیا۔ تو اللہ کے ہاں میں کیا جواب دوں گا؟ یہی سوچ کر آپؓ نے حضرت قدامہؓ جیسے جید، معتبر اور بزرگ صحابیؓ پر حد لگادی، جس پر حضرت قدامہؓ برا مان گئے۔ کچھ دنوں بعد حضرت عمرؓ جب حج

> سے واپس آ رہے تھے۔ تو راستے میں ایک مرتبہ حضرت عمرؓ کو رسالت مآبؐ کی خواب میں زیارت نصیب ہوئی۔ حضورؐ نے فرمایا ....قدامہؓ سے صلح کرلو۔ وہ تمہارے بھائی ہیں۔ تب حضرت عمرؓ نے حضرت قدامہؓ کو بلوایا اور ان سے صلح صفائی کی۔"

بخاری شریف میں حضرت عمرؓ سے منسوب ایک روایت یہ بھی ہے:

> "حضرت عمرؓ نے فرمایا...... وجدت من عبیداللہ ریح شراب ......مجھے عبیداللہ سے شراب کی بو آتی ہے۔ میں اس سے اس کے بارے میں پوچھوں گا۔ اگر وہ نشہ کرتا ہے، نشے کا عادی ہے یا نشے کی حد تک اس نے پی ہے تو اسے کوڑے لگاؤں گا" (بحوالہ انوار مدینہ)

حضرت عبیداللہ بن عمرؓ خلیفۂ وقت یعنی خود حضرت عمرؓ کے فرزند ہیں۔ اس روایت سے یوں لگتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے شراب کی باقاعدہ حد مقرر کردی تھی۔ حضرت عمرؓ بہت بڑے قانون دان تھے۔ اور یہ بات آج بھی یورپ کے بڑے بڑے دانشوروں سمیت دنیا کے زیادہ تر لوگ جانتے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے شرابی پر حد لگائی۔ لیکن دونوں روایتوں سے ایک بات ظاہر ہے۔ اور وہ یہ کہ حضرت عمرؓ نے شرابی پر تو حد لگائی۔ لیکن اس وقت جب اسے نشہ چڑھ گیا۔ آپؓ کا حضرت قدامہؓ سے یہ فرمانا...... اگر تقویٰ اختیار کرتے تو اتنی پیتے ہی کیوں کہ نشہ ہو...... پھر اپنے بیٹے عبیداللہؓ کے بارے میں یہ فرمانا کہ اگر اس نے نشے کی حد تک پی ہے تو میں اسے کوڑے لگاؤں گا...... یہی ثابت کرتا ہے کہ آپ نشہ کے خلاف تھے اور چاہتے تھے کہ کوئی شخص بھی نشہ کی حد تک نہ پیئے۔ حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں بھی یہی ثابت ہے۔ اور حضرت عثمانؓ نے بھی اپنے پیشرو عمر ابن الخطابؓ کے تتبع میں اسی طرح کی حد لگائی۔ عموماً یہ کہا جاتا ہے کہ حضرت عثمانؓ (معاذ اللہ) اپنے اقرباء کو زیادہ عزیز رکھتے تھے۔ درحقیقت اس طرح کہنا صحابیٔ رسول اللہ کی ہی گستاخی نہیں۔ بلکہ خود رسالت مآبؐ کی بھی توہین ہے۔ اللہ ایسا کہنے والوں کو ہدایت فرمائے۔ خیر! درج ذیل روایت ملاحظہ فرمایئے:

> "حضرت عثمانؓ کے دور میں کوفہ کے گورنر آپؓ کے بھائی حضرت ولید بن عقانؓ تھے۔ ایک مرتبہ انہوں نے زیادہ پی لی۔ چنانچہ نشہ ہو گیا۔ اسی حالت میں آپؓ نے فجر کی نماز پڑھائی۔ اور ایک رکعت پڑھانے کے بعد لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگے ....اور پڑھاؤں؟ ......لوگ کہنے لگے کہ ولید بن عقان کیسی باتیں کر رہے ہیں۔ پھر محسوس کیا کہ ولیدؓ تو نشے میں ہیں۔ تب لوگوں نے حضرت عثمانؓ سے شکایت کردی۔ حضرت عثمانؓ نے اپنے بھائی ولیدؓ کو بلوایا۔ اور الزام کی تحقیقات کے بعد آپؓ پر حد لگادی۔" (بحوالہ انور مدینہ)

حضرت عمرؓ کے بیٹے عبداللہ بن عمرؓ نے ایک دعوت کا اہتمام کیا۔ اور مہمانوں کو کھانے کے بعد نبیذ پلائی۔ اگلے روز ایک مہمان نے شکایت کی کہ آپؓ نے جو نبیذ پلائی تھی۔ اس سے مجھے تو راستہ بھی دکھائی نہیں دیتا تھا۔

نبیذ کا ایک واقعہ حضرت علیؓ کے ساتھ بھی منسوب ہے۔ اور وہ بھی اسی طرح کا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت علیؓ نے ضیافت کا اہتمام کیا۔ لوگوں کو کھانا کھلایا۔ پھر نبیذ پلائی۔ نبیذ پلائی تو ایک آدمی کو نشہ ہو گیا۔ چنانچہ حضرت علیؓ نے اسے پکڑ کر اس پر حد لگادی۔ وہ آدمی جز بز ہو کر بولا...... جناب یہ کیا کرتے ہیں؟ بلاتے بھی خود ہیں، پلاتے بھی خود ہیں۔ پھر حد لگا دیتے ہیں۔ تو حضرت علیؓ نے فرمایا۔ اتنی تم نے پی ہی کیوں کہ نشہ ہو گیا؟ اگر تیز تھی تو تھوڑی پی لیتے۔

مذکورہ بالا روایات سے تو یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ صحابہ کرامؓ کے نزدیک بھی صرف نشہ حرام تھا۔ نہ کہ اشیائے خورد و نوش۔

اور آخر میں ہم حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی زیرِ قیادت "جنگِ قادسیہ" میں شریک ایک صحابی حضرت ابو محجنؓ کا واقعہ پیش کرتے ہیں:

> "جنگِ قادسیہ کا میدانِ کارزار برپا ہونے سے پہلے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کو معلوم ہوا کہ ابو محجنؓ نے شراب پی ہے۔ اور وہ نشے میں ہیں۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے حضرت ابو محجنؓ کو گرفتار کر کے ایک کوٹھڑی میں بند کر دیا۔ اور جنگ کے اختتام تک آپؓ پر حد نافذ کرنے کا فیصلہ مؤخر کر دیا۔ دورانِ جنگ ابو محجنؓ تڑپ اٹھے اور بے ساختہ شعر کہنے لگے۔ آپ نے فرمایا...... کیا یہ بات غم کے لیے تھوڑی ہے کہ گھوڑے ہنکائے جاتے ہیں۔ اور میں قید میں پڑا ہوں۔ جب کھڑا ہوتا ہوں۔ تو لوہا آڑے آجاتا ہے۔ اور دروازے، جن میں آواز بھی سنائی نہیں دیتی۔ میں بڑے خاندان والا اور بھائیوں والا تھا۔ وہ مجھے تنہا چھوڑ گئے کہ میرا کوئی بھی نہیں...... حضرت ابو محجنؓ کے یہ اشعار سن کر حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی بیوی نے آپؓ کو آزاد کر دیا۔ آپؓ جنگ میں شریک ہوئے۔ اور کشتوں کے پشتے لگا دیے۔ جنگ کے اختتام پر آپؓ تیزی سے واپس اسی کوٹھڑی میں آئے اور خود کو اسیر کر لیا۔"

کتب تاریخ و احادیث میں اگرچہ بیشمار واقعات موجود ہیں۔ لیکن ہم مذکورہ بالا معتبر روایات پر ہی اکتفاء کرتے ہیں۔ ان تمام واقعات سے یہ واضح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ اگر نشے کا ارتکاب صحابہ کرامؓ سے بھی ہوا۔ تو صحابہؓ پر بھی حد نافذ کی گئی۔ جب صحابہؓ جیسی جلیل القدر ہستیوں کو معافی نہیں مل سکتی۔ تو ہماری تمہاری کیا حیثیت ہے۔ چنانچہ تمام معلومات کے

بعد یہ طے ہے کہ جو کوئی بھی نشہ کرے گا۔ وہ کم از کم اسّی درّوں کی سزا کا مستحق ہوگا۔

نبیذ ایک حلال شراب

میں (راقم الحروف) جب طالبان کے دور میں ایک مرتبہ افغانستان کے صحافتی و مطالعاتی دورے پر گیا۔ تو میں نے "بگرام" کے محاذ پر عرب مجاہدین کو چھوہاروں کی "نبیذ" بناتے اور استعمال کرتے دیکھا۔ میں نے ان کے ساتھ خود بھی نبیذ پی۔ اور مجھے اس میں کوئی نشہ محسوس نہ ہوا۔ دراصل بگرام "کابل" کے نزدیک ایک یخ بستہ پہاڑی علاقہ تھا۔ نبیذ میں نشہ اس وقت پیدا ہوتا ہے۔ جب یہ گرم علاقوں میں بنائی جائے۔ نبیذ بنانے کا طریقہ یہ ہے کہ حسبِ ضرورت کھجوریں پانی میں بھگو کر رکھ دی جاتی ہیں۔ اور ایک یا دو یا تین دن بعد اس پانی کو مشروب کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ یہ مشروب میٹھا اور خوش ذائقہ ہوتا ہے۔ اور اگر نبیذ گرم علاقے میں بنائی جائے تو دو تین دنوں کے اندر اندر اس میں جوش پیدا ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ یہی جوش نشے کا باعث بنتا ہے۔ نبیذ کے بارے میں یہ ہدایت کی گئی ہے کہ اسے ایسے برتن میں نہ بناؤ۔ جس کے مسامات بند ہوں۔ جیسے روغنی برتن ہوتے ہیں۔ یا پھر پلاسٹک کے کین اور ڈرم وغیرہ۔ اس سے زیادہ ممانعت نہیں۔ گذشتہ مضامین میں ہم نبیذ کے چند ایک واقعات پیش کر چکے ہیں۔ شراب کی تاثیر یہ ہے کہ وہ گرم اور خشک ہوتی ہے۔ اس کے برعکس نبیذ کی تاثیر یہ ہے کہ یہ ٹھنڈی اور تر ہوتی ہے۔

رسول کریمؐ خود نبیذ پیتے تھے۔ چنانچہ نبیذ پینا سنت ہے اور کارِ ثواب ہے۔ "بخاری شریف" میں حضرت ابو سعید ساعدیؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول کریمؐ کو اپنے ولیمے میں دعوت پر بلایا۔ دلہن خود لوگوں کو کھانا کھلا رہی تھی۔ دلہن نے بتایا کہ میں نے رسول کریمؐ کو جگوئی کھجوروں کا پانی پلایا۔

ایک مرتبہ رسول کریمؐ کی خدمت میں قدرے تیز نبیذ پیش کی گئی۔ آپؐ نے ڈھکن ہٹایا۔ اور

اس کی تیز بو محسوس کر کے آپ ؐ کے چہرۂ مبارک پر ناگواری کے آثار دکھائی دیے۔ آپ ؐ نے نبیذ ایک دم پیچھے ہٹا دی۔ پھر فرمایا اس میں پانی ملا کر لاؤ۔ چنانچہ پانی ملا کر لایا گیا۔ اور آپ ؐ نے نبیذ استعمال کی۔ نبی کریم ؐ عموماً ایک دن تک بھگوئی ہوئی کھجوروں کی نبیذ پسند فرماتے تھے۔ لیکن حضرت عمرؓ تیز نبیذ پیتے تھے۔ نبیذ ایک حلال مشروب ہے۔ جسے صحابہ کرامؓ بڑے شوق سے استعمال کرتے۔ بعض صحابہؓ ہلکی اور بعض تیز نبیذ پسند کرتے تھے۔ اور کبھی کبھار یوں بھی ہو جاتا کہ کوئی ہلکی نبیذ پینے والا اگر کسی تیز نبیذ پینے والے صحابیؓ کے برتن سے پی لیتا۔ تو اسے نشہ ہو جاتا۔ خود حضرت عمرؓ کے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا۔ آپؓ کے برتن سے ایک شخص نے نبیذ نوش کر لی۔ اور اسے نشہ ہو گیا۔

عربوں میں نبیذ کا رواج زمانۂ قدیم سے چلا آ رہا ہے۔ اور آج بھی عرب کے لوگ نبیذ شوق سے بناتے اور پیتے ہیں۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ نبیذ شراب کی اس حالت کو کہتے ہیں کہ جب تک وہ کشید نہیں کی گئی ہوتی۔ لیکن یہ خیال غلط ہے۔ ایک تو نبیذ صرف کھجوروں کی ثابت ہے۔ جبکہ شراب ہر قسم کے پھلوں سے بنائی جاتی ہے۔ دوسرے یہ کہ نبیذ بنانے کے لیے صرف کھجور اور پانی کو آپس میں ملایا جاتا ہے۔ جبکہ شراب بنانے کے لیے کچھ اور چیزیں بھی استعمال ہوتی ہیں۔ اور تیسری بات کہ نبیذ ایسے برتن میں بنائی جاتی ہے۔ جس کے مسامات کھلے ہوں۔ جبکہ شراب بنانے کے لیے برتن کو ہر طرف سے مکمل طور پر بند کر دیا جاتا ہے۔ تاکہ پھلوں میں گلنے سڑنے کا عمل شدت سے پیدا ہو۔

آج ہماری حالت بہت عجیب ہے۔ ہم اپنے ذہنی دباؤ کا علاج منشیات سے کرتے ہیں۔ جبکہ نبیذ جیسے پُر حکمت نسخے کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ہمارے علمائے کرام کی ذمہ داری تھی کہ وہ نبیذ کا تعارف اور نسخہ عامۃ الناس کو بتاتے۔ تاکہ لوگ شراب کی بجائے اس اسلامی مشروب سے استفادہ کرتے۔ کوئی بھی ایسا شخص جو شراب کا بری طرح عادی ہو۔ نبیذ

کے استعمال سے شراب جیسی حرام چیز کو چھوڑ سکتا ہے۔ وہ جو غالبؔ نے کہا تھا۔

چھٹتی نہیں ہے منہ کو یہ کافر لگی ہوئی

...... بالکل غلط کہا تھا۔ شراب کے عادی کو قدرے تیز نبیذ سے آہستہ آہستہ ہلکی نبیذ کی جانب سفر کرنا چاہیے۔ وہ شراب سے ہمیشہ کے لیے چھٹکارا حاصل کر سکتا ہے۔ ڈپریشن، ٹینشن، غموں اور ذہنی بیماریوں کے لیے جو لوگ شراب یا دیگر منشیات کا سہارا لیتے ہیں۔ وہ قدرے تیز نبیذ استعمال کر کے، اس مفید اور فرحت بخش مشروب سے وہی نتائج حاصل کر سکتے ہیں جو وہ شراب یا منشیات سے حاصل کرنا چاہتے تھے۔ لیکن اس تبدیلی کے ساتھ کہ اب ان کی حرارت غریزی بڑھ کر ان کے اعصاب پر سوار نہیں ہو جائے گی اور ویسے بھی نبیذ کوئی نشے کی چیز تو نہیں یہ تو محض ایک ٹھنڈا اور میٹھا مشروب ہے۔

ہاں! اگر نشہ کیا جائے گا۔ یعنی عقل و حواس کو زائل کرنے کی غرض سے یہ مشروب پیا جائے گا۔ تو ایسی صورت میں نبیذ بھی حرام ٹھہرے گی۔ ہو سکتا ہے کہ بعض لوگ اس سے غلط تاثر لیں اور نبیذ کو ایسے طریقے سے تیار کریں جو شراب سے ملتا جلتا ہو، مثلاً نبیذ کو زیادہ دن رکھ کر تیز کریں تاکہ متعفن ہو کر زیادہ سے زیادہ نشیلی ہو جائے۔ لیکن یاد رکھیے! اسلامی شریعت میں ہر وہ چیز جو بدبو چھوڑ جائے مکروہ ہوتی ہے۔ حتیٰ کہ جوہڑ، تالاب، ندی یا کنویں کا پانی اگر بدبودار ہو جائے تو اس پانی سے وضو نہیں کیا جا سکتا۔ چنانچہ جونہی کھجوروں کے پانی میں بدبو پیدا ہونی شروع وقت وہ نبیذ نہ رہیگی بلکہ شراب بن جائے گی، اس کی تاثیر ٹھنڈی کی بجائے گرم ہونا شروع جائے گی اور وہ انسانی بدن میں حرارت غریزی کو بڑھا کر انسانی جسم و ذہن کو شیطانی بنانے کا کام شروع کر دیگی۔

اگر صحیح طریقے سے نبیذ بنا کر استعمال کی جائے تو وہ حقیقتاً انسانی بدن کیلیے بے حد مفید ہے ہم ایک طرح سے یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ نبیذ طب نبوی کا ایک انتہائی مفید نسخہ ہے جو لاغر یا

تھکے ہوئے بدن کو راحت اور تقویت بہم پہنچاتا ہے۔ جسم کی خشکی کو دور کرتا اور ذہن کو مالیخولیا جیسے موذی خیالات سے محفوظ رکھتا ہے۔ ہمارے یہاں یعنی پاکستان میں زیادہ تر لوگوں کو نبیذ کے بارے میں علم نہیں.........غالباً یہی وجہ ہے کہ جن لوگوں کو اس کے بارے میں علم ہے۔ وہ اسے بھی ڈر اور خوف کے ماحول میں بناتے اور استعمال کرتے ہیں۔ اور نتیجۃً اس کا مجموعی تأثر بھی وہی مرتب ہوتا ہے جو شراب کا۔

نبیذ صرف ایک مشروب ہے، صرف ایک مشروب۔ یہ کوئی نشہ کی چیز نہیں۔ اسے آپ ایک ٹانک (Tonic) بھی کہہ سکتے ہیں........ جیسے کہ شربتِ فولاد یا شربتِ بزوری وغیرہ۔ چنانچہ اس بات کا پوری طرح سے خیال رکھا جانا چاہیے کہ نبیذ کوئی نشیلی چیز نہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

باب:3

شاعری اور شراب

حضرت علامہ اقبالؒ کے مشہور خطبات میں پہلا خطبہ ہے......... ''علم اور مذہبی شاہدات''...... مذہبی مشاہدہ کے الفاظ حضرت علامہؒ نے صوفیانہ واردات کے لیے استعمال ئے ہیں۔ آپؒ اسی خطبے کے آغاز میں رقمطراز ہیں:

> ''یہ عالم جس میں ہم رہتے ہیں۔ اس کی نوعیت کیا ہے؟ اور ترکیب کیا؟ کیا اس کی ساخت میں کوئی دوامی عنصر موجود ہے؟ ہمیں اس سے کیا تعلق ہے؟ اور ہمارا اس میں مقام کیا ہے؟ باعتبار اس مقام کے ہمارا طرزِ عمل کیا ہونا چاہیے؟ یہ سوالات ہیں جو مذہب، فلسفہ اور اعلیٰ شاعری میں مشترک ہیں۔ لیکن شاعرانہ واردات سے جو علم حاصل ہوتا ہے، انفرادی ہوتا ہے۔ یعنی اس شخص سے مختص، جس پر یہ واردات طاری ہوئیں۔ وہ تمثیلی ہوگا۔ مبہم اور غیر قطعی۔ البتہ مذہب کے مدارج عالیہ شاعری سے بلند تر ہیں۔''

علامہ اقبالؒ نے...... گویا یہ تسلیم کیا کہ شاعر پر بھی واردات قلبی طاری ہو جاتی ہے۔ اور [illegible] بھی علم بالحواس سے بالاتر ہو کر..... ''غیب'' سے کوئی علم عطا کیا جاتا ہے۔ غالب کے [illegible] .... [illegible] آتے ہیں غیب سے جو مضامیں خیال میں........ اگر ایسا ہے کہ ایک [illegible] ندر یا گیانی کی طرح شاعر کو بھی علم بالکشف یا علم بالالہام حاصل ہوتا ہے........ تو یہ [illegible] شعراء سوسائٹی کا بیکار پرزہ ہوتے ہیں، بالکل ہی غلط ہوگا۔

[illegible] اصل جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ شاعری معاشرے کا عضو معطل ہے۔ ان کی نظر سطحی اور ان [illegible] نظر [illegible] صد عارضی ہوتے ہیں۔ مثلاً ایک عام کاروباری شخص بظاہر شاعر کے مقابلے

میں معاشرے کا ایک کارآمد پرزہ دکھائی دیتا ہے۔ اور اسی تفاخر کے ساتھ وہ شعراء یا شاعری کی یہ کہہ کر توہین بھی کرتا ہے کہ شاعری بیکار کی چیز ہے۔ لیکن درحقیقت یہ اس کی بھول ہوتی ہے.... ظاہری طور پر کامیاب زندگی گزارنے والا ایک کاروباری یا ملازمت پیشہ شخص درحقیقت معاشرے میں کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ جب تک کسی خاص نظامِ معاشرت میں اسے اہمیت نہ دی جائے۔ بالفاظِ دیگر وہ ممنونِ احسان ہے۔ ان نظام بنانے والوں کا جو اسے اہمیت دیتے ہیں۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو کسی بھی قوم میں اصل اہمیت کے حامل ہوتے ہیں۔ وہ افراد جو نظامِ سلطنت کے تانے بانے بنتے ہیں........ یہ لوگ کون ہوتے ہیں۔ کیا سیاستدان یا ممبران قومی اسمبلی وسینٹ........ نہیں! سیاستدان تو کسی ایک نظام میں کام کرنے والے وہ پرزے ہیں۔ جو اس نظام کی باریکیوں کو سمجھتے اور اس کے نفاذ کے لیے کوشاں رہتے ہیں..... تو پھر وہ کون لوگ ہیں۔ جو کسی مملکت، سلطنت، قوم یا معاشرے کا نظام پیش کرتے ہیں..... یہی سوال بہت اہم ہے۔ اس سوال کا جواب دینے کے لیے میں ہر اس شخص کو متوجہ کرنا چاہوں گا۔ جو شعراء اور فلسفیوں کو ناکارہ سمجھتے ہیں۔ ہاں! معاشروں کے نظام بنانے والے وہ حکیم اور دانا لوگ ہوتے ہیں، جنہیں شاعر یا فلسفی کہا جاتا ہے۔ آج پورا پاکستان جانتا ہے کہ نظریہ، پاکستان کی بنیاد کس نے رکھی۔ کیا وہ ایک شاعر یا فلسفی نہیں تھا؟ قائداعظم محمد علی جناح تو ایک سیاست دان تھے۔ اور وہ جس مشن کو لے کر سرگرمِ عمل تھے۔ وہ مشن حضرت علامہ اقبالؒ نے انہیں سونپا تھا۔ اور علامہ اقبالؒ کون تھے؟ ایک شاعر اور فلسفی۔

گذشتہ پانچ صدیوں سے ’’جرمن‘‘ کو فلسفے اور دانائی کا ملک مانا جاتا ہے۔ کیوں؟؟ ایک وقت وہ تھا جب جرمن ساری دنیا کو فتح کرتے ہوئے ’’لندن‘‘ تک پہنچ گئے تھے۔ کیوں؟ علامہ اقبالؒ جیسے عظیم فلسفی نے جرمن سے جا کر پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ آپ جانتے ہیں کیوں؟ محض اس لیے کہ جرمن میں ’’کانٹ(Kant)‘‘ پیدا ہوا۔ جو ایک شاعر تھا۔ جرمن میں ’’گوئٹے(Goethe)‘‘ پیدا ہوا۔ جو ایک شاعر تھا۔

آج ہم یعنی مسلمان اپنے تابناک ماضی پر اتراتے ہیں کہ ہم نے ’’اندلس‘‘ پر آٹھ سو سال حکومت کی۔ لیکن کیا ہم جانتے ہیں کہ ’’اندلس‘‘ کا نام اور مقام کس وجہ سے ہے۔ ہاں! سب پڑھے لکھے لوگ جانتے ہیں کہ ’’اندلس‘‘ کا نام اور مقام فلسفے اور شاعری کی بدولت ہے۔ وہاں ’’ابنِ رشد‘‘ پیدا ہوا۔ ’’ابنِ باجہ اور ابنِ طفیل‘‘ پیدا ہوئے۔ حتیٰ کہ اندلس کے تو بے شمار حکمران خود شاعر تھے۔

انگریزوں کو ’’شیکسپیئر‘‘ پہ ناز ہے۔ شیکسپیئر کے اشعار کو وہ اپنی کامیابی کا پیش خیمہ سمجھتے ہیں۔ ’’ترک‘‘ میں ’’توفیق فکرت‘‘ پیدا ہوا۔ ’’ایران‘‘ میں ’’حافظ شیراز‘‘ اور ’’سعدی‘‘ نے قوم کو دانش وبینش بخشی۔ ’’عمر خیام‘‘ کی رباعیاں آج بھی الہامات تصور کی جاتی ہیں۔ ’’مولانا رومؒ‘‘ کی مثنوی جسے پڑھ کر علامہ اقبالؒ نے مولانا روم کو اپنا مرشد کہنا شروع کر دیا۔ کیا تھی؟ شاعری ہی تو تھی۔ ’’بابا فرید شکر گنجؒ‘‘، خواجہ فریدالدین عطارؒ، حکیم سنائی، حضرت سلطان باہوؒ، بابا بلھے شاہؒ یہ سب لوگ پہلے شاعر تھے۔ اور بعد میں صوفی۔ یاد رکھیے! شاعر بیکار پرزہ نہیں ہوتا۔

درحقیقت شاعر کی کارکردگی سرِ دست (At the spot) دکھائی نہیں دیتی، وہ اپنی معاشرتی زندگی میں فقر و غناء کا لبادہ اوڑھے خاموشی کے ساتھ گزر بسر کرتا ہے۔ اسے جاہ وحشمت کا لالچ نہیں ہوتا۔ اور نہ ہی مال ومتاع جمع کرنے کا۔ یہی وجہ ہے کہ عام لوگ شاعر کو فالتو انسان سمجھتے ہیں۔ شعراء کا مذاق اڑاتے ہیں۔ اور شاعری جیسی عظیم چیز کی توہین کرتے ہیں۔ لیکن افسوس وہ یہ نہیں جانتے کہ وہ تو مر جائیں گے۔ لیکن شاعر زندہ رہے گا۔

ایک عجیب بات یہ ہے کہ انبیاءؑ جب اللہ کا پیغام لوگوں کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ تو اسے پہلے پہل شاعری ہی سمجھا جاتا ہے۔ خود رسول کریمؐ کو مشرکین مکہ شاعر اور مجنوں کہا

کرتے تھے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی.... وما ھو بقول شاعر ...... یہ کسی شاعر کا قول نہیں۔ اللہ کا کلام ہے۔" ایسا کیوں ہے؟ شاعری اور وحی کو مشرکین مکہ نے ایک جیسا کیوں سمجھا تھا۔ حالانکہ ان میں بے پناہ فرق ہے۔ وہی اقتباس جو حضرت علامہ اقبالؒ کے خطبہ سے ہم نے پیش کیا۔ آگے چل کر یوں ہے۔

> "لیکن شاعرانہ واردات سے جو علم حاصل ہوتا ہے، انفرادی ہوتا ہے۔ یعنی اس شخص سے مختص جس پر یہ واردات طاری ہوں .... البتہ! مذہب کے مدارج عالیہ شاعری سے بلند تر ہیں۔ وہ فرد سے جماعت کی طرف بڑھتا اور حقیقتِ مطلقہ کے بارے میں ایک ایسی روش اختیار کرتا ہے۔ جو حدود انسانی سے ٹکراتی اور اس کے دعاوی کو وسعت دیتی ہے۔ وہ ہمیں توقع دلاتا ہے کہ ذاتِ مطلق (اللہ) کا بلاواسطہ لقاء ممکن ہے۔"

دیکھیے! کتنا فرق ہے، شاعرانہ واردات اور وحی میں۔ لیکن پھر بھی مشرکین مکہ وحی کو شاعری سمجھ بیٹھتے تھے۔ کیوں؟ محض اس لیے کہ مکہ میں بہت سے شعراء تھے۔ اور اہل مکہ کو یوں محسوس ہوتا تھا کہ شاعرانہ واردات بھی وحی کی طرح ہی ہوتی ہے۔ قرآنِ حکیم میں "وحی" کا لفظ صرف جبرئیلؑ کے لیے ہی استعمال نہیں ہوا۔ ایک جگہ ہے کہ "ہم نے امِّ موسیٰ کی جانب وحی کی"۔ ایک اور جگہ ہے کہ "ہم شہد کی مکھی کو وحی کرتے ہیں" اور ایک جگہ تو حد ہی ہوگئی یعنی قرآنِ حکیم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:۔

وانَّ الشَّیٰطِیْنَ لَیُوْحُوْنَ اِلیٰ اَوْلِیَآئِھِم

ترجمہ:۔ اور بے شک شیطان اپنے دوستوں کی جانب وحی کرتا ہے۔

چنانچہ یہ تو طے ہے کہ وحی کا لفظ قرآن کریم میں صرف انبیاء کیلیے ہی نہیں بولا گیا، بلکہ اللہ تعالیٰ

نے بوقتِ ضرورت اس لفظ کو مختلف مقاصد کیلیے استعمال کیا ہے۔

حضرت علامہ اقبالؒ تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ زبان سے نکلنے والے "عام الفاظ" بھی وحی کی ہی ایک قسم ہیں۔ لیکن ہم شاعری کو وحی قطعاً نہیں کہیں گے۔ کیونکہ لفظ وحی کا عام استعمال اب حضرت جبرئیلؑ کے ساتھ ہی منسوب ہو چکا ہے۔ ہم شاعرانہ واردات کے لیے الہام کا لفظ استعمال کریں گے۔ "میکس ملر" نے کہا تھا:۔

> "فکر سے مراد ہے آہستہ بولنا اور بولنے سے مراد ہے بآواز بلند سوچنا"

اس کا مطلب یہ ہے کہ فکر یعنی استغراق کے نتیجے میں صاحب فکر کو جو کچھ معلوم ہوتا ہے۔ وہ اسے بیان کر دیتا ہے۔ اور بیان کرنا ہی وہ صلاحیت ہے۔ جس کی بدولت انسان کو حیوانِ ناطق کہا گیا۔ یہ صلاحیت، گہری نظر سے دیکھا جائے تو کسی کسی میں ہوتی ہے۔ بقول علامہ اقبالؒ:

دیکھتا ہوں کچھ تو اوروں کو دکھانے کے لیے
کچھ جو سنتا ہوں تو اوروں کو سنانے کے لیے

یہ اوروں کو دکھانے اور سنانے کا عمل ہی فی الحقیقت بیان کرنے کی صلاحیت ہے۔ چنانچہ آج تک وحیٔ مبارکہ کو چھوڑ کر جو کچھ بیان کیا گیا ہے۔ وہ شاعری کہلائے گا۔ جبکہ وحیٔ مبارکہ نہ تو شاعری ہے اور نہ ہی محض فکر و استغراق کا نتیجہ۔

اب، جب ہم یہ کہہ چکے ہیں کہ بیان کرنے کی صلاحیت شاعری کہلائے گی۔ تو اس لحاظ سے ہمیں شاعری کو مختلف مدارج میں تقسیم کرنا ہوگا۔ یہ تو ہم ثابت کر چکے ہیں کہ شاعری بھی وارداتِ قلبی ہے۔ لیکن شاعری کے ساتھ فکر و استغراق کا بھی گہرا تعلق ہے۔ ہمیشہ اسی شاعری کے کلام میں الہامی تاثیر پائی جاتی ہے۔ جس کی فکر بھی کامل ہو۔ اور فکر کو کامل کرنے کا سب سے عمدہ طریقہ ہے، حصولِ علم۔ انبیاء کو علم حاصل نہیں کرنا پڑتا۔ بلکہ انہیں اللہ تعالیٰ اپنی قدرت

کاملہ سے خود بخود ہر چیز کا علم عطا کر دیتے ہیں۔ جبکہ شاعروں اور فلسفیوں کو علم حاصل کرنا پڑتا ہے۔ ضروری نہیں کہ وہ علم رسمی تعلیم کے ذریعے مدرسوں اور سکولوں میں حاصل کیا جائے۔ مطالعہ کائنات بھی علم ہی تو ہے۔

شاعری کو مختلف درجات میں تقسیم کرنے کے لیے ہمیں پورے تدبر سے کام لیتے ہوئے یہ دیکھنا ہوگا کہ وہ کون سی شاعری ہے۔ جسے ہم محض الفاظ کے جوڑ توڑ سے بڑھ کر باقاعدہ واردات کا نام دیتے ہیں۔ کیونکہ الفاظ کو جوڑ توڑ کر کسی لڑی میں پرونا ایک فن ہے۔ اور ایک شاعر کے لیے اس فن کا ماہر ہونا ضروری بھی ہے۔ لیکن ادب کی زبان میں محض الفاظ کے جوڑ توڑ کو آورد کہا جاتا ہے۔ جبکہ وہ شاعری جسے الہامی یا صوفیانہ درجہ دیا جاتا ہے، آمد کہلاتی ہے۔ شاعر اگر آورد کے فن سے ناواقف ہوگا۔ تو اس کی آمد بے کار چلی جائے گی۔ وہ اپنے قلب میں پیدا ہونے والے اچھوتے خیال کو "بحر" کی لڑیوں میں بیان نہیں کر پائے گا۔ تو اس کی واردات قلبی حقیقی بیان سے محروم رہ جائے گی۔ گویا اندرونی واردات کو بیان کرنے کے لیے ظاہری طور پر الفاظ کے جوڑ توڑ کا ماہر ہونا بھی ضروری ہے۔ غالباً یہی وجہ تھی جس کی بناء پر علامہ اقبالؒ نے شاعر یا فنکار کو "خدائی کا رازدان" کہا تھا۔

آورد سے بڑھ کر ہم آمد تک تو پہنچ گئے۔ لیکن اب آمد کی تقسیم کار کیسے ہوگی۔ اگرچہ آمد سراسر واردات قلبی ہے۔ لیکن مختلف شعراء کی آمد میں فرق ہوتا ہے۔ بعض اشعار بہت بلند پایہ اور عالم لاہوت کو چھوتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں۔ جبکہ بعض اشعار ہوتے تو آمد کے ہی ہیں۔ لیکن محض مجازی محبوب کے لب ورخسار پر ہی ختم ہو جاتے ہیں۔ اس تقسیم کے لیے ادب کی زبان میں مجاز اور حقیقت کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔ اور یہی اس کی مناسب ترین درجہ بندی ہے۔ مجازی اشعار الہامی تو ہو سکتے ہیں۔ لیکن اپنی تاثیر کے حوالے سے دوامی نہیں ہو سکتے۔ اب رہ جاتے ہیں حقیقی یا حقیقت کے اشعار۔ غالباً اسی شاعری کو علامہ اقبالؒ نے اعلیٰ

شاعری کہہ کر پکارا ہے۔ میرے حافظے میں اس وقت ایک عجیب و غریب شعر ہے۔ جو سر تا سر الہامی اور آمد کا شعر تو ہے۔ لیکن اس کا ایک مصرع مجاز اور ایک حقیقت کے ساتھ منسلک ہے۔ دیکھیے!

وہاں میرے سوا سب کچھ ملے گا
یہاں اس کے سوا کچھ بھی نہیں ہے
(سید ساغر چشتی)

پہلا مصرع......وہاں میرے سوا سب کچھ ملے گا......مجاز کا مصرعہ ہے۔ ظاہر ہے شاعر یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ اللہ کے ہاں باقی سب کچھ ہے سوائے میرے۔ یقیناً شاعر نے یہ کہا ہے کہ میرے محبوب کے ہاں سب کچھ ہے۔ سوائے میرے۔ جبکہ دوسرے مصرعے میں شاعر نے.... یہاں اس کے سوا کچھ بھی نہیں ہے......... کہہ کر خالصتاً روحانی اور متصوف شعر کہا ہے۔ یقیناً شاعر یہی کہنا چاہتا ہے کہ میرے پاس اللہ کے سوا اور کچھ نہیں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ کیا ایک مصرعہ مجاز اور ایک حقیقت کا ہونے کے باعث اس شعر کا الہامی درجہ کم ہو جاتا ہے......یقیناً نہیں۔

فکر سے وجدان تک

پچھلے ابواب میں ہم نے ذکر کیا ہے کہ منشیات کے عادی لوگوں کی ایک بڑی تعداد حالتِ سکر میں (نشے کی حالت میں) یہ سمجھتی ہے کہ ان کا ربط روحانی دنیا کے ساتھ قائم ہو گیا ہے...... سکر کی حالت میں کسی مافوق الفطرت دنیا کے ساتھ ربط و اتصال کا تصور زمانہ قدیم سے آج تک جوں کا توں قائم ہے۔ حتیٰ کہ وہ لوگ جو نشہ نہیں کرتے۔ لیکن راہِ سلوک پر چلتے رہتے ہیں۔ ان کا رابطہ بھی جیسے ہی کسی ماورائی دنیا کے ساتھ قائم ہوتا ہے۔ ظاہری طور پہ

وہ بن پیئے ہی سکر کی حالت میں چلے جاتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ لاشعور کی دنیا ہو یا لاہوت کی۔ جب بھی انسان ان میں اترتا ہے، وہ ظاہری حواس کے حوالے سے سکر کی حالت میں چلا جاتا ہے۔ آپ عمل تنویم (ہپناٹزم) کو ہی لیجیے۔ جس وقت ہپناٹسٹ اپنے معمول کا تعلق اس کے لاشعور کے ساتھ قائم کرلیتا ہے۔ تو اس کا معمول خود بخود نشے کی حالت میں چلا جاتا ہے۔ اور بھاری بھرکم آواز میں اپنے لاشعور کے ہر منظر کو بیان کرتا ہے۔

رسالت مآبؐ کے زمانے میں ”ابن صیاد“ نامی ایک شخص جو مذہباً یہودی تھا۔ کسی نہ سمجھ میں آنے والی کیفیت میں مبتلا ہو جایا کرتا تھا۔ علامہ اقبالؒ نے اس شخص کے لیے ”وارفتۂ نفس“ کا لفظ استعمال کیا ہے۔ ابن صیاد بیٹھے بیٹھے کسی تشنج نما کیفیت میں مبتلا ہو جاتا تھا۔ اس کے حواس کا رابطہ ظاہری دنیا کے ساتھ منقطع ہو جاتا۔ اور اس کی زبان سے عجیب وغریب ہذیان زدہ الفاظ نکلنے لگتے تھے۔ رسول کریم ﷺ جو خود حقیقت سرمدیہ کا وصال حاصل کر چکے تھے۔ کیونکہ ابھی آپؐ کو نبوت نہیں ملی تھی۔ ....ابن صیاد کی حالت میں گہری دلچسپی لیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ آپؐ کسی درخت کی اوٹ میں کھڑے ہو کر ابن صیاد کی حالت سکر کا مشاہدہ کرتے رہے۔ یہاں تک کہ ابن صیاد کی ماں نے اسے ہلا جلا کر حالت سکر سے جگایا، اور حضورؐ کی موجودگی کے بارے میں بتا دیا۔ جس پر حضورؐ نے فرمایا کہ آج اس کی ماں اسے جگا نہ دیتی، تو مجھ پر اس کی حقیقت کھل جاتی۔

نبوت سے پہلے نبی کریمؐ پر بھی اللہ تعالیٰ کے اتصال کی مختلف کیفیتیں طاری ہوتی رہیں۔ عالم خواب میں تو خیر آپؐ حقیقت کو دیکھتے تھے۔ لیکن جب بیداری کے عالم میں آپؐ پر واردات قلبی طاری ہونے لگی۔ تو آپؐ پریشان ہو گئے۔ اور پھر جب قرآن حکیم کا نزول شروع ہوا........ تو آپؐ بہت زیادہ گھبرا گئے۔ حدیث شریف میں ہے کہ آپؐ سردی سے کپکپاتے ہوئے گھر آئے اور حضرت خدیجہؓ سے کہا کہ مجھے کمبل اوڑھا دیں۔ رسول کریمؐ اللہ

کے نبی اور رسول تھے۔ چنانچہ آپؐ کو تو روح القدس کے ذریعے اللہ کا پیغام پہنچتا تھا۔ لیکن ایک غیر نبی پر جب حقیقت کے راز آشکارا ہونے شروع ہوتے ہیں۔ تو اس کی حالت غیر ہو جاتی ہے۔ نبی، حقیقت کی ماہیت کو پورے یقین کے ساتھ دیکھ لیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کا ایک ایک لفظ آپؐ کے قلب پر اترا۔ تو آپؐ نے پورے یقین کے ساتھ اسے پیش کر دیا۔ اس کے برعکس کوئی صوفی، سالک، ولی یا شاعر خود اپنی قلبی واردات کو یقین کی نظر سے نہیں دیکھتا۔ وہ ہمیشہ اشارے کنایے یا استعارے کی صورت میں اپنی کیفیت کو بیان کرتا ہے۔

روحانی واردات ہر شخص پر طاری نہیں ہو سکتی۔ یہ بعض طبیعتوں کا خاصہ ہوتی ہے۔ کچھ وجوہات جنیاتی اور کچھ ماحولیاتی بھی ہوتی ہیں۔ یہ دراصل حواسِ خمسہ سے قطع تعلق کی ایک کیفیت ہے۔ آپؐ نے کسی مریض کو مرگی کا دورہ پڑتے ہوئے دیکھا ہوگا۔ اسی مثال سے آپ کو یہ پیچیدہ مضمون سمجھ میں آ سکتا ہے۔ ماہرین نفسیات کی تحقیق ہے کہ جب کسی مریض کو مرگی کا دورہ پڑتا ہے۔ تو اسے اپنے چاروں طرف بہت سے خطرناک لوگ دکھائی دیتے ہیں۔ جن کے ہاتھوں میں تلواریں اور دیگر اسلحہ ہوتا ہے۔ مرگی کے مریض کو یوں لگتا ہے کہ خطرناک لوگ اسے قتل کرنے آئے ہیں۔ لیکن جب مریض سے دورے کی کیفیت ہٹتی ہے۔ تو وہ کچھ وقت کے لیے بالکل لاغر ہو کر بے ہوش ہو جاتا ہے۔ اور پھر جب اس کی آنکھ کھلتی ہے۔ تو اسے سب کچھ بھول چکا ہوتا ہے۔ دیکھیے! مرگی کے مریض نے کوئی نشہ نہیں کیا۔ لیکن وہ حالت سکر میں چلا گیا۔ ڈاکٹروں کی رائے ہے کہ مرگی کی وجوہات ماں کے پیٹ میں یا پیدائش کے وقت سر پر چوٹ لگنے سے پیدا ہوتی ہیں۔ یہ بہت ادنیٰ درجے کی مثال تھی۔ اس مثال کا شاعرانہ یا صوفیانہ واردات کے ساتھ وہ تعلق نہیں۔ محض یہ بتانا مقصود تھا کہ حالت سکر میں باطن کی دنیا کے کرشمے دکھائی دینے لگتے ہیں۔ انبیاء کا معاملہ الگ ہے، انبیاء نہ تو کوئی نشہ کرتے ہیں۔ اور نہ ہی وہ مریض ہوتے ہیں۔ اس کے ثبوت کے لیے ہمیں ایک اہم بات سمجھنا ہوگی۔

دراصل حالتِ سکر میں جانے کے لیے اور اپنے باطن کے ساتھ رابطہ قائم کرنے کے لیے جس چیز کی بے حد ضرورت ہے۔ وہ ہے...... جسمانی احتیاجات، بھوک، پیاس اور سیکس وغیرہ سے بے پرواہی۔ اگر حواسِ خمسہ کی طلب کو منا دیا جائے۔ اور پھر مصنوعی حالت سکر یعنی نشہ کا سہارا لیا جائے۔ تو نشہ بھی قوت متخیلہ کو باطن (لاشعور) کے ساتھ منسلک کر دیتا ہے۔ گویا باطن کے ساتھ رابطہ کے وقت خارجی دنیا یعنی حواسِ خمسہ کا بوجھ ذہن کے لیے وہ رکاوٹ ہے۔ جو صاحب حال کو حقیقی روحانی کیفیت میں مبتلا ہونے سے روکتی ہے۔ اب ہم نبی کی کیفیت دیکھتے ہیں۔ فی الحقیقت نبی کا اپنے نفس پر اتنا قابو ہوتا ہے کہ زندگی کے کسی لمحے میں بھی اس کی جسمانی احتیاجات اس کے دل و دماغ پر قبضہ نہیں کر سکتیں۔ کھانا، پینا، سونا یا سیکس...... کبھی بھی نبی کے لیے مجبوری کا باعث نہیں بنتے۔ اور یہ تمام انبیاء کی زندگیوں سے ثابت ہے۔ خصوصاً سیکس کے حوالے سے "حضرت یوسف علیہ السلام" کے ضبطِ نفس کا ذکر قرآنِ حکیم نے بھی کیا ہے۔ انبیاء کی جسمانی احتیاجات کسی لمحے میں بھی انبیاء کی کمزوری نہیں ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ انہیں باطن کی دنیا میں جھانکنے کے لیے نہ تو نشے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور نہ ہی ان کے دماغ میں کوئی خلل ہوتا ہے۔ بلکہ وہ معاشرے کے سب سے زیادہ صاف ستھرے اور صحیح الدماغ لوگ ہوتے ہیں۔ چنانچہ جونہی وہ حقیقت سے رابطہ قائم کرنے کے لیے عبادت یا استغراق کو اپناتے ہیں۔ حقیقت اپنے چہرے سے نقاب ہٹائے ان کے سامنے آ کھڑی ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انبیاء کو معصوم کہا جاتا ہے۔

عام لوگ یعنی ہم تم، انبیاء جیسے نہیں ہوتے۔ ہماری جسمانی ضرورتیں ہماری مجبوریاں ہوتی ہیں۔ ہمارے حواسِ خمسہ کی طلب اور ہوس ہمارے نفس کی سب سے بڑی کمزوری ہوتی ہے۔ ہم تو خیر کچھ بھی نہیں۔ بڑے بڑے صوفیاء اور اولیاء جسمانی احتیاجات کے قبضے سے مکمل طور پر باہر نہیں نکل سکتے۔ انبیاء کا تو ہر لمحہ جسمانی احتیاجات سے بے پرواہی کا لمحہ

ہوتا ہے۔ لیکن صوفیاء کے ساتھ عام انسانوں کی نسبت تو کم، لیکن پھر بھی کافی حد تک جسمانی تقاضے لگے ہوتے ہیں۔ صوفیاء اور سالک عبادتیں اور ریاضتیں کر کر کے اور خود کو سیکس اور کھانے پینے سے دور رکھ کر فی الحقیقت اللہ کے ساتھ رابطہ قائم کرنا چاہتے ہیں۔ اللہ ہر انسان کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے۔ اور قلب گویا باطن میں ایک منور روح کی صورت موجود ہے۔ جونہی صوفی یا سالک قلب کی دنیا میں جھانکنے کا اہل ہوتا ہے۔ اسے اللہ کا نور دکھائی دینے لگتا ہے۔ لیکن اس کے جسمانی تقاضے ابھی اس کے ساتھ مربوط ہیں۔ چنانچہ وہ انبیاءؑ کی طرح بالکل واضح "نورِ مبین" تو نہیں دیکھ سکتا۔ البتہ اشارے کنایے یا استعارے کی صورت میں اسے بہت کچھ دکھائی دیتا ہے۔ قلب کی دنیا سے باہر آتے ہی وہ اپنی واردات کو سمجھنا اور بیان کرنا چاہتا ہے۔ چنانچہ اشارے کنایے یا استعارے نہ تو وہ پوری طرح سمجھ سکتا ہے۔ اور نہ ہی بیان کر سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صوفی کا الہام کبھی بھی وحی کے درجے تک نہیں پہنچ سکتا۔ لیکن انبیاء کے بعد صوفیاء ہی وہ لوگ ہیں۔ جو بغیر کسی نشے یا مرض کا شکار ہوئے حالتِ وجد میں چلے جاتے ہیں۔ اور حقیقت کے بعض پہلوؤں کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ ہم نے انبیاءؑ اور اولیاء کی حالت کو تو حالتِ وجد لکھا ہے۔ لیکن ہم شعراء کی حالت کو حالتِ وجد نہیں کہیں گے۔ یہ محض حالتِ سکر ہوتی ہے۔ وہ لوگ جو نشہ کرتے ہیں۔ نشے کی بدولت بے شک باطن میں جھانک سکتے ہیں۔ لیکن اس کے لیے شرط یہ ہے کہ ان کی تمام جسمانی احتیاجات عین اس وقت جب وہ نشے میں ہوں۔ ان کے قریب بھی نہ پھٹکیں۔ حالانکہ ایسا ہونا قریب قریب ناممکن ہے۔ یہ عین ممکن ہے کہ ایک شخص شراب بھی پیئے ہوئے ہو اور اس کے دل میں جنسی ہوس جنون یا غم جسمانی تقاضوں کا خیال نہ آئے۔ نشہ تو اس کے خیال کو اور بھی زیادہ قوت کے ساتھ جسمانی خواہشات کی طرف مائل کر دیتا ہے۔ ہاں! ایک ایسا شخص جو نشے کی حالت میں بھی حواسِ خمسہ کی لذتوں پر قابو پالے، ضرور باطن میں جھانک سکتا ہے۔

عام سطحی ذہن کے لوگ جب نشہ کرتے ہیں۔ تو ان کی جسمانی خواہشات سو فیصدی ان پر حاوی ہوجاتی ہیں۔ نتیجہ کیا نکلتا ہے.......شر، فساد، بغض، عناد اور جنس پرستی۔ دراصل عام لوگوں میں جنہیں ہم عوام کہتے ہیں۔ غوروفکر کرنے کی عادت ہی نہیں ہوتی، ارتقائی درجے میں وہ غوروفکر کرنے والوں سے بہت پیچھے ہیں۔ یہی لوگ ہیں۔ جو غوروفکر کیے بغیر عقائد کو قبول کرتے ہیں۔ اور اپنے مذہب میں کوئی سوال نہیں کرتے۔ ان کے عقیدے جن باتوں پر پختہ ہوتے ہیں۔ انہیں ان سے ہٹایا نہیں جاسکتا۔ ان کا ارتقاء جاری ہے۔ لیکن ان کے اپنے ارادے سے نہیں۔ بلکہ فطرت کے قوانین کی کی رو سے۔ لیکن وہ لوگ جو ارتقاء کے اگلے درجات میں ہیں۔ اور جنہیں قرآن حکیم......السّابِقُونَ السابقون......کہہ کر پکارتا ہے۔ غوروفکر کے ماہر ہوتے ہیں۔ یہ مظاہر فطرت پر غوروفکر کرتے ہیں۔ اور مظاہر فطرت سے انہیں اپنے باطن میں غوروفکر کی تحریک ملتی ہے۔ یہ بہت جلد اتنا سمجھ لیتے ہیں کہ جسمانی خواہشات کی اتباع سے نہ تو عقل کو ارتقاء ملتا ہے۔ اور نہ ہی کوئی روحانی منزل........چنانچہ یہ جسمانی خواہشات سے پرہیز شروع کردیتے ہیں۔ اب دیکھیے! جسمانی خواہشات سے پرہیز کوئی آسان کام تو نہیں۔ حدیث شریف میں تو اسے "جہاد اکبر" کہا گیا ہے۔ اس دنیا میں ہر انسان کے لیے طرح طرح کی روکاوٹیں ہیں۔ معاشرے میں رہتے ہوئے گھریلو زندگی، کاروبار، ملازمت، بیٹی یا بہن کی شادی، اولاد اور مال ومتاع۔ یہ سب اسی دنیا کی زینت اور لذتیں ہیں۔ قرآن حکیم نے بھی یہی کہا ہے۔ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا......اور راستہ تو ایک ہی ہے۔ جو اسی دنیا کے بیچوں بیچ گزرتا ہوا........اُس دنیا کی طرف چلا جاتا ہے۔ اس راستے سے گزر کر عقبیٰ کے راستے کی طرف بڑھنے والا مسافر جب اس حسین دنیا سے گزرتا ہے۔ تو دنیاوی چیزیں اس کے لیے روکاوٹ بن جاتی ہیں۔ چنانچہ بہت مشکل ہوتا ہے کہ وہ ان سے پرہیز کر سکے۔ دنیا کی ہر مادی چیز کا تعلق جسم سے ہے۔ جب ہم جسمانی خواہشات سے پرہیز کی بات کرتے ہیں۔ تو دراصل ہم انہیں اشیاء سے پرہیز کی بات کرتے ہیں۔ اس پرہیز کو قرآن کی زبان میں تقویٰ کہا گیا ہے۔ تقویٰ اختیار کرنے سے "تزکیہ" ملتا ہے۔ تزکیہ کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ ذہن تمام تر آلودگیوں سے پاک ہو۔ آپ جانتے ہیں کہ ذہن میں بے شمار آلودگیاں ہوتی ہیں۔ ان آلودگیوں کو ہم میڈیکل کی زبان میں ڈپریشنز کہتے ہیں۔ اولاد کا ڈپریشن، مال کا ڈپریشن، کاروبار کا ڈپریشن، بیوی اور ماں باپ کا ڈپریشن، جتنے مسائل اتنے ڈپریشن۔ یہ ڈپریشن وہ آلودگیاں ہیں جو ہمارے ذہن پر چھائی ہوئی ہیں۔ ان آلودگیوں سے چھٹکارا تزکیہ کہلاتا ہے۔ اور تزکیہ ہوجائے تو بندہ فلاح پا جاتا ہے.......قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى۔ تقویٰ اس عمل کا نام ہے۔ جس کے نتیجے میں تزکیہ ملتا ہے۔ جبکہ تزکیہ اس حالت کا نام ہے جو پاک صاف ہونے کے بعد......ذہن کی ہوجاتی ہے۔ لیکن ایک بات یاد رہے۔ تقویٰ اس وقت تک شروع ہی نہیں ہوسکتا۔ جب تک غوروفکر سے کام لینا شروع نہ کیا جائے۔ عقل، فکر، تدبر اور "تفقہ" یہ سب قرآنی اصطلاحات ہیں۔ اور اسی مقصد کے لیے وارد ہوئی ہیں۔ وہ عام لوگ جنہیں قرآن کریم غوروفکر کرنے کی دعوت دیتا رہتا ہے۔ ان میں سے جب کوئی غوروفکر آغاز کردیتا ہے۔ تو اس کا ارتقاء بالارادہ شروع ہوجاتا ہے۔

تزکیہ کی منزل تک پہنچتے پہنچتے غوروفکر کی عادت بہت بڑھ جاتی ہے۔ چنانچہ یہی غوروفکر تزکیہ کے مقام پر بالآخر وجدان بن جاتا ہے۔ کیونکہ تزکیہ کا مقام وہ مقام ہے جہاں کوئی مادی آلائش، کوئی جسمانی خواہش پریشان نہیں کرتی۔ دل ودماغ صاف ستھرے ہوتے ہیں۔ اور ہر عمل متوازن ہوجاتا ہے۔

لیکن بعض اوقات یوں بھی ہوتا ہے کہ ایسا شخص جو غوروفکر کا تو عادی ہے۔ اور تزکیہ کی منزل تک بھی پہنچنا چاہتا ہے۔ لیکن ابھی راستے میں ہے۔ اس کے لیے جسمانی خواہشات سے چھٹکارا حاصل کرنے کا عمل خاصا مشکل، وقت طلب اور صبر آزما ہوتا ہے۔ اسی مقام کو

میں "پل صراط" کہا کرتا ہوں۔ وہ راستے میں ہے۔ جگہ جگہ شامیانے لگے ہیں۔ اور جسمانی لذتوں کی بے پناہ دعوت موجود ہے۔ ایسے عالم میں وہ اکثر گھبرا جاتا ہے۔ کیونکہ غور و فکر کے بغیر بہت سے لوگ ایک ہی درجے میں پڑے ہوئے ہیں۔ اور ان کا ارتقاء بالارادہ شروع ہی نہیں ہوا۔ فطرت کے بہتے ہوئے ریلے میں وہ یہاں تک تو آ گئے۔ لیکن ابھی بیگانگیٔ ذات کے عالم سے نہیں نکل پائے۔ وہ ایسا تو نہیں۔ وہ تو غور و فکر کا عادی ہے۔ اور اس پل صراط پر سے گزرتے ہوئے اسے منزل تزکیہ تک پہنچنا ہے۔ لیکن وہ اپنے آس پاس شامیانوں کی ٹھنڈی چھاؤں میں سجے اور طشتریوں میں رکھے۔ ڈپریشنز کے انبار دیکھ کر بُری طرح خوفزدہ ہو جاتا ہے۔ وہ مال و دولت، اولاد، کاروبار، خاندان گویا ہر جسمانی خواہش سے چھٹکارا چاہتا ہے۔ ایسے عالم میں جب اسے کچھ اور بجھائی نہیں دیتا۔ تو وہ اپنی گھبراہٹ کا علاج یوں کرتا ہے کہ اپنے حلق میں شراب کا جام انڈیل دیتا ہے۔ اس کا خیال تھا کہ اسے سب کچھ بھول جائے گا۔ اور وہ اپنے غور و فکر کو ان آلائشوں سے بچا کر آگے سے آگے لے کر نکلتا چلا جائے گا۔ بعض اوقات یوں ہوتا بھی ہے۔ نشہ کرنے والا مفکر کچھ وقت کے لیے کامیابی کے ساتھ حسن کی حقیقی دنیا میں جا پہنچتا ہے۔ لیکن نشے کی بدولت فکر سے وجدان تک کی منزل بڑے مختصر وقت کے لیے ملتی ہے۔ اور پھر جونہی اس کی کوئی جسمانی خواہش سر اٹھاتی ہے۔ اس کی تخیلہ استغراق کی بجائے استفراغ (جسمانی خواہشات) پر مامور ہو جاتی ہے۔ اور پھر بجائے تقویٰ حاصل ہونے کے اُلٹا کام خراب ہونے لگتا ہے۔

تصریحات بالا سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حالتِ سکر میں صرف ان لوگوں کے لیے جو غور و فکر کر سکتے ہوں، حسن کی حقیقی دنیا کے ساتھ رابطے کے مختصر مواقع ہوتے ہیں۔ جو کبھی پائیدار نہیں ہو سکتے۔ حالتِ سکر شعراء کا خاصہ ہے۔ خاصہ ہی نہیں، بلکہ نادان خواہش۔ بالکل اس قدیم امریکی قبیلے کی طرح جو "ناگ پھنی" کی شراب پی کر وجدان حاصل

کرنا چاہتا ہے۔ "پنجاب" میں بھنگ پینے والے لوگوں کا قول .... پی ساوی تے رب نظر آوی..... مکمل طور پر غلط نہیں۔ وہ سپارکنگ جس کا ہم ذکر کر چکے ہیں۔ یعنی انتہائی مختصر وقت کے لیے استغراق کی کیفیت تو نشے سے ملتی ہے۔ اور کوئی غور کرنے والا ہو۔ تو بہت کچھ دکھائی بھی دیتا ہے۔ لیکن یہ سب عقبیٰ کے راستے پر چلنے کا حقیقی طریقہ نہیں۔ یہ طریقہ بالآخر مسافر کے راستے کی سب سے بڑی روکاوٹ بن جاتا ہے۔ بعض اوقات اتنی بڑی کہ اس سے آگے ایک قدم بھی اٹھانا ناممکن ہو جاتا ہے۔ زندگی کا مقصد تو ہے ارتقاء، جستجو، آگے سے آگے بڑھنے کی لگن۔ آخری حقیقت تک پہنچنے کا بے پناہ شوق، گویا عشق۔ ایک ذہن جو نشہ کا عادی ہو۔ آخر زندگی میں کتنے دن غور و فکر کر سکنے کا اہل رہے گا۔ نشہ اس کے دماغ کے خلیات کو کیمیائی طور پر ختم کر دے گا۔ جس کے بعد اس کے لیے نہ تو غور و فکر ممکن رہے گا۔ نہ آگے بڑھنا۔ اسے حقیقت کے جو جزوی حصے نظر آئیں گے۔ اسے مرتے وقت انہیں پر اکتفاء کرنا پڑے گا۔ بالفاظ دیگر اس کا ارتقاء رک جائے گا۔ میں "حافظِ شیراز" اور "غالبؔ" کو صوفی تو مانتا ہوں۔ لیکن ایک خاص مقام پر پہنچنے کے بعد......... رُکا ہوا صوفی مانتا ہوں۔ یہ دونوں نشہ کرتے تھے۔ حافظ شیراز، عمر خیام اور غالبؔ جیسے شعراء بے پناہ شراب پیتے تھے۔ ان کے غور و فکر نے انہیں یہ تو بتا دیا تھا کہ دنیائی آلائشیں غیر ضروری ہیں۔ اور سفرِ ارتقاء میں یہ آلائشیں حسین دھوکے ہیں۔ چنانچہ ان بڑے شعراء نے تقویٰ اختیار کرنا شروع تو کر دیا۔ جاہ و حشمت، مال و متاع اور آل اولاد کی حقیقت ان پر کھل گئی۔ یہ ہر چیز سے بے پرواہ ہو کر درویش تو ہو گئے۔ لیکن شراب جیسی بری آلائشیں ان کی دنیاوی زندگی کا حصہ بن گئیں۔ گویا شراب نے ہی راستے میں ان کا دامن پکڑ لیا۔ اور شراب ہی ان کے سفرِ ارتقاء کی روکاوٹ بن گئی۔ غالبؔ یا حافظ شیراز انہیں لوگوں میں سے ہیں۔ جن کے بارے میں ہم نے کہا تھا کہ یہ لوگ نشہ بھی کر لیتے ہیں۔ اور جسمانی خواہشات پر قابو بھی پا لیتے ہیں۔ ظاہر ہے ایسے لوگوں کو کسی حد تک نشے کی

اجازت تو مل جانی چاہیے تھی۔ لیکن اسلام نے قطعی طور پر ان کو بھی اجازت نہیں دی۔ اس کا مطلب ماسوائے اس کے اور کیا ہو سکتا ہے کہ اسلام کو سفر ارتقاء میں رک جانا بالکل پسند نہیں۔ ارتقاء کے بڑے مدارج ہیں۔ اور سب سے اونچے درجے پر رسول کریمؐ جلوہ افروز ہیں۔ اس درجے کا نام ''مقامِ محمود'' ہے۔ ہر شخص کو کم از کم کوشش تو کرنی چاہیے کہ وہ زندگی بھر سفر کرتا رہے۔ اور اگلے سے اگلے درجے پر پہنچنے کی تمنا کرے۔ راستے میں رک جانا اسلام کو پسند نہیں۔ لفظ ''جحیم'' کا مطلب ہے، روک دینے والی۔ قرآن حکیم رک جانے والوں کے بارے میں کہتا ہے کہ ہم نے انہیں جحیم میں ڈال دیا۔

چنانچہ یہ طے ہوا کہ فکر سے وجدان تک کا سفر تو نشے کی مدد سے طے کیا جا سکتا ہے۔ لیکن وجدان سے عرفان تک کبھی نہیں پہنچا جا سکتا۔

تصوف شاعری اور شراب

یہ مسائلِ تصوف، یہ ترا بیان غالبؔ
تجھے ہم ولی سمجھتے جو نہ بادہ خوار ہوتا

اسی شعر سے ظاہر ہے کہ تصوف، شاعری اور شراب کا کیسا تعلق ہو سکتا ہے۔

غالبؔ تصوف میں سرتاسر غرق تھے۔ لیکن شراب نوشی کی عادت نے انہیں یہ کہنے پر مجبور کر دیا...... کہ وہ ولی نہیں ہو سکتے۔ جب ہم تصوف اور شراب کا ذکر کرتے ہیں۔ تو عجیب سا محسوس ہوتا ہے۔ تصوف کی پاکیزگی اور تقدس کے ساتھ شراب کا ذکر ہی انوکھا سا محسوس ہوتا ہے۔ لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ شعراء میں ایسے بہت سے بڑے بڑے نام ہیں۔ جو شراب بھی بے پناہ پیتے تھے۔ اور رموزِ تصوف سے بھی پوری طرح آگاہ تھے۔ ''عبدالحمید عدمؔ'' کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ بہت زیادہ شراب پیتے تھے۔ ہر وقت نشے میں غرق رہتے۔ لیکن جب ہم ان کا کلام دیکھتے ہیں۔ تو بے پناہ حیرت سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ کیونکہ وہ بعض ایسی باتوں سے بھی آشنا تھے۔ جن سے بڑے بڑے صوفی بیسیوں سال کی تپسیا سے بھی آشنا نہیں ہو پاتے۔ جہاں تک حقیقت کی ماہیت کو سمجھنے کا تعلق ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ''عدمؔ'' بہت حد تک باخبر تھے۔ عدمؔ کی مندرجہ ذیل غزل دیکھیے۔ اور خود ہی فیصلہ کرکے بتائیے کہ یہ روحانیت یا معرفت کی کون سی منزل ہے۔

وہ باتیں تری وہ فسانے ترے
شگفتہ شگفتہ بہانے ترے
بس اک داغِ سجدہ مری کائنات
جبینیں تری آستانے ترے
ضمیرِ صدف میں کرن کا مقام
انوکھے انوکھے ٹھکانے ترے
بہار و خزاں کم نگاہوں کے وہم
برے یا بھلے سب زمانے ترے
دلوں کو جراحت کا لطف آگیا
لگے ٹھیک ایسے نشانے ترے
عدمؔ بھی ہے تیرا حکایت کدہ
کہاں تک گئے ہیں فسانے ترے

لیکن جب ہم عدمؔ کی مے نوشی کا عالم دیکھتے ہیں۔ تو اور بھی حیرت ہوتی ہے۔ اپنی مے خواری کے بارے میں عدمؔ کا خود کہنا ہے۔ کہ نہ جانے مے کشی بھی کیا چیز ہے .... کبھی کبھی تو یوں [illegible] ہے۔ ذرا ذرا سی حرکت...... میں بھی روحانیت کے جلوے دکھائی دیتے ہیں۔

سرورِ مے کشی کی کون سی منزل ہے یہ ساقی
کھنک ساغر کی آواز خدا معلوم ہوتی ہے

ماضی میں بھی بڑے بڑے شعراء مسائل تصوف اور روحانیت کے بہت زیادہ شائق ہونے کے باوجود شراب پیتے تھے۔ قرونِ وسطیٰ میں "عمر خیام" سے بڑا ریاضی دان نہیں گزرا۔ وہ ریاضی دان بھی تھا۔ ایک زبردست شاعر بھی۔ اور صوفی بھی۔ "ول ڈیوران" لکھتا ہے کہ "عمر خیام" الخوارزمی کی سطح سے بلند تھا۔ اور میکدے کا ایک بلانوش رند بھی۔ ایک طویل فہرست ہے۔ ان مسلمان شعراء کی جو ظہورِ اسلام کے بعد عرب میں پیدا ہوئے۔ اور جنہوں نے شراب کے ساتھ اپنی محبت کا اظہار اپنی شاعری میں جگہ جگہ کیا ان عرب شعراء کے چند نام درج ذیل ہیں۔

(1) اعشیٰ قیس
(2) لبید بن ربیعہ
(3) زید الخیل
(4) ابو محجن
(5) اخطل
(6) حماد عجرد
(7) ابو نواس
(8) صریع الغوانی

لیکن ایک بات طے ہے کہ اہلِ تصوف ایسے تمام شعراء کو جو شراب نوشی کے عادی تھے۔ صوفی نہیں مانتے۔ اور شاید یہی صحیح بات بھی ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ کیا ہم ہر اس شخص کو صوفی کہہ سکتے ہیں۔ جو محض اصطلاحاتِ تصوف سے آگاہ ہو۔ صرف رموزِ روحانیت سے واقف ہو۔ بالکل بھی نہیں۔ تصوف کا علم حاصل کرنا اور بات ہے۔ اور روحانی منازل یا مدارج طے کرنا یکسر اور بات ہے۔ "حافظِ شیراز ہو یا" "غالبؔ"۔ ہم ان کو عظیم شعراء تو مان سکتے ہیں۔ لیکن عظیم صوفی نہیں۔ صوفی کا سفرِ معرفت تا دمِ مرگ رکتا نہیں۔ جبکہ شراب غور و فکر کرنے والے شخص کو زیادہ سے زیادہ......کتنا آگے لے جا سکتی ہے؟۔ بالآخر اسے رکنا پڑتا ہے۔ اور جو رک جائے۔ وہ صوفی نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ تصوف کا شاعری کے ساتھ تعلق تو ہو سکتا ہے۔ لیکن شراب کے ساتھ نہیں۔

ہمارے ہاں بعض ناقدین ایسے شعراء کو جو شراب پیتے تھے۔ اور تصوف کی بات کرتے تھے۔ صوفی لکھ دیتے ہیں۔ یہ فی الحقیقت تصوف سے ناواقفیت کا ثبوت ہے۔ ایک بات یاد رہنی چاہیے کہ اسلام میں تصوف کا وہ معنی نہیں۔ جو ہندو ویدانت یا عیسائیت میں ہے۔ ان مذاہب میں ثنویت یعنی "دُوئی کا نظریہ" پایا جاتا ہے۔ ان کا تصوف سخت قسم کی بدنی ریاضتوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ جبکہ اسلام میں تصوف محض ملاقاتِ الٰہی کا ایک ذریعہ ہے۔ رسالت مآبؐ کی مطہر زندگی سے ثابت ہے کہ حضورؐ نے اپنی 63 سالہ حیات میں ایک مرتبہ بھی شراب نہیں پی۔ اب ہم کسی ایسے شخص کو صوفی کیونکر تسلیم کر لیں۔ جو رسول کریمؐ کی پیاری زندگی کے خلاف عمل کرتا ہو۔ اس پر مستزاد یہ ہے کہ شراب کو اسلام نے حرام قرار دیا ہے۔ چنانچہ ایسے تمام شعراء جو شراب پی کر روحانیت کی بات کرتے ہیں۔ اگر خود باطل یا گمراہ نہیں۔ تو کم از کم دوسروں کو گمراہ کرنیکا باعث ضرور ہیں۔

ایک اور اہم بات یہ ہے کہ اہلِ تصوف میں پایا جانے والا نظریہ "وحدتُ الوجود" سراسر غیر اسلامی نظریہ ہے۔ اسی کو علامہ اقبالؒ عجمی تصوف کہہ کر پکارتے ہیں۔ تصوف کا اصل نظریہ کیا ہے؟۔ یہ بات ہمارے موضوع سے خارج ہے۔ البتہ میرا ارادہ ہے کہ میں حضرتِ علامہ اقبالؒ کے فلسفۂ خودی کی روشنی میں تصوف، روحانیت، ارتقاءِ خودی، تخلیقِ آدم، آفرینش، خیر و شر، تقدیر، قیامت، جنت جہنم اور عشق کے موضوع پر جلد ہی قلم اٹھاؤں گا۔ میں نے اپنے اِس مسودے کا نام "آئینۂ اُدراک" تجویز کر رکھا ہے۔ یہ ترکیب میں نے حضرت علامہ اقبالؒ کے ایک شعر سے لی ہے۔ جس میں حضرت علامہؒ نے اپنے مقامِ روحانی کا ذکر کیا ہے۔ شعر یہ ہے۔

حادثہ وہ جو ابھی پردۂ افلاک میں ہے
عکس اس کا مرے آئینۂ اِدراک میں ہے

اور انشاءاللہ میں پوری وضاحت کے ساتھ یہ بیان کرنے کی کوشش کروں گا۔ کہ اسلامی تصوف اور عجمی تصوف میں کیا فرق ہے۔ اور "قلب" کی دنیا کیا ہوتی ہے۔ اور حسبِ سابق میرا یہ بھی ارادہ ہے کہ میں جو کچھ لکھوں۔ اس کی حقیقت یعنی لاجک (Logic)........ عقلی بنیادوں پر پوری طرح واضح کر سکوں۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے یہ عظیم اور نازک کام سرانجام دینے کی کماحقہٗ توفیق نصیب فرمائے۔ آمین

چنانچہ یہ طے ہوا کہ شراب یا بھنگ پی کر درویش یا صوفی ہونے کا دعویٰ مکمل طور پر باطل ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ایسے شعراء جنہیں ایک معتبر سند کی حیثیت حاصل ہے۔ خصوصاً غالبؔ وغیرہ۔ ایک عالم کو غلط فہمی کا شکار کر چکے ہیں۔ نتیجتاً آج تک ادیبوں اور شاعروں میں یہ باطل خیال چلا آ رہا ہے کہ جب تک شراب نہ پی جائے، مکمل شاعر یا ادیب نہیں بنا جا سکتا۔ ہمارے مشاعروں میں تو حد ہی ہو جاتی ہے۔ چھوٹے بڑے، بوڑھے، بے ریش باریش سب شعراء ہی فخر کے ساتھ شراب نوشی کرتے ہیں۔ اور اپنی اس قبیح حرکت کے جواز میں غالبؔ، فیضؔ اور عدمؔ جیسے شعراء کا حوالہ دیتے ہیں۔ فی زمانہ تو شاعری کی ایک الگ قسم متعارف ہو چکی ہے۔ جسے شرابی شاعری کا نام دیا جاتا ہے۔ یہ سلسلہ "عزیز میاں قوال" سے شروع ہوا۔ اور اس قدر مقبول ہوا کہ ہندوستان میں "پنکج اداس اور جگجیت سنگھ" جیسے گلوکاروں نے اسے اپنی پہچان ہی بنا لیا۔ یہی غلط فہمی کچھ اور آگے بڑھی تو شراب شاعری میں ایک جیتی جاگتی حقیقت کی حیثیت سے داخل ہو گئی۔ پہلے شاعری میں شراب........ صرف ایک استعارہ ہوا کرتی تھی۔ شاعر اگرچہ خود شراب پیتے بھی تھے۔ لیکن اشعار میں شراب کا ذکر ایک استعارے کے طور پر آیا کرتا تھا۔ لیکن اب باقاعدہ شرابی شاعری ہوتی ہے اور محبوب کی بجائے

صرف شراب کے گن گائے جاتے ہیں۔ عربی شاعری میں شراب کا ذکر حقیقت اور استعارہ دونوں حیثیتوں سے وارد ہوا ہے۔

بطور استعارہ شاعری میں شراب کا ذکر........ ماسوائے انگریزی ادب کے، دنیا کی ہر زبان میں زمانۂ قدیم سے ملتا ہے۔ لیکن زیادہ تر اس استعارے کو ترویج دینے والے عرب ہیں۔ اردو اور فارسی میں بھی اس کا ذکر کم وبیش عربی ہی کی وجہ سے موجود ہے۔ "شراب" کا استعارہ عموماً نشۂ عشق یا عشق کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ "جام پلانا" حسن کا دیدار کرنا۔ "میکدہ"....... دنیا کے لیے بھی، کوچۂ محبوب کے لیے بھی، اور محفلِ مرشد کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ "رند" یا "مے خوار" یہ وہ دیوانے ہیں۔ جو عشق کے مرض میں مبتلا ہیں۔ اور "ساقی"........... مرشد یا خود اللہ تعالیٰ کی ذات کا استعارہ ہے۔ شراب کو ایک استعارے کے طور پر استعمال کرنے کا رواج عربی اور فارسی کے بعد برِصغیر کی شاعری میں بہت زیادہ پایا جاتا ہے۔ بڑے بڑے اولیاء اور صوفیاء بھی، چاہے اُنہوں نے زندگی میں کبھی شراب کو ایک بار بھی نہ دیکھا ہو۔ لیکن اپنی شاعری میں شراب کو ایک اِستعارے کے طور پر بے دریغ استعمال کرتے ہیں۔ علامہ اقبالؒ نے اپنی اُردو اور فارسی شاعری میں بے شمار جگہ پر شراب کو ایک اِستعارے کے طور پر استعمال کیا ہے۔ اور یہ کوئی بری بات نہیں۔ بری بات تو یہ ہے کہ شراب کا اِستعارہ اس طرح استعمال کیا جائے کہ پڑھنے والے کے دل میں شراب پینے کا شوق پیدا ہو جائے۔ مثلاً عزیز میاں قوال نے اپنی قوالی........ "شرابی میں شرابی"....... میں جتنے بھی اِستعارے استعمال کیے ہیں۔ وہ ایک شراب نہ پینے والے انسان کے دل میں بھی شراب پینے کا ذوق وشوق پیدا کر دیتے ہیں۔ مثلاً:

جنت جو ملے لاکر میخانے میں رکھ دینا
"کوثر" کو میرے چھوٹے سے پیمانے میں رکھ دینا

میت نہ مری جاکر ویرانے میں رکھ دینا
پیمانے میں دفنا کر میخانے میں رکھ دینا

چنانچہ استعارے کا بے دریغ استعمال بھی کبھی شراب کی ترویج واشاعت کا باعث ہو جاتا ہے۔ اور پھر اہلِ تصوف کی تحریر وگفتار میں شراب کا اِستعارہ تو شعراء سے بھی زیادہ استعمال ہوتا ہے۔ مے وحدت اور نشہء عشق، اسی طرح ساغر ومینا اور بادہ وجام کے الفاظ کا استعمال معیوب بات نہیں۔ لیکن بے دریغ استعمال، اس کی تبلیغ واشاعت کا باعث بن سکتا ہے۔ ہماری نعتیہ شاعری بھی شراب کے ذکر سے خالی نہیں نبی کریمؐ کو ساقی اور مدینہ کو میخانہ کہتے ہوئے ہمارے شعراء ذرا بھی نہیں جھجھکتے۔ وہ جانتے ہیں کہ اس طرح کرنا کوئی جرم نہیں۔ اور یہ سچ بھی ہے۔

مدت کا پیاسا ہوں درِ مصطفویؐ سے
پینے کو ملے جام تو اک جام بہت ہے

عربی شاعری اور شراب

عربی میں "الساقی" کا لفظ اُس ساقی کے لیے استعمال نہیں ہوا جو میخانے میں شراب بانٹتا ہے۔ عربی میں الساقی شراب پلانے والے کو نہیں بلکہ پانی پلانے والے کو کہا جاتا ہے۔ اور "سقی" کے مادہ سے بننے والے تمام الفاظ پانی کے لیے ہی بولے جاتے ہیں۔ مثلاً نمازِ استسقاء اس نماز کو کہا جاتا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ سے بارش مانگنے کے لیے پڑھی جاتی ہے۔ لیکن بدنصیبی سے یہ لفظ جب فارسی اور اُردو شاعری کی زینت بنا تو صرف شراب پلانے والے کے لیے استعمال ہونے لگا۔ نبی کریمؐ ساقیِ کوثر تو ہیں۔ لیکن حوضِ کوثر کو کسی حدیث میں بھی شراب کا حوض نہیں کہا گیا۔ بلکہ میرے نزدیک ساقیِ کوثر کا صحیح مفہوم ہے: "الکوثر" یعنی

خیرِ کثیر بانٹنے والا۔ عربی شاعری میں فارسی اور اُردو کی طرح ساقی کا لفظ استعمال نہیں ہوا۔ اُردو میں زیادہ تر استعارے فارسی شاعری سے لیے گئے ہیں۔ اور یہ ثابت ہوتا ہے کہ فارسی شاعری میں شراب کا ذکر ع ' ، اور اُردو دونوں کی نسبت زیادہ ملتا ہے۔ ماضی میں زیادہ تر عرب شعراء شراب پیتے تھے۔ اور اپنے اَشعار میں شراب کا ذکر بھی کرتے تھے۔ ہم نے ایسے ہی چند شعراء کا ذکر زیرِ نظر باب میں مناسب سمجھا۔

اعشیٰ قیس

اعشیٰ قیس زمانہء رسالت مآبؐ میں ایک نابینا شاعر تھا۔ جس کی کنیت "ابو بصیر" تھی۔ صلح حدیبیہ میں نبی کریمؐ کی طرف آرہا تھا کہ ابوسفیان نے اسے روک کر پوچھا:

"تو یہاں کیوں آیا ہے؟"

وہ بولا:

"محمد مکیؐ کے پاس آیا ہوں۔"

ابوسفیان نے پھر پوچھا:

"لیکن محمدؐ.......تو شراب، زنا، اور جوئے کو حرام کہتا ہے۔"

وہ بولا:

"زنا، تو مجھے چھوڑ چکا ہے۔ گو میں نے اسے نہیں چھوڑا تھا۔ شراب میں بہت پی چکا ہوں۔ رہا جوا، تو شاید مجھے اس کا کوئی اچھا بدل مل جائے۔"

ابوسفیان بولا:

"کیا اس سے بہتر کچھ چاہتا ہے؟"

اعشیٰ قیس نے تجسس سے سوال کیا:

"وہ کیا؟"

ابوسفیان نے جواب دیا:

"ہمارے اور محمدؐ کے درمیان صلح ہے اس سال تو لوٹ جا۔ اور ایک سو سرخ اونٹنیاں لے جا۔ اگر محمدؐ فتح پا گیا۔ تو اس کے پاس چلے جانا۔ لیکن اگر ہم فتح پا گئے۔ تو پھر تمہارا بدلہ تو تمہیں مل ہی گیا ہے۔"

اعشیٰ قیس نے یہ سودا قبول کر لیا۔ ابوسفیان اسے گھر لے گیا۔ اور دوستوں کو جمع کر کے کہا:

"اے قریشیو! یہ اعشیٰ ہے اگر یہ محمدؐ کے پاس پہنچ گیا۔ تو سارے عرب کو تمہارے خلاف بھڑکا دے گا۔"

چنانچہ انہوں نے سو اونٹنیاں جمع کر دیں۔ اور وہ لے کر چلتا بنا۔ جب "یمامہ" کے قریب پہنچا۔ تو اونٹ سے گرا اور مر گیا۔ اعشیٰ ایرانی بادشاہوں کے پاس آتا جاتا تھا۔ اس کی شاعری میں فرسیت بہت ہے۔ اعشیٰ کی شاعری میں شراب کا ذکر اس طرح ہے:

؎ **تریک القذیٰ من دونھا وھی دونہٗ**

اذا ذاقھا من ذاقھا یتمطق

ترجمہ: وہ (شراب) تلچھٹ دکھائے گی اوپر...... حالانکہ وہ تلی میں ہے۔ جب چکھنے والا اسے چکھتا ہے۔ تو چٹخارے لیتا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ وہ اس قدر صاف شفاف ہے کہ تنکے اوپر ہیں۔ حالانکہ وہ نیچے تہہ میں ہے۔

؎ **ولقد تبا کرّنی علی لذّاتھا**

صھباء غالیة القذیٰ خرطوم

ترجمہ: مجھے صبح صبح اپنی لذتوں کے ساتھ سرخ تیز شراب ملی۔ جس کے تنکے اوپر ہیں۔

لبید بن ربیعہؓ

لبید بن ربیعہؓ نے زمانہ اسلام پایا۔ اور ایمان کی حالت میں وفات پائی۔ جب کبھی بادِ صباء چلتی۔ تو لبید بن ربیعہؓ ضیافت کا اہتمام کرتے۔ شراب سے متعلق ان کا شعر ہے:

؎ **تضمّن بیضاً کالاء وزّ ظروفھا**

اذا اتاقواء اعناقھا والحواصلا

ترجمہ: بطوں کی طرح شراب کے برتن انڈوں کو لیے ہوئے ہیں۔ جبکہ وہ اپنی گردنیں اور پوٹے بھر لیں۔

لبید پہلا شخص ہے جس نے صراحیوں کو بطخ کے ساتھ تشبیہ دی۔ ایک جگہ اس کے شعر کا ترجمہ ہے:

"چاندی کی صراحیاں ان کے پاس ایسے معلوم ہوتی ہیں۔ جیسے نہر کے کنارے ٹیڑھی چونچ والی بطخیں ٹہل رہی ہوں۔ وہ صراحیاں جن میں مکھن کی چکنائی تک نہیں۔ شراب کی صراحیوں پر ریشمی بندھن بندھا ہے۔ گویا کہ وہ مینڈکیوں کی گردنیں ہیں۔ جو رعد سے گھبرا گئیں۔"

النجاشی

"شعر العرب" کے مصنف نے لکھا ہے کہ "قیس بن عمر بن مالک نجاشی" کمزور ـمان تھا، فاسق تھا۔ ایک مرتبہ رمضان المبارک میں اس نے شراب پی لی۔ اور شراب کی تعریف کی۔ کہا:

"شراب ارغوانی ہے۔ جو دل کو خوش کر دے گی۔ ہڈیوں میں سرایت کر جائے گی۔ قوتِ جماع پیدا کرے گی۔ کلام کو سہل بنا دے گی۔"

وہ ایک گھر میں "ابو سماک" کے ساتھ بیٹھا شراب پی رہا تھا۔ جب دونوں مخمور ہو گئے۔ تو ایک دوسرے پر فخر کرنے لگے۔ دونوں کی آوازیں بلند ہو گئیں۔ ایک پڑوسی نے سن لیا۔ وہ حضرت علیؓ کے پاس چلا آیا۔ حضرت علیؓ نے دونوں کو بلا بھیجا۔ ابو سماک تو بھاگ گیا۔ لیکن نجاشی چلا آیا۔ حضرت علیؓ کے سامنے لایا گیا۔ تو آپؓ نے فرمایا:

"افسوس ہے کہ چھوٹے بچے تو روزہ سے ہیں۔ اور تو بے روزہ ہے۔"

چنانچہ حضرت علیؓ نے ستاسی کوڑے لگوائے۔ جس پر نجاشی نے پوچھا کہ یہ سات کوڑے زیادہ کیوں لگائے گئے اے ابوالحسن! آپؓ نے فرمایا یہ ماہ رمضان کی بے حرمتی کے ہیں۔

نجاشی کے بعد "شعر العرب" میں "زہیر بن جناب، عمرو بن کلثوم اور عامر ملاعب" کا ذکر آتا ہے۔ یہ تینوں شعراء اتنی شراب پیتے تھے کہ آخر وقت میں شراب پیتے پیتے ہی دنیا سے رخصت ہوئے۔

ابو محجنؓ

"ابو محجنؓ" بنو ثقیف سے ہے۔ شراب بہت پیتا تھا۔ سچا مسلمان اور مجاہد تھا۔ "جنگِ قادسیہ" کے دن جب "سعد بن ابی وقاصؓ" نے اسے شراب کے جرم میں گرفتار کیا۔ تو اس نے یہ شعر کہے:

"ترجمہ: کیا یہ بات غم کے لیے تھوڑی ہے کہ گھوڑے ہنکائے جاتے
ہیں۔ اور میں قید میں پڑا ہوں۔
جب کھڑا ہوتا ہوں تو لوہا آڑے آجاتا ہے۔ اور دروازے جن میں
آواز بھی سنائی نہیں دیتی۔ میں بڑے خاندان والا اور بھائیوں والا تھا۔
وہ مجھے تنہا چھوڑ گئے۔ اب میرا کوئی نہیں ہے۔"

ایک مرتبہ ابو محجنؓ کا بیٹا حضرت معاویہؓ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ تو آپؓ نے فرمایا۔ تیرا باپ وہی ہے جو یہ شعر کہتا ہے:

اذامت فادننّی الی اصل کرمۃٍ
تروّی عظامی بعد موتی عروقها
ولا فتنّی فی الفلاۃ فاننّی
اخاف اذامامت ان لااذوقها

"ترجمہ: مجھے میرے مرنے کے بعد انگور کی جڑ کے نیچے دفن کرنا۔ تا کہ اس کی نسیں میری ہڈیوں کو سیراب کرتی رہیں۔ مجھے جنگل میں نہ دفنانا۔ کیوں کہ مجھے ڈر ہے کہ اس طرح میں انگور سے محروم ہو جاؤں گا۔"

أخطل

أخطل ایک عیسائی نوجوان تھا۔ ایک مرتبہ "یزید اوّل" نے اسے بلا بھیجا۔ اور انصار مدینہ کی "ہجو" کا حکم دیا۔ تو أخطل نے اہل مدینہ کے خلاف أشعار کہے۔ نعمان بن بشیر انصاری نے أخطل کے اشعار سنے۔ تو "حضرت معاویہؓ" کے پاس شکایت لے گئے۔ حضرت معاویہؓ نے أخطل کو سزا دینی چاہی تو یزید نے أخطل کو معاف کرنے کی درخواست کی۔ أخطل غضب کے شعر کہتا تھا۔ اس کی تشبیہات بہت عمدہ ہوتی تھیں۔ مثلاً وہ محبوب کے بدن کی تعریف یوں کرتا ہے:

لذّ یقبلہ النعیم کاٴ نما
مسحت ترائبہ، بماءِ مذھب

ترجمہ: "وہ شیریں مقال، ایسا نازک اندام ہے۔ گویا اس کی پسلیوں میں سونے پانی بھرا ہے۔"

شراب کے بارے میں بھی اس کی تشبیہ بے مثال ہے۔ وہ کہتا ہے:

تدب دبیباً فی العظام کا نّھا
دبیب نمالٍ فی نقا یتھیّل

ترجمہ: "شراب ہڈیوں میں اس طرح دوڑتی ہے۔ جیسے چیونٹیاں گرتی ہوئی ریت کے ٹیلے پر چلتی ہیں۔"

ابوالہندی

وہ عبدالقدوس بن شیث، "بنی زید بن یربوع" سے ہے۔ بلانوش شرابی تھا۔ شراب کے بارے میں کہتا ہے:

ترجمہ: میں نے شراب، شراب والوں کے لیے چھوڑ دی۔ اب خالص پانی پیتا ہوں۔ کبھی میں شراب کا دلدادہ تھا۔ جیسے ایک نوجوان بھاری سرین (کولہے) والی لڑکی کو پسند کرتا ہے۔"

اس شعر کے عربی الفاظ یوں ہیں:

وقد کنت حیناً بھا معجباً
کعجب الغلام الفتاۃِ الرّداما

السّرادق

"سرادق ہذلی" زبردست شرابی تھا۔ ایک دن اس کی بیٹی ناراض ہو کر بولی...... اگر پینا اتنا ہی ضروری ہے۔ تو کھجور کی نبیذ پی لیا کر۔ تو اس نے یہ شعر کہے:

ترجمہ: "میری بیٹی کہتی ہے، شراب مت پیا کر۔ کوئی اور شراب پی لے۔ شرابیں تو بہت سی ہیں۔

میں نے کہا...... ایسی شراب کہاں سے لاؤں کہ پیوں تو ہڈیاں ڈھیلی ہو جائیں۔ کیا چھوہارے کی شراب پیوں؟ جو بدبودار اور نفاخ ہے۔ اور مشک جیسی شراب کو چھوڑ دوں۔ جو اگر بند صراحی میں بھی ہو تو اس کی خوشبو گھر کو معطر کر دیتی ہے۔ اور آدمی اُڑنے لگتا ہے۔

میں اس سے باز نہیں آسکتا۔ اگرچہ زمانہ بدل جائے۔"

ایک دن اُزدیوں کے قریب سے گزرا۔ تو سرادق کے پاؤں لڑکھڑائے۔ اُزدی کہنے لگے...... اُرے! یہ تو مدہوشوں کی سی چال ہے۔ جس پر سرادق نے یہ شعر کہے:

ترجمہ: "خدا کی پناہ! میں مدہوش نہیں ہوں۔ پاؤں تو بڑھاپے کی وجہ سے لڑکھڑاتے ہیں۔ جس نے زمانے کا سرد و گرم دیکھا ہے۔"

اِبنِ ہرمہ

ابنِ حرمہ خلج، قیس عیلان قبیلے سے ہے۔ قریشی تھا۔ بڑا شرابی تھا۔ ایک مرتبہ مدینہ منورہ کی پولیس نے ابن ہرمہ کو پکڑ کر شراب پینے کے جرم میں کوڑے لگائے۔ تو اُس نے اشعار کہے:

عققت اباک ذانشبِ و یسرِ
فلما افنت الدنیا اباکا

علقت عداوتی ٗ ھذی لعمری ٗ
لبات السرّ تلبسھا عراکا

جب منصور "والی" بنا تو ابن ہرمہ اس کے پاس گیا۔ اور اس کی مدح کی۔ منصور کو ابنِ ہرمہ کے اشعار پسند آئے۔ اور اُس نے کہا:...... مانگ کیا مانگتا ہے؟ ابنِ ہرمہ نے

کہا...... "والیٔ مدینہ کو لکھ دیجئے کہ وہ مجھے شراب خوری کے جرم میں کوڑے نہ لگائے۔" منصور نے جواب دیا...... "یہ تو حدودُ اللہ میں سے ہے۔ میں اسے کیسے معطل کر سکتا ہوں۔"

یہ سن کر ابنِ ہرمہ کہا........ "آپ میرے لیے کوئی حیلہ کیجیے"۔ اس پر منصور نے والیٔ مدینہ کو عجیب وغریب مضمون کی چٹھی لکھی۔ اس نے لکھا:

"ابنِ ہرمہ کو شراب خوری کے جرم میں اَسّی کوڑے لگانا۔ لیکن جو کوئی شخص ابنِ ہرمہ کو تیرے پاس نشے کی حالت میں لائے۔ اُسے سو کوڑے لگانا۔"

چنانچہ جب لوگ اُس کو نشے کی حالت میں دیکھتے۔ تو کہتے...... "میاں! اَسّی کے بدلے سو کون خریدے۔"

کتے کے بارے میں ابنِ ہرمہ کا یہ شعر بہت مقبول ہے۔

یکادا ذاما البصر الضَیف مقبلاً
یکلّمہ من حبّہ وھوا عجم

ترجمہ: جب وہ مہمان کو آتے دیکھتا ہے۔ تو محبت کی بناء پر اُس سے بولنا چاہتا ہے۔
مگر کیا کیا جائے کہ وہ بے زبان ہے۔"

مالک بن اَسماء

مالک بن اَسماء کے اَشعار یہ ہیں:

ترجمہ: "تل بونا میں کتنا اچھا دن گزرا
جب ہم شراب پی رہے اور گانا سن رہے تھے۔
شراب خون کی طرح سرخ تھی۔
جو جوانوں اور بوڑھوں کو لڑکھڑا دیتی تھی۔

جدھر جام چلتا اُدھر ہم گھوم جاتے۔
ناواقف سمجھتے کہ ہم مجنوں ہو گئے ہیں۔
ہم خوشبودار عورتوں کے پاس سے گزرے۔
اور مجلسِ شراب وغناء سے تو ہم اُتر پڑے۔"

اَبونواس

"اَبونواس اَبوالحسن بن ہانی" عربی کا مشہور شاعر ہے۔ "شعر العرب" میں "اَبونواس" کا تفصیلی ذکر موجود ہے۔ اُسکے یہ شعر دیکھیے!

ترجمہ: "کیا تو نے نہیں دیکھا کہ سورج برج حمل میں اُتر آیا ہے۔
اور زمانہ معتدل ہو گیا ہے۔
اور بے زبان ہو کر بھی پرندے گاتے ہیں۔
اور شراب پر پورا سال گزر چکا ہے۔"

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اس کی مراد شراب پر پورا سال گزرنے سے...... ٹہنیوں سے پانی جاری ہونا ہے۔ اِس پانی کو اُس نے شراب قرار دیا ہے۔ کیونکہ یہی انگور بنا۔ اور نچوڑا گیا۔ یہ قول تب دُرست ہو سکتا ہے کہ شاخوں میں سورج کے برج حمل میں آنے سے بہت پہلے جاری نہ ہو چکا ہو........ "شعر العرب" کے مصنف کے نزدیک "حولھا" کی ضمیر سورج کی طرف لوٹتی ہے، شراب کی طرف نہیں۔ گویا شراب نے شمسی سال پورا کر لیا۔ مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اَفلاک ونجوم پیدا کیے۔ حالانکہ سورج راء س الحمل میں تھا........ سورج جب کبھی برج حمل میں آتا ہے۔ تو سال گزر چکتا ہے۔ یعنی شراب نے شمسی سال پورا کر لیا۔ اگرچہ وہ خود اَبھی سال بھر کی نہیں ہوئی۔ مطلب یہ ہے کہ شراب اُس وقت اچھی لگتی جب زمانہ معتدل

ہوتا ہے۔ کلیاں کھل جاتی ہیں۔ پانی بہنے لگتا ہے۔ اور پرندے شاخوں پر گیت گانے لگتے ہیں۔ بالفاظِ دیگر بہار آ جاتی ہے۔ اَبونواس ماہر علم نجوم بھی تھا۔ یہ شعر اسی کی دلیل ہے۔ اس کا یہ شعر بھی شراب کی تعریف میں ہے:

ترجمہ: "شراب خوشبو دینے لگتی ہے۔ اور تیری شب تاریک کھلنے لگتی ہے۔ شراب اُس وقت پسند کرلی گئی تھی۔ جبکہ ستارے اَبھی حرکت میں نہ آئے تھے۔"

اس سے مراد یہ ہے کہ شراب بہت برگزیدہ ہے۔ اُس وقت سے کہ جب سے اللہ تعالیٰ نے فلک کو پیدا کیا۔

ایک جگہ اَبونواس نے شراب کے حق میں بہت خوبصورت اشعار کہے:

جکان جوابه ان قال صبحٌ
ولا صبح سوىٰ ضوءِ العقارِ
وقام الى العقاء فسدّ فاها
فعاد الليل مصبوغ الازارِ

ترجمہ: "وہ بولا صبح؟؟......صبح تو سوائے شراب کی روشنی کے اور کیا ہو سکتی ہے۔ وہ اٹھا اور اس نے شراب کو بند کردیا۔ تو جیسے رات ہوگئی۔"

اَبونواس شراب کی بہت تعریف کرتا ہے۔ شراب کے بارے میں کہتا ہے۔

ترجمہ: "گویا اُس کے اِردگرد یاقوت دَھرے ہیں۔ اور نیلی آنکھوں والی بلیاں آنکھیں چمکا رہی ہیں۔ میں نے اُنڈیلی......اور رات تاریک تھی۔ تو وہ اَندھیرے کے تارے کی طرح بہنے لگی۔"

ایک جگہ وہ کہتا ہے......"شراب جب چھنتی ہے۔ اور چھلنی سے دھارے نکلتے ہیں۔ تو وہ دھارے نہیں ہوتے۔ بلکہ سونے کی رگیں ہوتی ہیں۔ جو اُنگلیوں کی طرح پھوٹتی

ہیں۔"......وہ کہتا ہے......"جب پینے والا پیتا ہے۔ تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ستارے کو چوم رہا ہے۔ وہ جس گھر میں ہوتی ہے۔ وہاں مشرق ہوتی ہے۔ اور جہاں نہیں ہوتی۔ وہاں مغرب ہوتی ہے۔"......اَبونواس جام کی بڑی خوبصورت تصویر کھینچتا ہے:

"زرّیں جام میں شراب کا دَور چل رہا ہے۔
جن میں اِیرانیوں نے طرح طرح کی تصویریں بنائی ہیں۔
اُن کی تہہ میں کسریٰ ہے اور اَطراف میں
نیل گائیں۔ جنھیں کمانوں سے شکار کر رہے ہیں۔
شراب لبالب بھری ہے۔ اور پانی اُوپر ڈالا گیا ہے۔"

اسی طرح یہ شعر:

"وہ نتھری ہوئی جام کے پیندے میں اُتری۔
جس کی تہہ اور اَطراف میں مینا کاری ہے۔
کسریٰ کی سواری کے گرد فارس کے لوگ
چھوٹی چھوٹی قبائیں پہنے اور عصا لیے ہوئے ہیں۔"

پھر اس کا یہ مضمون دیکھیے!

"ایک ایسی شراب جو معشوق کے عاشق کی طرف مسکراتی نگاہوں سے دیکھنے سے زیادہ لذیذ ہے۔"

پھر کہتا ہے:

"شراب پاک ہے۔ مگر لطف
ندیموں کے حسن اخلاق سے آتا ہے۔
پھر جب تم گمراہی سے نکل جاؤ۔ تو یہ لکھنا

اللہ کے لیے ہونا چاہیے۔ مخلوق کے لیے نہیں۔"

پھر یوں کہا:

"آج میں نڈر ہو کر پیؤں گا۔
نہ خدا کا خوف ہے نہ طفیلی پن کا۔"

اسی طرح اس کا یہ شعر:

"اُس پر کئی زمانے گزر گئے
برسہا برس سے یہ مٹکے میں ہے
لوگ اس کے وارث ہوتے چلے آئے
اور بیٹوں کے بیٹے وارث ہوتے ہیں"

ایک مرتبہ جب بنو اَسد نے اُبو نواس کے باپ کو قتل کر دیا۔ تو اس نے قسم کھائی کہ وہ اس وقت تک شراب نہیں پیے گا۔ جب تک کہ بدلہ نہ لے لے۔ چنانچہ جب وہ بدلہ لینے میں کامیاب ہو گیا۔ تو اس نے یہ شعر کہا:

"میرے لیے شراب حلال ہو گئی
ورنہ میں ایک بڑے کام کی وجہ سے اسے منہ نہ لگاتا تھا۔"

اسی طرح ایک مرتبہ اُبو نواس نے قسم کھالی کہ اس وقت تک شراب نہ پیوں گا۔ جب تک اپنے محبوب کو نہ پالوں۔ اور پھر جب وہ کامیاب ہوا۔ تو اس نے خود پر شراب حلال ہونے کی پوری غزل کہی۔"

صریع اَلغوانی

شراب کے بارے میں "صریع اَلغوانی" کہتا ہے:

"وہ پرانے پن سے پتلی کی گئی۔ پھر پتلی کی گئی
پانی کے ملنے سے جام پر موتیوں کا ہار بن گیا
جیسے سر پر تاج ہوتا ہے
وہ قتل کر دی گئی۔ ساقی نے تیزی سے پینی چاہی
وہ خود نہیں مری مگر اسے مار ڈالا۔"

پھر کہتا ہے:

"ہماری صراحی کی گردن ہرنی کی گردن جیسی ہے
اور ساقی کی آنکھیں ہرنی کی آنکھوں جیسی ہیں
آنکھوں سے وہ عشق میں مے پلاتا ہے
اور ہاتھوں سے شراب
اے دوستو! اگر تم مجھے شراب پلانا چاہتے ہو
تو اسے بالکل قتل نہ کرنا۔ کیونکہ ہر قتل حرام ہے
ہم نے انگور کے خون کو اپنے خون کے ساتھ ملا دیا
تو سرخ سرخ میں سرخ سرخ مل گیا
اگر شراب کے علاوہ کچھ پلانا چاہتی ہے تو پلا!
ایک جام اپنے منہ سے جو شراب سے زیادہ لذیذ اور شافی ہے
تیری آنکھیں شراب ہیں، تیری باتیں ریحان ہیں۔"

عربی شاعری شراب کے ذکر سے لبریز ہے۔ اور اس کا کم و بیش اثر تمام زبانوں پر ہے۔ عربوں نے تقریباً دنیا کی تمام تہذیبوں پر گہرے اثرات مرتب کیے۔ لیکن ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ عربی شاعری اسلامی شاعری کی نمائندہ ہے۔

عربی کے متفرق اَشعار

ـ رق الزّجاج ورقّت الخمر
فتشا بها ، فتشا کل الامر

ترجمہ: ”آئینے کی آبداری اور شراب کی آبداری میں اس قدر مشابہت پیدا ہوگئی کہ دل کی دنیا اُتھل پتھل ہوکر رہ گئی ہے۔“ (اَبونواس)

ـ الافاسقنی خمراً، وقل هی الخمر
ولا تسقنی سراً فقد امکن الجهر

ترجمہ: ”مجھے شراب پلا اور یہ کہہ کر پلا کہ یہ شراب ہے۔ مجھے شراب چھپا کر نہ پلا۔ کیونکہ اب کھل کر پینا ممکن ہوگیا ہے۔“ (اَبونواس)

ـ فداویت من لیلیٰ بلیلیٰ عن الهویٰ
کما یتداوی شارب الخمر بالخمر

ترجمہ: ”محبت میں میرے لیے غمِ فرقتِ لیلیٰ کا علاج وصالِ لیلیٰ میں ہی ہے۔ جس طرح ایک شراب پینے والا اپنی تسکین کا سامان شراب سے حاصل کرتا ہے۔“ (نامعلوم)

ـ ولقد شربت ثمانیاً وثمانیاً
وثمان عشرة واثنتین واربعا
من قهوة باتت بفارس صفوة
تدع الفتیٰ ملِکاً یمیل مصرّعا

ترجمہ: ”میں نے پیے آٹھ آٹھ جام، اَٹھارہ اور چار (یعنی بہت سے) فارس کی صاف شراب کے، جو انسان کو نشے سے بادشاہ بنا دیتی ہے۔“ (اَعشیٰ قیس)

ـ ظلّت حمیّا الکاس تبسطنا
حتیٰ تهتّک بیننا الستر

ترجمہ: ”شراب کی تیزی ہمیں بے تکلف کرتی رہی۔ یہاں تک کہ سب پردے اُٹھ گئے۔“

فارسی شاعری اور شراب

فارسی، دنیا کی خوبصورت ترین زبان ہے۔ اور فارسی شاعری دنیا کی خوبصورت ترین شاعری ہے۔ دراصل فارس یعنی ایران کی تہذیب نہ صرف بہت زیادہ قدیم ہے۔ بلکہ یونان اور فلسطین کی طرح یہاں بھی بڑے بڑے دانا اور برگزیدہ انسان پیدا ہوتے رہے۔ اس قدامت کا بہت زیادہ اثر کم وبیش آج بھی موجود ہے۔

پھر جب حضرت عمرؓ نے ایران فتح کیا۔ تو کسریٰ کی بادشاہت کا خاتمہ ہوا۔ اور اسلامی حکومتوں کا سلسلہ شروع ہوا۔ ابو مسلم خراسانی (ایرانی) کے انقلاب کے بعد خلافت بنوامیہ کا خاتمہ ہوگیا۔ اور خلافت بنوعباس کا آغاز .... یہی دور ہے۔ جب اسلام میں عجمی تصورات داخل ہونا شروع ہوئے۔ خلافت بنوعباس میں ”البرامکہ“ کا کردار تاریخ کے کسی طالب علم سے پوشیدہ نہیں۔ دراصل ایرانیوں نے اپنی قدیم بادشاہت کے خاتمے کا انتقام مسلمانوں سے یوں لیا۔ کہ انہوں نے اسلام میں عجمی تصورات داخل کر کے دین اسلام کا نقشہ ہی بدل دیا۔ بقول اقبالؒ:

ـ تصوف، تمدن، شریعت، کلام
بتان عجم کے پجاری تمام

خلافت عثمانیہ کے زمانے سے فارسی، بلادِ اسلامیہ کی بین الاقوامی زبان بن گئی۔ اور عرب وعجم حتیٰ کہ یورپ میں بھی فارسی اشعار بے دریغ کہے جانے لگے۔ آلِ عثمان جو بنیادی طور پر ترک تھے، فارسی شاعری کے ساتھ گہرا شغف رکھتے تھے۔ ہندوستان میں پہلا مسلمان

فاتح عرب نوجوان "محمد بن قاسمؒ" تھا۔ جس کی بدولت ہندوستان میں عربی داخل ہوئی۔ لیکن بعد ازاں ہندوستان میں پے در پے فارسی بولنے والے مسلمان فاتحین داخل ہوئے۔ جن کی بدولت ہندوستان میں فارسی کو بے پناہ فروغ ملا۔ "سلطان محمود غزنوی" وہ پہلا مسلمان تھا۔ جس نے ہندوستان میں فارسی ادب اور شاعری کے فروغ کے لیے باقاعدہ احکامات جاری کیے۔ ہندوستان میں فارسی کی ترویج اور نشوونما کا اصل سہرا ان مسلمان صوفیاء کے سر جاتا ہے۔ جو خراسانی علاقوں (افغانستان، ایران) سے ہندوستان میں وقتاً فوقتاً وارد ہوتے رہے۔ ان میں زیادہ تر صوفیاء خود شاعر تھے۔ مختصر یہ کہ ہندوستان میں ایک وقت وہ بھی آیا۔ جب ہندوستان کی شاہی زبان فارسی، سرکاری زبان فارسی، تعلیمی زبان فارسی حتیٰ کہ عوامی زبان بھی فارسی بن گئی۔ اس دور میں سب سے نمایاں "جلال الدین محمد اکبر" یعنی "مغلِ اعظم" کا دربار تھا۔ جس میں "ملا مبارک ناگوری" اور اس کے دونوں بیٹے "ابوالفضل اور فیضی" کے نام نمایاں ہیں۔ "عرفی" بھی اسی دور کا فارسی شاعر ہے۔ اور "ملا عبدالقادر بدایونی" جیسا عظیم مؤرخ بھی، اسی دور کا شاہکار تھا۔ "حضرت مجدد الف ثانیؒ" کو بھی اللہ تعالیٰ نے اسی دور میں "بروقت خبردار" کیا تھا۔

اردو زبان فی الحقیقت مغلِ اعظم کے دور میں ہی ہندی سے الگ ہونا شروع ہوئی تھی۔ دراصل فارسی اور عربی کا ہندوستان میں داخلہ ہی اردو کی بنیاد تھا۔ ہندی جملے کے ڈھانچے میں فارسی اور عربی داخل ہوئی تو اردو بن گئی۔ یا یوں کہیے کہ...... ہندی زبان نے مشرف بہ اسلام ہو کر اردو کا رنگ اختیار کر لیا۔ دراصل اسی بناوٹ کا جملہ حضرت علامہ اقبالؒ قوالی کے بارے میں فرمایا کرتے تھے۔ آپؒ کا کہنا تھا کہ ہندی موسیقی نے مشرف بہ اسلام ہو کر قوالی کا رنگ اختیار کر لیا۔

فارسی شعراء میں فردوسی، عرفی، سعدی، شیرازی اور عمر خیام کے نام سرِ فہرست لیے جاتے ہیں۔

"اسد اللہ خان غالبؔ اور علامہ اقبالؒ" نے عظیم فارسی شعراء کی اس فہرست میں شامل ہو کر فارسی شاعری کو چار چاند لگا دیے۔ میری ذاتی رائے یہ ہے کہ جس زبان میں عربی کے بعد سب سے زیادہ شاعری کی گئی، وہ فارسی ہے۔

فارسی کی تقریباً تمام شاعری شراب سے لبریز ہے۔ اگر ہم ساغر و مینا، جام و سبو، مے ناب اور میکدے کو فارسی شاعری سے نکال دیں۔ تو شاید فارسی شاعری کی ایک غزل بھی نہ بچ سکے۔ چنانچہ ہم نے محض اسی قدر شعراء اور شاعری کے ذکر پر اکتفا کیا ہے۔ جس قدر ہم محسوس کرتے ہیں کہ قاری کے لیے بوجھ یا بوریت کا باعث نہ ہوگا۔ سب سے پہلے ہم نے "حافظِ شیراز" کا ذکر ضروری سمجھا ہے۔ کیونکہ "حافظِ شیراز" خود شراب کے دلدادہ تھے۔ اور ان کی شاعری ان کی بلانوشی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ اگرچہ دیوانِ حافظ کے اردو ناشر نے "حافظِ شیراز" کو مندرجہ ذیل الفاظ سے یاد کیا ہے:

"آپ کلام مجید کے حافظ، فارسی ادب و تصوف کے عظیم شاعر، ولی اللہ، عالم، فقیہ اور زاہد تھے۔"

لیکن یہ بھی سچ ہے کہ "حافظ" بے پناہ شراب پیتے تھے۔

حافظِ شیراز

حافظؔ کا نام "شمس الدین" تھا۔ ان کے والد "بہاؤ الدین اصفہانی" تھے۔ اور "اتابکوں" کے عہد حکومت میں "شیراز" تشریف لائے تھے۔ پھر مستقل رہائش اختیار کر لی۔ حافظؔ اپنے تین بھائیوں میں سب سے چھوٹے تھے۔ باپ کی وفات کے بعد جب دونوں بڑے بھائی حافظ کو چھوڑ کر چلے گئے۔ تو ماں نے افلاس سے مجبور ہو کر انہیں محلّہ کے ایک شخص کے سپرد کر دیا۔ حافظ کو اس کے طور اطوار پسند نہ آئے۔ اور وہ خمیر گری کا پیشہ کرنے لگے۔ آہستہ آہستہ انہوں

نے قرآن حفظ کر لیا۔ بیس برس کی عمر میں ہی شعر گوئی میں اتنے مشہور ہو گئے کہ اپنے وقت کے سلاطین کی توجہ حاصل کر لی۔ حافظ نے جو عہد دیکھا۔ وہ ترک میں سلطان "بایزید یلدرم" اور ایشیا میں "امیر تیمور" کا زمانہ تھا۔ حافظؔ کا کلام ان کی وفات کے بعد 791 ہجری میں مرتب کیا گیا۔ "جناب کوثر چاند پوری" کے بقول:

> "حافظ لسان الغیب ہیں۔ ان کے اشعار میں ایک ایسا خدائی جذبہ موجود ہے۔ جو آئندہ واقعات کی خبر دیتا ہے۔ ان کی شراب جس کا وہ بہت زور شور سے ذکر کرتے ہیں۔ معرفت کی شراب ہے۔ اسی طرح ان کا محبوب بھی اس دنیا کا باشندہ نہیں۔ وہ ایک ایسا ماورائی وجود ہے۔ جس کو پیغمبرانہ صلاحیتیں ودیعت کی گئی ہیں۔ کچھ ایسے اربابِ علم بھی ہیں۔ جو حافظ کو رندِ لم یزل سمجھتے ہیں۔ "علامہ شبلی" تسلیم کرتے ہیں کہ حافظ پر رندی و سرمستی کا جذبہ غالب تھا۔ جس کو وہ نہایت ہی جوش و خروش کے ساتھ ظاہر کرتے تھے۔ وہ ان کی سرمستی پر ہی اپنے اظہارِ خیال کی بنیاد رکھتے ہیں۔ جو شرابِ معرفت اور شرابِ انگور دونوں سے پیدا ہو سکتی ہے۔"

حافظ کے عقیدت مندوں کا خیال ہے کہ حافظ کے کلام میں تمام شرابی اشعار کی تاویل کی جا سکتی ہے۔ لیکن در حقیقت یہ تمام تاویلیں محض تاویلیں ہی رہیں گی۔ حافظؔ کے کلام میں موجود مجازی معانی کو نہ بدل سکیں گے۔ مثلاً مندرجہ ذیل شعر دیکھیے:

؎ مئے دوسالہ و محبوب چاردہ سالہ
ہمیں بس است مرا صحبتِ صغیر و کبیر

ترجمہ: "دوسالہ پرانی شراب اور چودہ سالہ نوعمر محبوب (لڑکا)…… بڑوں چھوٹوں کی صحبت میں میرے لیے یہ دونوں ہی کافی ہیں۔"

کوثر چاند پوری صاحب کے بقول:

> "محبوبِ چاردہ سالہ کا خطاب کسی ایسے نوخیز …… اَمرد …… کے لیے ہے۔ جس پر ایرانی شعراء ہمیشہ سے ہوش و حواس نثار کرتے آئے ہیں۔ فارسی شاعری میں اکثر ایسی مثالیں ملتی ہیں۔ مثلاً "شاہ طہماسپ" کے دربار میں "جلال الدین" بحیثیت طبیب ملازم تھا۔ اور بادشاہ اسے دیکھ کر کہا کرتا تھا:
>
> ؎ خوش طبیبے است بیا تا ہمہ بیمار شویم
>
> اسی طرح "بیرم خان ترکمان" کی زبانی حسین و جمیل امردوں (نوعمر لڑکوں) کی تعریف بھی ملتی ہے۔ شہنشاہ بابر کی بھی یہی کیفیت تھی۔"

اسے شاہد بازی بھی کہتے ہیں۔ اور "لونڈا" بازی بھی، چاند پوری کے بقول…… شیخ سعدی کے کلام میں بھی اس کی پرچھائیاں ملتی ہیں۔ یہی بیماری اردو کے بہت سے شاعروں کو فارس کی طرف سے ورثے میں ملی ہے۔ "میرؔ اور غالبؔ" بھی اس بیماری سے خود کو نہیں بچا پائے۔ حافظ بہر حال انسان تھے۔ اور انہوں نے ایران جیسے ملک میں آنکھ کھولی تھی۔ جہاں شراب اور شاہد بازی اپنی اصل صورت اور معنی میں تسکین ذوق کا باعث سمجھی جاتی تھی۔ چاند پوری لکھتے ہیں:

> "اگر حافظ نے ایسا کیا تو یہ کوئی سماجی جرم نہیں۔ جسے چھپانے کی کوشش کی جائے۔ انسان اپنے سماج ہی کا پروردہ ہوتا ہے۔ وہ اس کی بہت سی خصوصیات اپنے اندر جذب کرتا ہے۔ یہی دنیا کا اصول ہے۔ لیکن ان عقیدت کیشوں پر حیرت ہوتی ہے۔ جو کہتے ہیں کہ مے دوسالہ سے

"قرآن" مراد ہے۔ اور محبوب چہاردہ سالہ سے رسول اکرمؐ کی ذات...... شاعر جس میں ذرا سا بھی ذوق جمال موجود ہے۔ وہ حسن سے متاثر ہونے کی وہی صلاحیت رکھتا ہے۔ جو بارود میں آگ پکڑنے کی ہوتی ہے۔"

"آل مظفر" کی حکومت کا بانی "مبارز الدین محمد" نہایت ہی مذہبی قسم کا فرمانروا تھا۔ اس نے شراب خانے بند کرا دیے۔ اور ہر طرف محتسب مقرر کر دیے۔ حافظ اس وقت جوان تھے۔ لیکن اپنے اشعار میں سماجی تغیرات کی بہت اچھی تصویر کشی کرتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے اس عہد پرہیزگاری پر نہایت کامیاب طنز کیے۔

؎ درمیخانہ ہستند خدایا میسند
کہ درخانہ تزویر و ریا بکشایند

ترجمہ: "انہوں نے میخانے کا دروازہ بند کر دیا ہے۔ اے خدایا! پسند نہ فرما کہ وہ مکاری اور ریاکاری کے دروازے کھولیں۔"

محتسبوں کی چیرہ دستیوں سے حافظؔ تنگ تھے۔ ان کے خوف سے نہایت احتیاط کے ساتھ شراب نوشی کی تلقین کرتے ہیں:

؎ اگرچہ بادہ فرح بخش و باد گل بیزست
بیانگ چنگ مخورے کہ محتسب تیزست

ترجمہ: "اگرچہ شراب خوشی پیدا کرنے والی اور مہکانے والی ہے۔ ستار کی آواز پر شراب نہ پی اس لیے کہ محتسب بہت تیز ہے۔"

"مبارز الدین محمد" کے بعد اس کا مشہور بیٹا شاہ شجاع تخت نشین ہوا تو اس نے شراب پر سے تمام پابندیاں اٹھوا دیں۔ میخانے آباد ہو گئے۔ محتسب شاعروں کے طنز کا شکار ہو گئے۔

حافظؔ سماجی آزادی کا یہ اعلان سن کر باغ باغ ہو گئے۔ اسی عالم مسرت میں انہوں نے کہا:

؎ سحر زہاتف غیبم رسید مژدہ بگوش
کہ دور شاہ شجاع است مے دلیر بنوش

ترجمہ: "صبح کے وقت غیبی ہاتف کی جانب سے خوشخبری میرے کان میں پڑی کہ شاہ شجاع کا دور ہے۔ دلیری سے شراب پی۔"

حافظؔ زندگی کے غموں سے نجات پانے کی غرض سے شراب لعل کا سہارا ڈھونڈنے لگے:

؎ شراب تلخ می خواہم کہ مرد افگن بود زورش
کہ تا یکدم بیاسایم ز دنیا و شر و شورش
شراب لعل می نوشم من از جام زمردگوں
کہ زاہد افعی وقت است میسازم بدان کورش

ترجمہ: "میں ایسی کڑوی شراب چاہتا ہوں کہ جس کا زور مرد افگن ہو۔ تا کہ دنیا اور اس کے شور و شر سے ذرا آرام پاؤں۔ میں زمردیں جام سے لعل جیسی شراب پیتا ہوں۔ اس لیے کہ زاہد، وقت کا سانپ ہے۔ اور اس سے اس کو اندھا کرتا ہوں۔"

ان تکالیف کے پیش نظر زاہد کو افعی وقت قرار دینا۔ جو اس سے عوام کو پہنچ رہی تھیں۔ بے حد قابل تعریف تشبیہ ہے۔ البتہ زمرد یا لعل سے سانپ کے اندھا ہو جانے کا عقیدہ تجربات سے درست ثابت نہیں ہو سکا۔ شراب اور شاہد بازی سے پابندیاں اٹھ گئیں۔ تو حافظؔ اس قسم کے شعر کہنے لگے:

؎ بہیچ وجہ نباشد فروغ مجلس انس
مگر بروئے نگار شراب انگوری

ترجمہ: "محبت کی مجلس کسی طریقہ پر منور نہیں ہوتی۔ محبوب کے چہرے اور انگوری شراب

کے سوا۔"

ان تمام اشعار میں حافظ نے شراب اور محبوب جیسے لوازم عیش کا جوڑ کر کیا ہے۔ ان کی کوئی اور تاویل نہیں کی جا سکتی۔ جب "شاہ شجاع" نے پابندیاں ہٹائیں۔ تو حافظ اس طرح کی باتیں کرنے لگے .... کہ شراب کے بغیر حسن میں کوئی کشش باقی نہیں رہتی۔ زمانہ وہ آ گیا ہے کہ یار اور شراب دونوں ایک ہی بزم میں پوری آزادی کے ساتھ مل سکتے ہیں۔ "مبارز الدین" کے زمانے میں حافظ کے بقول ساری دنیا تاریک تھی۔ سوگواری اور سناٹے کے علاوہ کچھ نہ تھا یہ ساری باتیں ہماری آپ کی دنیا سے متعلق ہیں۔ ان میں اس کائنات کا جلوہ نہیں دیکھا جا سکتا۔ جس کو حقیقت اور معرفت کہتے ہیں۔ اسی عالم انبساط میں حافظ نے "شاہ شجاع" کی مدح میں غزل کہہ ڈالی:

عید است وآخر گل و یاران در انتظار
ساقی بروئے شاہ ببیں ماہ و مے بیار

ترجمہ: "عید اور موسم بہار ہے۔ اور دوست انتظار میں ہیں۔ اے ساقی! شاہ کے چہرے میں چاند کو دیکھ اور شراب لا۔"

حافظ شراب نوشی کے آداب ولوازم سے پوری طرح باخبر ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ تنہا پینے میں کوئی لطف نہیں۔ اور شراب کی کمی کے متعلق وہ اس نقطۂ نظر کے حامل ہیں۔ جو بعد میں غالب نے اپنایا۔ یعنی:

غم کھانے میں بودا دل ناکام بہت ہے
یہ رنج کہ کم ہے مئے گلفام بہت ہے

حافظ اس وقت شراب پینا پسند نہیں کرتے۔ جب تک منوں شراب قدیم ان کے سامنے نہ ہو۔

دو یار زیرک واز بادۂ کہن دو منے
فراغتے وکتابے وگوشۂ چمنے

آج بھی جب زائرین وشائقین حافظ شیراز کے مزار پر جاتے ہیں۔ تو مے نوشی کی خوب خوب محفلیں سجاتے ہیں۔ مے نوش حضرات شراب بھی پیتے ہیں۔ اور حافظ کے نام کی شراب زمین پر بھی گراتے ہیں۔

فارسی کے چند اشعار

میں نے اس مضمون کے آغاز میں عرض کی تھی کہ شراب کی مدح میں کہے گئے فارسی اشعار یا شعراء کے ذکر کی یہ جگہ نہیں۔ کیونکہ فارسی کا ایسا کلام بہت زیادہ ہے۔ خصوصاً "عمر خیام" کا فلسفۂ نشاط حافظ کی طرح میخواروں کی دنیا میں بے حد مقبول ہے۔ "عمر خیام" کی جگہ حافظ کا مضمون یہاں شامل کرنا اس لیے ضروری تھا کہ حافظ صوفی اور ولی شخص تھا۔ اگر قارئین کی ذوق سیری کا خیال نہ ہوتا تو میں "عمر خیام" کا فلسفۂ نشاط ایک الگ مضمون کی حیثیت سے یہاں درج کر دیتا۔

غالب نے بھی فارسی میں بہت اشعار کہے۔ لیکن چونکہ غالب کا ذکر ہم اردو شاعری میں پیش کرنے والے ہیں۔ لہٰذا یہاں ہم اس سے صرف نظر کرتے ہیں۔ چنانچہ ہم نے یہی مناسب سمجھا کہ فارسی شعراء کا الگ الگ ذکر کرنے کی بجائے۔ ہم ایک ہی جگہ فارسی کے چند شرابی اشعار قارئین کی خدمت میں پیش کرتے ہیں:

گرچہ دوریم، بیاد تو قدح می نوشیم
بعد منزل نہ بود در سفر روحانی (حافظ)

ترجمہ: "اگرچہ ہم تجھ سے بہت دور ہیں۔ لیکن تمہاری یاد میں شراب سے اپنا دل بہلا رہے

ہیں، سفرِ روحانی میں جغرافیائی فاصلے کوئی حقیقت نہیں رکھتے۔"

؎ فیضے عجبے یافتم از صبح دمید
ایں جادۂ روشن رہ میخانہ نباشد

(آقا رضی سرور قزوینی)

ترجمہ: "دیکھیے میں نے صبح سے کس قدر عجیب و غریب فیض حاصل کیا۔ کہیں یہ روشن راستہ شراب خانے کا راستہ نہ ہو۔"

؎ ساقی بدہ رطل گراں، زاں می کہ دہقان پرورد
اندوہ برد غم بشکرد شادی دہد، جاں پرورد

(قاآنی)

ترجمہ: "ساقی! میخواروں کو اس شراب کے بھرپور پیالے دے۔ جسے دہقان نے (خونِ جگر دے کر) سینچا ہو۔"

؎ بیفشاں جرعہ بر خاک و حالِ اہلِ شوکت بیں
کہ از جمشید و کیخسرو ہزاراں داستان دارد

ترجمہ: "شراب کا ایک گھونٹ زمین پر ڈال دو۔ اور اس میں نامور لوگوں کے حالات دیکھو۔ جمشید اور کیسرو جیسے بادشاہوں کی ہزروں داستانیں اس میں رقم ہیں۔"

؎ زاہد نہ نماز و روزہ ضبطے دارد
سرمد بہ مئے و پیالہ ربطے دارد

(سرمد)

ترجمہ: زاہد نماز، روزہ سے تعلق رکھتا ہے۔ اور سرمد کا شراب اور پیالہ سے تعلق ہے۔"

؎ حاصل کارگہ کون و مکاں ایں ہمہ نیست
بادہ پیش آر، کہ اسباب جہاں ایں ہمہ نیست

(نظیری)

ترجمہ: "اس کارخانہ حیات کا مقصود سب کچھ بھی نہیں ہے۔ شراب سامنے لا، کہ دنیا کے اسباب سب کچھ بھی نہیں ہیں۔"

؎ بادۂ آں درخورِ ہر ہوش نیست
حلقۂ آں سخرۂ ہر گوش نیست

(رومؒ)

ترجمہ: "ہر عقل اس خاص شراب کی متحمل نہیں ہو سکتی۔ اور وہ حلقہ ہر کان کا آویزہ نہیں بن سکتا۔"

؎ حریفِ ساقی و دُردی نہ ء، خطا اینجاست
تمیزِ ناخوش و خوش می کنی، بلا اینجاست

(نظیری)

ترجمہ: "زبردست غلطی ہے تو صاف شراب اور تلچھٹ میں امتیاز کرتا ہے۔ بات اس وقت بگڑ جاتی ہے۔ جب تو شراب کی اچھائی اور برائی میں تمیز کرنا شروع کر دے۔"

؎ طاقت برخاستن از گرد نمنا کم نہ ماند
خلق پندارد کہ مے خوردست و مست افتادہ است

(غنیمت کنجاہی)

ترجمہ: "مجھ میں نم آلود مٹی کی طرح اٹھنے کی طاقت نہیں ہے۔ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ میں نے

شراب پی ہوئی ہے۔ اور مست پڑا ہوں۔"

ـ

ـ بادہ خواہی، باش تا ازخم بروں آرم کہ من
ایں کہ در جام و صبو دارم مہیا آتش است

(عرفی شیرازی)

ترجمہ: "جام و صبو میں جو کچھ ہے۔ آگ کا مہیا کردہ ہے۔

ـ تا تازہ و تر زنم رقم را
در بادہ کشیدہ ام قلم را

(نامعلوم)

ترجمہ: "ہم نے اپنے قلم کو شراب میں ڈبولیا ہے۔ تاکہ نئے نئے قسم کے مضامین تحریر کریں"

ـ یک نالہ مستانہ زجائے نہ شنیدیم
ویراں شود آں شہر کہ مے خانہ ندارد

(میرزا کاظم قمی)

ترجمہ: "ہم ایک بھی نعرۂ مستانہ کسی جگہ سے نہیں سنتے۔ برباد ہو جائے وہ شہر، جہاں شراب خانہ نہ ہو۔"

ـ مے میان شیشہ ساقی نگر،
آتشے گویا بہ آب آلودہ اند

(حضرت امیر خسروؒ)

ترجمہ: "ساقی کے شیشے میں ذرا شراب (کی آبداری) ملاحظہ کرو۔ لگتا ہے۔ جیسے آگ کو

پانی میں ملا دیا گیا ہو۔"

ـ اگر دماغم دریں شبستان خمار شرم عدم نہ گیرد
ز چشمک ذرہ جام گیرم بہ آں شکوہے کہ جم نہ گیرد

(مرزا بیدل)

ترجمہ: "اگر اس شبستان میں میرے دماغ کا خمار شرم معدوم نہ ہوتا تو ایک ادنیٰ سے اشارے سے میں اس شان و شوکت سے جام تھامتا کہ جمشید نے بھی نہ تھاما ہوگا۔"

ـ او در وداع و من بجزع، کز مے و بہار
رطلے سہ چار ماندہ و روزے سہ چار خوش

(نظیریؔ)

ترجمہ: "وہ مجھ سے جدا ہو رہا ہے۔ اور میں رو رہا ہوں۔ کیونکہ اب شراب کے دو چار پیالے اور بہار کے دو چار خوبصورت دن ہی باقی رہ گئے ہیں۔

ـ ایں بادہ کہ جوشد از ایاغم
خونے است چکیدہ از دماغم

(فیضیؔ)

ترجمہ: "یہ شراب جو میرے پیالے میں ابل رہی ہے۔ یہ دراصل خون ہے۔ جو میرے دماغ سے ٹپکا ہے۔"

ـ اگر شراب خوری جرعۂ فشاں بر خاک
ازاں گناہ کہ نفعے رسد بغیر، چہ باک

(خواجہ شیرازی)

ترجمہ: "جب تو شراب پیئے تو اس کا ایک گھونٹ زمین پر بھی ڈال دے۔ وہ گناہ جس

سے کسی کو نفع پہنچے کرتے ہوئے نہیں ڈرنا چاہیے۔"

؎ دیدہ ام شاخ گلے برخویش می پیچم کہ کاش
می توانستم بہ یک دست ایں قدر ساغر گرفت

ترجمہ: "میں نے پھولوں کی ایک شاخ کو دیکھا۔ اور خود میں پیچ و تاب کھا رہا ہوں۔ کہ اسی طرح اس قدر شراب کے ساغر بھی ایک ایک ہاتھ میں تھام سکتا۔

؎ ہست صحرا چوں کفِ دست و برد از لالہ جام
خوش کفِ دستے کہ چندیں جام صہبا بر گرفت

(امیر خسرو)

ترجمہ: "پورے کا پورا جنگل میرے ہاتھ کی ہتھیلی کے مانند ہے۔ جس نے لالہ، جام کو اپنی گرفت میں لے رکھا ہے۔ کس قدر خوش نصیب ہے وہ ہتھیلی جو ایسے شراب کے جام کو پکڑ لیتی ہے۔"

؎ صفیر مرغ برآمد، بط شراب کجاست
فغاں فتاد ز بلبل "نقاب گل کے درید"

ترجمہ: "پرندے کی آواز آنا شروع ہو گئی۔ بتاؤ! شراب کی بط کہاں ہے۔ بلبل نے چیخ مار کر کہا کہ "پھول کا نقاب کس نے پھاڑ ڈالا۔"

؎ نہ خنجر زمین را میستاں کنم
بہ نیزہ ہوا را نیستاں کنم

(شاہنامہ)

ترجمہ: "میں تلوار سے زمین کو شراب خانہ بنا رہا ہوں اور نیزے کے ساتھ فضا کو سرکنڈوں

کا جنگل بنا رہا ہوں۔"

؎ دریں چمن کہ بہار و خزاں ہم آغوش ست
زمانہ جام بدست و جنازہ بردوش ست

(ملا نور محمد انور)

ترجمہ: "دنیا کے اس چمن میں بہار و خزاں آپس میں بغلگیر ہیں۔ زمانے کے ہاتھ میں شراب کا پیالہ ہے اور کندھے پر جنازہ ہے۔

؎ نشاطِ بادہ پرستاں بہ منتہیٰ برسید
ہنوز ساقیِ ما بادہ در سبو دارد

(شیخ علاؤ الدین)

ترجمہ: "شرابیوں کی خواہش سے نوشی نقطہ تسکین تک پہنچ چکی ہے۔ لیکن ابھی ہمارے ساقی کی صراحی میں شراب موجود ہے۔"

؎ ساقی تو ئی، و سادہ دلی بیں کہ شیخ شہر
باور نمی کند کہ ملک مے گسار شد

(عرفیؔ)

ترجمہ: "تیرے جیسا ساقی ہو اور پھر شیخ شہر کی سادہ لوحی دیکھیے! انہیں یہ یقین نہیں ہو سکتا کہ کبھی فرشتہ شراب پی سکتا ہے۔"

؎ عشقش خبر ز عالم مدہوشی آورد
اہل صلاح را بقدح نوشی آورد

(امیر خسروؒ)

ترجمہ: "اس کی مدہوشی سے اس کے عشق کا پتہ چل گیا کہ اس نے نیک لوگوں کو بھی شراب

پلا دو۔"

ـ صبا بہ تہنیت پیرِ مے فروش آمد
کہ موسمِ طرب وعیش ونائے ونوش آمد

(خواجہ شیرازی)

ترجمہ: "اے بادِ صبا! مبارک ہو شراب بیچنے ولا بابا آ گیا۔ اور عیش وعشرت اور پینے پلانے کا موسم آ گیا۔"

اردو شاعری اور شراب

زمانے کی آنکھ نے جن چیزوں کو ہمیشہ حیرت سے دیکھا۔ ان میں اردو بھی شامل ہے۔ اگر مسلمان برِ صغیر، نہ آتے۔ تو اردو قیامت تک معرضِ ظہور میں نہ آ سکتی۔ برِ صغیر میں "ہندی بھاشا" تو پہلے سے موجود تھی۔ جب "عرب" سے عرب مسلمان اور "خراسان" سے فارسی مسلمان یہاں وارد ہوئے۔ تو ہندی کے جملے میں فارسی تراکیب، الفاظ اور روز مرے یوں چپکے سے داخل ہو گئے کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوئی۔ ہندی میں "ادھیکار سونپ دو"......... تھا۔ اردو میں "اختیار بخش دو"......... بن گیا۔ ہندی میں "ہم پر بھگوان کی کرپا ہے"......... تھا۔ اردو میں "ہم پر رحمان کی مہربانی ہے"......... بن گیا۔ ہندی میں "جنتا، چناؤ میں نیتا چنتی ہے"......... تھا۔ اردو میں "عوام انتخابات میں رہبر چنتی ہے"......... بن گیا۔

گویا ڈھانچہ ہندی کا رہا۔ جبکہ اس میں اعضاء فارسی اور عربی کے فٹ کر دیے گئے۔ اب دیکھیں تو یوں لگتا ہے۔ جیسے کسی نے لیبارٹری (تجربہ گاہ) میں بیٹھ کر بڑے آرام کے ساتھ اردو بنائی ہو۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ یہ مرورِ زمانہ کی کارستانی ہے۔ جب تک اردو نے ہندوستان میں جنم نہیں لیا تھا۔ ہندی ادب پتھر کی طرح ایک جگہ رکا ہوا تھا۔ فی الحقیقت

"اکبر" کا دربار ہی وہ عظیم سرچشمہ ہے۔ جہاں سے اردو کے سنہری سوتے پھوٹے۔ "اکبر" کے دربار میں ہندی، عربی اور فارسی کا جو ملغوبہ پروان چڑھ رہا تھا۔ لامحالہ اس کا کچھ نہ کچھ نتیجہ تو نکلنا ہی تھا، سو وہ نکلا۔ اور چشمِ فلک نے ایک اور انتہائی حسین اور معتبر زبان دیکھی۔ میں نے اس بات پر بڑا غور کیا ہے۔ بچپن سے لے کر اب تک۔ غالباً میں نے لاکھوں بار یہ نوٹ کیا ہے کہ اردو کے علاوہ دنیا کی ہر زبان میں بولنے والے کے منہ کا حلیہ کچھ نہ کچھ ضرور بگڑتا ہے۔ انگریزوں کا تو خیر منہ اگر سیدھا ہو تو سمجھیے کہ وہ گونگے ہیں۔ انگریزی بولنے کے لیے زبان اور ہونٹوں کو ٹیڑھی میڑھی حرکت دینا ازبس ضروری ہے۔ عرب عین غین کے چکر میں اپنا حلق چھیل لیتے ہیں۔ فارسیوں کی تھوتھنی بولتے وقت ہمیشہ بندوق کا دہانہ دکھائی دیتی ہے۔ یہی حال ہماری علاقائی بولیوں کا ہے۔ لیکن جب کوئی اردو بولتا ہے۔ تو اس کا چہرہ یوں متوازن دکھائی دیتا ہے۔ گویا بولنے والا فوٹو کھنچوا رہا ہو۔

البتہ شعر و ادب کے معاملے میں اردو ابھی فارسی، عربی یا انگریزی کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتی۔ ظاہر ہے ابھی اردو کی عمر ہی کیا ہے۔ زیادہ سے زیادہ سو سال "میر امن دہلوی" نے اردو میں پہلی باقاعدہ کتاب لکھی........."باغ و بہار"۔ "ولی دکنیؒ" نے اردو میں......... "حضرت امیر خسروؒ" کے بعد پہلی باقاعدہ اردو شاعری پیش کی۔ "میر تقی میر کے زمانے میں اردو نے "میرؔ" کو زبان کے ایک مجدد کے روپ میں دیکھا۔ اور "میرؔ" نے بھی اردو کو نئے راستے اور نئی منزلیں دکھا کر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے امر کر دیا۔

غالبؔ پر آ کر اردو شاعری ایک مرتبہ اپنے وجود پر فخر کرنے لگی۔ لیکن شراب کا ذکر اردو شاعری میں روزِ اوّل سے شامل رہا۔ شراب ایک طرح سے اردو کے "جہیز" میں شامل تھی۔ اوّل تو "اکبر" کا دربار ہی اپنی "ایک" صورت میں میکدہ تھا۔ اور اس پر مستزاد یہ کہ فارسی اور عربی کے شعراء شراب کے بے پناہ دلدادہ تھے۔ چنانچہ شراب کا ذکر اردو میں ملاحظہ کیا

جائے۔ تو صاف پتہ چلتا ہے کہ مے، میخانہ، ساغر و مینا، جام، ساقی، محتسب یا شراب...... یہ سب عربی اور فارسی کی اصطلاحیں ہیں۔ شروع شروع میں تو اردو کے پاس اپنے ذاتی استعارے اور تشبیہیں تھی ہی نہیں۔ شمع، پروانہ، بلبل، گل، مے، ساغر، ساقی، زلف، بادل، بجلیاں، نشیمن وغیرہ یہ سب استعارے اردو کو ورثے میں ملے تھے۔ اس شاعری کا دور "اقبالؒ" پر آکر تمام ہوجاتا ہے۔ اور اس طرح کی شاعری کا عروج "غالبؔ" کو سمجھا جاتا ہے۔ "روس" کے بعد "چین" میں کیمونسٹ انقلاب مشہور ہوا۔ تو اردو کے بعض شعراء بالکل مختلف رنگ میں شعر کہنے لگے۔ "ساحر لدھیانوی" نے ...... نیا سفر ہے پرانے چراغ گل کردو...... کہہ کر گویا اردو کے دور قدیم کو الوداع کہہ دیا۔ اور پھر جب پاکستان بنا تو ہمارے حصے کی اردو کو ایک یکسر مختلف ماحول میسر آگیا۔ "علامہ اقبالؒ " کی شاعری میں زیادہ تر مضامین عوامی نوعیت کے نہ تھے۔ چنانچہ آپؒ کی زبان دانی نے عام اردو بول چال پر کوئی خاص اثر نہ چھوڑا۔ یہی وجہ ہے کہ عربیت اور فارسیت کے اثر کا دور حضرت علامہؒ کی شاعری پر اختتام پذیر ہوا۔ یاد رہے کہ بات صرف زبان دانی کی ہورہی ہے۔ "فیض" نے اگرچہ اردو کو نئے الفاظ تو نہ دیے۔ لیکن نئے خیالات اور ایک نیا پلیٹ فارم ضرور دے دیا۔ "فیض" کو "مارکس" پسند تھا۔ چنانچہ اس کی شاعری میں چینی اور روسی ادب کے علاوہ مغربی ادب کی گہری جھلک پائی جاتی ہے۔ علامہ قبالؒ اگرچہ اشترا کی شعراء کے علاوہ پورے مغرب کی شاعری سے واقف تھے۔ لیکن اسلام سے قربت کی بدولت انہوں نے اپنا شعر گوئی کا انداز وہی قدیم رکھا۔ پاکستان میں "فیض" کو کیمونسٹ" شاعری کا علمبردار سمجھا جاتا ہے۔" ذوالفقار علی بھٹو (مرحوم)" کی وفات تک پاکستانی ادب کے ماحول پر کیمونسٹ شعراء کا بے پناہ غلبہ رہا۔

چنانچہ ستر کی دہائی کے اختتام تک اردو شاعری کا شعری مزاج ماضی کے نسبت بہت زیادہ بدل چکا تھا۔ "بھٹو" کی وفات کے بعد پاکستان میں مغربی عمل دخل بڑھنے لگا۔ چین اور

روس کی مصنوعات کے ساتھ ساتھ سرخ شاعری بھی مارکیٹ سے غائب ہوگئی......... اب براہ راست امریکی ذہنیت پاکستان پر غلبہ پارہی تھی۔ یہی دور ہے جب اردو زبان دانی پر جدیدیت پسند شعراء کی بجائے۔ مغربیت پسند شعراء اور ادیب اثر انداز ہونے لگے۔ اسے ہم اردو کا تیسرا دور کہیں گے۔ جو ابھی تک جاری ہے۔ این جی اوز اور ملٹی نیشنل کمپنیوں کے آنے کے بعد ایک نئی چیز ہماری تہذیب میں در آئی۔ جس کا مختصر نام ہے۔ "پاپ"۔ پاپ وائرس کی طرح آن کی آن میں پرانی روایات اور تہذیب وثقافت کو چاٹنے لگا۔ زبان، تہذیب کی تابع متغیر قدر ہے۔ تہذیب کی اونچ نیچ کے ساتھ زبان کی اونچ نیچ بھی متاثر ہوتی ہے۔ پاپ تہذیب نے ہماری روایات کو چاٹنا شروع کیا، تو اس کا بے پناہ اثر ہمارے ادب پر بھی پڑا۔ اور اردو شاعری جو مسلسل ارتقاء کر رہی تھی۔ ایک دم سے انحطاط کرنے لگی۔ "وصی شاہ" اور "فرحت عباس شاہ" جیسے پاپ شعراء "ابرارالحق" کی طرح قوم کے نوجوانوں میں بے حد مقبول ہونے لگے۔ جن کے دامن، تنوع، ندرتِ فکر، حسنِ خیال اور تخلیق سے تہی ہے۔ صرف اور صرف امریکی پاپ کلچر کا مشہور خاصہ یعنی "سیکس" ان کی شاعری کی مقبولیت کا سبب بنا۔

اور کچھ نہیں تو اس سے یہ فائدہ ضرور ہوا کہ اردو شاعری میں سے شراب کا ذکر یوں نکل گیا۔ جیسے کبھی تھا ہی نہیں۔ تب شاعر شراب کم پیتے تھے، لیکن شراب کے ذکر کو روحانی مقاصد کے غرض سے بہت زیادہ جگہ دیتے تھے۔ آج روحانی مقاصد تو رہے نہیں۔ چنانچہ شراب کا ذکر بھی نہیں رہا۔ اس کے برعکس آج کے شاعر زیادہ شراب پیتے ہیں۔ نتیجۃً شاعری سے روح خارج ہوگئی اور اردو شاعری.... "لوٹ پیچھے کی طرف گردشِ ایام" کا مصداق بن کر اس مقام تک تنزل کر گئی، جس کے متعلق کبھی کہا گیا تھا کہ "لکھنؤ کی" اور اب "جدید اردو" شاعری میں معشوق تو ہے لیکن عشق نہیں۔

اس ساری بات کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اردو میں قدیم عہد یا وسطی عہد کی طرز کے

شعراء مفقود ہو گئے ہیں......... نہیں! آج بھی کثیر تعداد میں اردو کے بہترین شعراء دنیا بھر میں موجود ہیں۔ پاپ شاعری نوجوانوں میں ضرور مقبول ہوئی۔ اور یہی مقبولیت مستقبل قریب میں اردو زبان کے ساتھ ایک بے رحم کھیل بھی کھیلنے والی ہے۔ لیکن فی الحال اردو میں تخلیقیت پسند روایتی شعراء کی کمی نہیں۔ اور آج بھی جستہ جستہ اردو شاعری شراب کے بلیغ استعارے سے مزین کی جاتی ہے۔ پاکستان میں بہت سے ایسے شعراء گزرے ہیں جو بے پناہ شراب پیتے تھے۔ جن میں "عبدالحمید عدمؔ" اور "فیضؔ" جیسے لوگوں کا نام مشہور ہے۔ فی زمانہ "احمد فراز" اور "منیر نیازی" جیسے بہت سے لوگ ہیں۔ جو بلانوش ہیں۔ لیکن موجودہ زمانے کے شرابی شعراء نے بھی شراب کا ذکر ماضی کی نسبت کم کر دیا ہے۔ اس کی وجہ نقادانِ ادب یہ بتاتے ہیں کہ نئے زمانے کے ساتھ پرانے استعارے نہیں چل سکتے۔ چنانچہ میکدے کا ذکر کم ہوتا جا رہا ہے۔ جبکہ میرا یہ خیال نہیں ہے۔ شراب ایسی چیز نہیں ہے کہ جس کا ذکر پرانا استعارہ کہلائے۔ اس لفظ یا اس کے ذکر میں بلاغت ہی اتنی ہے کہ یہ استعارہ کبھی قدیم یا متروک نہیں ہو سکتا۔ جب بھی روحانی دنیا کی بات کرنی ہوگی۔ "نشہ ء مے" کا ذکر ضروری ہو جائے گا۔ لہٰذا اگر شراب کا ذکر شاعری میں کم ہوا۔ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ روحانی اقدار کی پہچان نہیں رہی۔ ایک مادہ پرست شاعر ایک ان دیکھی دنیا کی باتیں کیونکر کر سکتا ہے۔

ہر چند ہو مشاہدۂ حق کی گفتگو
بنتی نہیں ہے بادہ و ساغر کہے بغیر

اردو کی ایسی شاعری جس میں شراب کا ذکر ہے۔ ایک "مضمون" میں نہیں سما سکتی۔ ہم ایسی شاعری کو اپنی کتاب میں جگہ دے رہے ہیں۔ جس میں شراب کا ذکر بھی ہے، اور مذہبی رنگ بھی، ایسا کرنے سے ہمارا مقصد جو کہ پچھلی پوری کتاب میں صاف دیکھا جا سکتا ہے، یہ ہے کہ شراب کی حیثیت اسلام کی رو سے بیان کی جا سکے۔ میں نے ہر پہلو سے شراب پر بحث کی ہے۔ اور میری یہ پوری کوشش رہی ہے کہ شراب کا مسئلہ سمجھنے میں کوئی ایک پہلو بھی ایسا نہ رہے، جس پر غور نہ کیا گیا ہو۔ ظاہر ہے اگر حقائق ایک جگہ اکٹھے دیکھ لیے جائیں۔ تو مسئلہ کسی سے پوچھنے کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔ ہر وہ شخص جو اپنا اچھا برا سمجھتا ہے۔ ایک جگہ اکٹھے حقائق دیکھ کر خود فیصلہ کر سکتا ہے کہ اس کے لیے کون سی راہ بہتر ہو سکتی ہے۔

ہم نے اس مضمون میں "علامہ اقبالؒ " کی شاعری شامل نہیں کی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ علامہ اقبالؒ شراب نہیں پیتے تھے۔ لہٰذا ان کی شاعری میں شراب کا ذکر محض ایک استعارہ ہے۔ ہم نے یہاں "اسد اللہ خان غالبؔ" کو خاصی جگہ دی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ "غالبؔ" بہت زیادہ شراب بھی پیتا تھا۔ ایک مکمل فلسفی، صوفی اور متعدد علوم پر دستگاہ رکھنے والا ایک صاحب بصیرت شخص بھی تھا۔ اور اس پر مستزاد یہ کہ اردو زبان میں غالب سے بڑا شاعر ابھی تک کسی کو تسلیم بھی نہیں کیا گیا۔

اسد اللہ خان غالبؔ

زندگی مضمر ہے تیری شوخیٔ تحریر میں
تابِ گویائی سے جنبش ہے لبِ تصویر میں

(اقبالؒ)

اسد اللہ خان، عرف مرزا نوشہ، تخلص غالبؔ، قوم کے ترک، آباؤ اجداد سے بادشاہوں کی ملازمت ان کا پیشہ تھا۔ "اکبر آباد" میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد عبداللہ بیگ............ "راؤ راجہ بختاور سنگھ" کی فوج میں بہادری سے لڑتے ہوئے مارے گئے۔ بہادر شاہ ظفر کے مصاحبِ خاص رہے۔ شاعری میں بڑا کمال پیدا کیا۔ اور نثر میں بھی کسی سے کم نہ رہے۔ عمر بھر شراب پیتے رہے۔ اور نظریاتی طور پر وحدۃ الوجود کے قائل بلکہ مبلغ، صوفی.

رہے۔ قدیم شعراء کی طرح بادشاہ کی مدح سرائی کر کے جو کچھ کماتے شراب خریدنے پر خرچ کر دیتے۔ برطانیہ کی "ملکہ وکٹوریہ" کو بھی مدح کے قصیدے بھیجتے رہے۔ اور انعامات پاتے رہے۔

غالبؔ کی شراب نوشی کے بے شمار واقعات کتابوں میں لکھے ہیں۔ جن سے ہم..... اس لیے صرفِ نظر کرتے ہیں کہ غالب کی شاعری دیکھ کر ان واقعات کے درج کرنے کی ضرورت نہیں رہتی۔ غالب کی شاعری میں بھی "حافظِ شیراز" کی طرح شراب کا ذکر دو طرح پر ہے۔ ایک وہ جس میں شراب روحانی دنیا کے ایک استعارہ کے روپ میں ہے۔ اور دوسرا وہ جس میں شراب محض شراب کی شکل میں ہے۔ مندرجہ ذیل اشعار اوّل الذکر کی مثال ہیں۔

(۱) ـ دل گزرگاہِ خیالِ مے و ساغر ہی سہی
گر نفس جادۂ سر منزلِ تقویٰ نہ ہوا

....

(۲) ـ بقدرِ ظرف ہے ساقی! خمارِ تشنہ کامی بھی
جو تو دریائے مے ہے تو میں خمیازہ ہوں ساحل کا

....

(۳) ـ میں اور بزمِ مے سے یوں تشنہ کام آؤں
گر میں نے کی تھی توبہ، ساقی کو کیا ہوا تھا؟

....

(۴) ـ بے مے کسے ہے طاقتِ آشوبِ آگہی
کھینچا ہے عجزِ حوصلہ نے خطِ ایاغ کا

....

(۵) ـ موجۂ گل سے چراغاں ہے گزرگاہِ خیال
ہے تصور زبس جلوہ نما موجِ شراب

....

(۶) ـ مجھ تک کب ان کی بزم میں آتا تھا دورِ جام
ساقی نے کچھ ملا نہ دیا ہو شراب میں

....

(۷) ـ خیال جلوۂ گل سے خراب ہیں میکش
شراب خانہ کے دیوار و در میں خاک نہیں

....

(۸) ـ یعنی بحسبِ گردشِ پیمانۂ صفات
عارف ہمیشہ مستِ مے ذات چاہیے

....

(۹) ـ پلا دے اوک سے ساقی! جو ہم سے نفرت ہے
پیالہ گر نہیں دیتا نہ دے، شراب تو دے

....

(۱۰) ـ بہت سہی غمِ گیتی شراب کم کیا ہے؟
غلامِ ساقیِ کوثر ہوں مجھ کو غم کیا ہے؟

جبکہ مندرجہ ذیل اشعار بغیر کسی تاویل کے غالبؔ کی شراب نوشی کا پتہ دیتے ہیں:۔

ـ یہ مسائل تصوف یہ ترا بیان غالبؔ
تجھے ہم ولی سمجھتے جو نہ بادہ خوار ہوتا

……

ـ چار موج اٹھتی ہے ، طوفان طرب سے ہر سو
موج گل، موج شفق، موج صبا، موج شراب

……

ـ جس قدر روح نباتی ہے جگر تشنۂ ناز
دے ہے تسکین بدم آب بقا موج شراب

ـ غالبؔ چھٹی شراب پر اب بھی کبھی کبھی
پیتا ہوں روز ابر و شب ماہتاب میں

……

ـ علاوہ عید کے ملتی ہے اور دن بھی شراب
گدائے کوچۂ میخانہ نامراد نہیں

……

ـ پی جس قدر ملے شب ماہتاب میں شراب
اس بلغمی مزاج کو گرمی ہی راس ہے

……

ـ رات پی زمزم پہ مے اور صبح دم
دھوئے دھبے جامۂ احرام کے

……

ـ گو ہاتھ میں جنبش نہیں، آنکھوں میں تو دم ہے
رہنے دو ابھی ساغر و مینا مرے آگے

……

ـ پھر دیکھیے! انداز گل افشانیٔ گفتار
رکھ دے کوئی پیمانۂ صہبا مرے آگے

……

ـ واعظ نہ تم پیو ، نہ کسی کو پلا سکو
کیا بات ہے تمہاری شراب طہور کی

ـ غم کھانے کو بودا دل ناکام بہت ہے
یہ رنج کہ کم ہے مئے گلفام بہت ہے

……

ـ رات کو آگ اور دن کو دھوپ
بھاڑ میں جائیں ایسے لیل و نہار

ـ دھوپ کی تابش آگ کی گرمی
ربّنا و قنا عذاب النّار

……

ـ ساقی! بہار موسم گل ہے ، سرور بخش
پیماں سے ہم گزر گئے پیمانہ چاہیے

☆☆☆☆☆

باب:4

منشیات

اس باب کا نام تجویز کرتے ہوئے مجھے مشکل پیش آئی۔ میری خواہش تھی کہ ایسا نام تجویز کیا جائے۔ جس میں شراب کا ذکر کیے بغیر دیگر منشیات کی تفصیل بیان کی جا سکے تا کہ ہماری زیرِ نظر کتاب ہر پہلو سے مکمل ہو سکے۔ اس باب کے لیے زیادہ بہتر نام تو تھا.........."مسکرات غیر منصوصہ"۔ یعنی وہ نشے جن پر شرعی نص موجود نہیں۔ لیکن مسکرات غیر منصوصہ کے الفاظ عام قارئین کے لیے مشکل تھے۔ چنانچہ میں نے محض منشیات کے عنوان پر اکتفا کیا۔ شراب کا ذکر پچھلے ابواب میں مکمل ہو چکا ہے۔ اب یہاں ان مسکرات کا تذکرہ مقصود ہے۔ جو فی زمانہ انسانی معاشرے میں بدرجہء اُتم پائے جاتے ہیں۔ ان میں بھنگ، چرس، افیون، ہیروئن اور میڈیسن زیادہ قابلِ ذکر ہیں۔ اگرچہ مارفین، کوکین اور دیگر ڈرگز بھی اسی زمرے میں آتی ہیں۔ لیکن ہمارے یہاں ان کا زیادہ تعارف نہیں۔ طبی ماہرین نے نشہ آور اشیاء پر جدید ترین تحقیق کے بعد انکشاف کیا ہے کہ:

> "کوئی بھی ایسا مواد جو انسانی جسم میں تحلیل ہو کر کیمیائی تبدیلی لائے۔
> اور انسان کی ذہنی کیفیات، رویوں اور موڈ کو بدل دے، نشہ کہلاتا ہے۔"

منشیات ایک بدہیبت دیو ہے۔ جو آنکھوں سے اندھا اور بے پناہ شیطانی قوتوں کا مالک ہے۔ یہ دیو ایک عذاب بن کر آج تک ان گنت انسانوں کو اپنے پیروں تلے روند چکا ہے۔ تمام دنیا میں کروڑوں افراد اس لعنت کا شکار ہیں۔ لاتعداد گھرانے برباد ہو چکے ہیں۔ آج تک شاید جتنے انسان خون آشام جنگوں کی نذر نہیں ہوئے ہیں غالباً اتنے ہی منشیات کا خونخوار دیو نگل گیا ہے۔ نوجوان نسل کسی بھی قوم کا مستقبل ہوتی ہے۔ اور یہ نسل گزشتہ ایک صدی سے عجیب وغریب جان لیوا منشیات کی لت میں گرفتار ہے۔ لاکھوں والدین اپنے بچوں کی بربادی سے سخت غمگین اور مضطرب ہیں۔ لاکھوں بیویاں اپنے سہاگ اجڑنے پر سنگین حالات سے دوچار ہیں۔ بے شمار بہنوں کے بھائی چلتی پھرتی لاشیں بن گئے ہیں۔ دنیا کا کوئی ملک ایسا نہیں۔ جسے منشیات کے مسئلے کا سامنا ہو۔ یہ مسئلہ اس وقت دنیا کے تمام مسائل میں سر فہرست ہے۔

طالبان کو تباہ کرنے سے پہلے امریکہ نے ان پر جو الزامات لگائے۔ ان میں ایک بڑا لیکن جھوٹا الزام یہ بھی تھا کہ افغانستان، پوری دنیا کے انسانوں کو قاتل منشیات فراہم کرتا ہے۔ تمام حکومتیں منشیات فروشوں کے جدید ہتھکنڈوں سے بری طرح پریشان ہیں۔

اس ایک صدی میں جان لیوا منشیات اس قدر تیزی کے ساتھ کیوں پھیلیں۔ آپ کو یہ جان کر حیرت ہوگی کہ اس کے پیچھے ایک سوچی سمجھی منصوبہ بندی تھی۔ یہودی سرمایہ داروں، بدمعاشوں اور جرائم پیشہ افراد پر مشتمل تنظیم "ڈرگ مافیا" چند یہودی تخریب کار ذہنوں نے اسی مقصد کے لیے بنائی تھی۔ ڈرگ مافیا کا ہیڈ کوارٹر کہاں ہے؟ شاید یقینی طور پر تو کوئی نہیں بتا سکتا۔ لیکن ڈرگ مافیا کا سب سے مضبوط نیٹ ورک امریکہ سے ہی کنٹرول کیا جاتا ہے۔ آج سے تیس بتیس سال پہلے برصغیر کا کوئی شخص ہیروئن کے نام تک سے واقف نہیں تھا۔ البتہ افیون جس سے ہیروئن بنتی ہے۔ بہت زیادہ مقدار میں افغانستان میں ہی پیدا ہوتی تھی۔ سرد جنگ کے شروع شروع میں ہی ہیروئن ہمارے ہاں متعارف ہونے لگی۔ ادھر افغانستان کے پہاڑوں میں امریکہ......روس کو نکالنے کے لیے اپنا تیار کردہ اسلحہ ہماری نوجوان نسل کے ہاتھوں میں تھما چکا تھا۔ اور ادھر ڈرگ مافیا کے سائنسدان جلال آباد کی پہاڑیوں میں ہیروئن بنانے کے کارخانے لگا کر ہماری باقی ماندہ نوجوان نسل کو تباہ کر دینے کا فیصلہ کر چکے تھے۔ یہودی منصوبہ بندی دنیا بھر میں مشہور ہے۔ لیکن حیرت ہے کہ یہودی ہمیشہ صرف تخریبی منصوبہ بندی کے ماہر مانے گئے ہیں۔

ہماری عوام ڈرگز لے کر نیند کی آغوش میں آرام سے سوتی رہی۔ اور نہ جانے کب چپکے سے "ملٹی نیشنل کمپنیاں" ہمارے ملک میں داخل ہو کر پیارے وطن کے ایک ایک گوشے میں کسی موذی وائرس کی طرح پھیل گئیں۔ صرف بیس سال پہلے ہمارے تمام چھوٹے بڑے شہروں میں دیا سلائی، صابن، گھی، مشروبات، مصالحے، کپڑا اور دیگر اشیائے خورد ونوش بنانے کے بے شمار کارخانے تھے۔ ہم سب جانتے ہیں۔ کیونکہ یہ کارخانے ہمارے آس پاس تھے۔ لاکھوں لوگوں کا روزگار چلتا تھا۔ اور ہم ضروریات زندگی کی آدھی سے زیادہ چیزیں خود بنا کر استعمال کرتے تھے۔ ہمارے رہبر، مذہبی پیشوا اور دانشور خدا جانے کہاں چلے گئے تھے کہ انہوں نے ملٹی نیشنل کمپنیوں اور این جی اوز پر کوئی روک نہ لگائی۔ بیس سال پہلے یہودیوں کا دخل صرف ہماری اعلیٰ سیاست، یعنی خارجہ، دفاع اور خزانہ میں تھا۔ لیکن بیس سال کے اندر اندر ہماری ادنیٰ سیاست یعنی تعلیم، معیشت، قانون، حتیٰ کہ چھوٹے چھوٹے دیہاتوں اور گلی کوچوں تک یہودیوں کا براہ راست دخل ہو گیا۔

آپ سوچتے ہوں گے کہ آج کل فیشن بن گیا ہے......... جو بھی اپنی کمزوری ہو، یہودیوں کے سر تھوپ دو......... نہیں یہ فیشن نہیں ہے۔ آپ اپنی آنکھیں کھول کر چاروں طرف نظر دوڑائیے۔ اور پھر پوری سچائی کے ساتھ یہ بتائیے کہ کیا بیس سال کے اندر اندر یا روس، امریکہ سرد جنگ کے بعد ہماری دنیا میں مذکورہ بالا تبدیلیاں نہیں آئیں۔ ہمارے گلی کوچوں میں موجود چھوٹے چھوٹے صابن، شکر یا چارہ بنانے کے کارخانے کہاں چلے گئے۔ آپ کو دکھائی دے گا کہ اب "لیور برادرز، ریکٹ اینڈ کولمن، میکڈونلڈ یا پیپسی" کا دور دورہ ہے۔ کیا آپ کو اپنے گرد و نواح میں این جی اوز کام کرتی نہیں دکھائی دیتیں۔ جن کا براہ راست تعلق یہودی کمپنیوں کے ساتھ ہے۔ یہ گھر گھر جا کر دروازہ کھٹکھٹا کر، اپنے مقاصد حاصل کر رہے ہیں۔ ہر "این جی او" کا نام انتہائی دلکش اور امید افزاء ہوتا ہے۔ "ہیومن رائٹس کمشن

آف پاکستان (HRCP)" کو ہی لیجیے۔ بظاہر یہ این جی او، انسانی حقوق کی علمبردار ہے لیکن اس کے مذموم مقاصد ذرا سا غور کرنے پر صاف دکھائی دینے لگتے ہیں۔ یہ تنظیم مشہور قادیانی وکیل "عاصمہ جہانگیر" کے جھنڈے تلے کام کر رہی ہے......... اور اس تنظیم کے لیے تمام پیسہ براہ راست اسرائیل سے آتا ہے لیکن افسوس کہ ہم بے خبر ہیں۔ آپ ذرا دیر کے لیے اپنا کیمرہ وسیع کر کے دیکھیے، تو آپ کو صاف دکھائی دے گا کہ ہمارا اکلوتا بچا کھچا اثاثہ یعنی خاندانی نظام کس تیزی کے ساتھ بربادی کی طرف مائل ہے۔ ستم بالائے ستم یہ کہ ہمارا سب سے نازک اور قیمتی شعبہ یعنی تعلیم بھی اب براہ راست این جی اوز کے قابو میں ہے۔ ہماری نئی نسل جو نام نہاد پرائیویٹ اداروں میں تعلیم حاصل کر رہی ہے۔ ایک بالکل مختلف ذہنیت کے ساتھ جوان ہوئی ہے۔ اس پوری کی پوری نسل کے دل میں مغربی تہذیب کا والہانہ شوق پیدا کر دیا گیا ہے۔ جس کے عام مظاہرے بسنت، ہیپی نیو ائیر یا ویلنٹائین ڈے کے مواقع پر دیکھنے کو ملتے ہیں۔ یہی جگہ ہے کہ میں، یہاں ہمارے نظامِ تعلیم کے بانی لارڈ میکالے کی چٹھی کا ایک اقتباس پیش کروں۔ یہ چٹھی "میجر باسو" کی کتاب "ہسٹری آف ایجوکیشن" کے صفحہ نمبر 105 پر درج ہے۔ اقتباس کے الفاظ یہ ہیں:

> "ہمیں ایک ایسی جماعت بنانی ہے۔ جو ہمارے اور ہماری کروڑوں
> رعایا کے درمیان ترجمان ہو۔ اور ایسی جماعت ہونی چاہیے جو خون اور
> رنگ کے اعتبار سے تو ہندوستانی ہو۔ مگر مذاق اور رائے، الفاظ اور سمجھ
> کے اعتبار سے انگریز ہو۔"

(تاریخ التعلیم از میجر باسو۔ ص 105)

ہماری قوم کا بچہ بچہ کرکٹ، پیپسی، برگر اور جینز کا دیوانہ ہو چکا ہے۔ اور پھر جب کسی کو حقائق بتانے کی کوشش کی جائے تو وہ چڑ کر کہتا ہے......... اجی! آپ تو قوم کو غاروں کی دنیا

میں واپس لے جانا چاہتے ہیں۔ ساری دنیا ترقی کر رہی ہے۔ آپ دنیا کے ساتھ نہیں چلیں گے، تو پیچھے رہ کر کچلے جائیں گے .... افسوس ہے! کہ ایسے لوگوں کو ترقی صرف امریکی تہذیب کے اتباع میں نظر آتی ہے۔ میں پوچھتا ہوں۔ کیا چین ترقی یافتہ ملک نہیں؟ کون ہے چین میں جو امریکی تہذیب کا دلدادہ ہو۔ چین تو در کنار کوریا، ملائیشیا، انڈونیشیا، فلپائن اور اسی خطے کے دوسرے ممالک میں سے کوئی بھی امریکی تہذیب کا پجاری نہیں۔ آپ کو ان ممالک میں کسی دُکان پر مغربی مصنوعات دکھائی نہیں دیں گی۔ ہر طرف چین، جاپان، تائیوان اور ملائیشیا کا سامان دکھائی دے گا۔ چین ہر شعبے میں دنیا کا جدید ترین ملک ہے۔ اور لطف کی بات یہ ہے کہ ہمارے بالکل پڑوس میں واقع ہے۔ اتنا نزدیک کہ ہم چاہیں تو صرف ایک دن میں بائی روڈ چین پہنچ سکتے ہیں۔ لیکن ہم ہیں کہ سات سمندر پار اور زمین کے پرلے کنارے پر موجود امریکہ سے براہ راست تہذیب و تمدن، نظام، اشیاء اور مصنوعات منگواتے ہیں۔ ہمیں تو اپنے پڑوسی چین کے بارے میں اتنی معلومات بھی نہیں جتنی ہمیں یورپ یا امریکہ کے بارے میں ہیں۔ آپ بتایئے، آپ کو امریکہ کے جتنے شہروں کے نام آتے ہیں .... کیا اپنے پہلو میں موجود سپر پاور چین کے اتنے شہروں کے نام آپ جانتے ہیں .... یقیناً نہیں۔ اس کا ماسوائے اس کے اور کیا مطلب ہو سکتا ہے کہ ہمیں ترقی کا نہیں بلکہ غلامی کا شوق ہے۔ پاکستان بہت بڑی منڈی ہے۔ چین تو چاہتا ہے کہ پاکستان کو مالا مال کر دے۔ لیکن ہم ہی نے اپنی آنکھوں پر پٹی باندھ رکھی ہے۔ پہلے تو یہ بیماری صرف ہمارے لیڈروں میں تھی۔ لیکن افسوس! کہ اب این جی اوز اور پرائیویٹ تعلیمی اداروں نے قوم کے بچے بچے کو اس مرض کا شکار بنا دیا ہے۔ ہمارے مذہبی پیشوا یا تو آپس کی لڑائیوں میں مصروف ہیں۔ اور یا پھر مال و دولت اور اقتدار کی رسّہ کشی میں سرگرمِ عمل ہیں۔ باقی جو مخلص مذہبی پیشوا بچتے ہیں۔ وہ امام مہدی کا انتظار کر رہے ہیں۔ کہ امام مہدی آئیں۔ اور مسلمانوں کو غلامی سے نجات دلائیں۔ پاکستان

کے پرائیویٹ تعلیمی اداروں اور بڑے شہروں میں منعقد ہونے والے مغربی طرز کے تہواروں یعنی بسنت وغیرہ کو دیکھ کر اکثر میں اپنا ہی یہ شعر گنگنانے لگتا ہوں:

مہدی کے انتظار میں بیٹھے رہے فقیہہ
شیطان اپنا کام سرِ عام کر گیا

امریکہ اور روس کی سرد جنگ نے ہمیں جو تحفے دیے ان میں افغان مہاجرین، ہیروئن، کلاشنکوف اور فحاشی سرِ فہرست ہیں۔ یہ وہ معاوضہ تھا۔ جو "جنرل ضیاء الحق" نے روس کو شکست دینے کے بدلے میں امریکہ سے لیا۔ اب گزشتہ دو دہائیوں سے ہماری قوم بری طرح انحطاط کا شکار ہے۔ اور اپنا حقیقی تشخص جو ایک مسلمان اور پھر پاکستانی کی حیثیت سے ہے، بھول چکی ہے۔

بات ہو رہی تھی کہ منشیات غیر محسوس طور پر پوری قوم کے رگ و پے میں اتر چکی ہے۔ پاکستان میں اس وقت تک پچاس لاکھ افراد ہیروئن کے مرض میں مبتلا ہو چکے ہیں۔ گزشتہ چند سالوں سے افیون، ہیروئن، مارفین، کوکین، انجکشن، خواب آور گولیاں، کھانسی کے شربت اور سلوشن کا استعمال خطرناک شکل اختیار کر گیا ہے۔ ادھر لاکھوں افغانیوں کی آمد سے روزگار کا مسئلہ پیدا ہوا۔ اور ادھر ملٹی نیشنل کمپنیوں کی وجہ سے لاکھوں چھوٹے کارخانے بند ہو گئے۔ بے روزگاری کسی سریع الاثر زہر کی طرح تیزی سے پھیلنے لگی۔ اور ملک کے لاکھوں نوجوان یک لخت بے روزگار ہو گئے۔ جب اس مسئلے کا حل سوچنے کی بات کی گئی۔ تو ہمارے آقاؤں نے ہمیں مطمئن کرنے کے لیے مشورہ دیا کہ آبادی پر کنٹرول کیا جائے .... برتھ کنٹرول۔ برتھ کنٹرول کے چکر میں کروڑوں روپے کی ادویات کے ساتھ انتہائی واہیات قسم کا لٹریچر بھی پورے ملک میں پھیلا دیا گیا۔ اس لٹریچر میں آزادیٔ نسواں کا ایک نیا نعرہ بھی گھر گھر پہنچ گیا۔ اور یوں ہماری نوجوان لڑکیاں بلاوجہ ہی اپنے آپ کو مظلوم تصور کرنے لگیں۔ یہی عورت جب ہمارے گھر میں

بیٹی، بہن، ماں، بیوی اور دادی بن کر رہتی تھی۔ تو حیاء، اخلاص، وفا، محبت اور قناعت جیسی نعمتوں سے مالا مال تھی۔ یہی نعمتیں وہ اپنی گود میں پلنے والے بچے کو سکھا دیتی تھی۔ اور اسی گود کی تربیت ایک نئے مشرقی نوجوان کو جنم دیتی تھی۔ لیکن اب وہ ماں، بہن، بیٹی یا بیوی، اپنے بھائی، باپ، بیٹے یا شوہر کو ایک ظالم مرد سمجھنے لگی ہے۔ زیور غلامی کی زنجیریں تصور کیا جانے لگا ہے، اور حیاء ایک فرسودہ خیال۔ ایسی صورتحال اس سے پہلے کبھی دیکھنے میں نہیں آئی۔ ہمارے مقابلے میں ہندوستان کی مثال دی جاتی ہے۔ اور بے دریغ یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ ہماری خرابی کا باعث انڈین فلمیں ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ ہمارے مقابلے میں ہندو زیادہ قابلِ رحم حالت میں ہیں۔ وہی لارڈ میکالے جس کا ایک اقتباس ہم قبل ازیں درج کر چکے ہیں۔ ہندوؤں کے بارے میں اپنے باپ کو ایک چٹھی میں یوں لکھتا ہے:

> "اس تعلیم کا اثر ہندوؤں پر بہت زیادہ ہے۔ کوئی ہندو جو انگریزی دان ہے۔ کبھی اپنے مذہب پر صداقت کے ساتھ قائم نہیں رہتا۔ بعض لوگ مصلحت کے طور پر ہندو رہتے ہیں۔ مگر بہت سے یا تو مواحد ہو جاتے ہیں۔ یا مذہب عیسوی اختیار کر لیتے ہیں۔"
>
> (تاریخ التعلیم از میجر باسو ص 105)

ہندو تو ہم سے بہت پہلے اپنا تشخص کھو چکے ہیں۔ اور اسی کھوئے ہوئے تشخص کو ڈھونڈنے کے لیے اب دہشت گردی پر اتر آئے ہیں۔ اور پھر جب ہمارے اربابِ دانش نے یہ نتیجہ اخذ کر لیا کہ انڈین ٹیلی ویژن کی طرز پر اگر پاکستان ٹیلی ویژن کو اپ ڈیٹ یعنی معیاری کر لیا جائے۔ تو نوجوان نسل کا انڈین فلمیں دیکھنے کا شوق کم ہو سکتا ہے......... سبحان اللہ! ایک زہر کا علاج دوسرے زہر کے ذریعے کیا جا رہا ہے۔ اگر انڈین فلمیں دیکھ کر ہمارا اخلاق بگڑا ہے پھر تو اور بھی ضروری تھا کہ انڈیا کی نقل نہ کی جاتی۔ پھر جواب یہ دیا جاتا ہے کہ اگر ہم انڈیا کی نقل

نہ کریں۔ تو کوئی پاکستانی نوجوان ہمارا ٹی وی دیکھے گا ہی نہیں۔ حیف ہے اس سوچ پر۔ جو گندگی کو گندگی سے دھونا چاہتی ہے۔ "پی ٹی وی ورلڈ" کھولا گیا۔ اور دنیا کو یہ بتانے کے لیے کہ ہم بھی انڈیا کی طرح بہت ماڈرن ہیں۔ جہان بھر کی بے راہ روی، پی ٹی وی پر پھیلا دی گئی۔ حتیٰ کہ پی ٹی وی ملٹی نیشنل کمپنیوں اور این جی اوز کے لیے تبلیغ و اشاعت کا ایک بہترین پلیٹ فارم بنا دیا گیا۔ پی ٹی وی پر جو کچھ بھی پیش کیا جا رہا ہے۔ یہ ہمارا نہیں۔ یہ سب کچھ، نہ کبھی ہمارا تھا۔ اور نہ آئندہ ہوگا۔ ہم مشرقی ہیں اور مشرقی ہی رہیں گے۔ ہم مغربی نہیں بن سکتے، ہماری نوجوان نسل کو یہ بے ہودہ شوق ترک کر دینا چاہیے۔

مذکورہ بالا تمام تصریحات کے بعد ہمیں یہ نتیجہ اخذ کرنے میں دیر نہیں لگنی چاہیے کہ ہمارے نوجوان اپنی حقیقی منزل کھو بیٹھنے کی بدولت سرگرداں اور پریشان ہیں۔ اس ذہنی تناؤ میں جو اس قسم کے ماحول نے انہیں فراہم کیا ہے۔ منشیات یا ڈرگز ہی بچاؤ کا واحد راستہ دکھائی دیتے ہیں۔ مغرب صرف "مادے" (Material) کی بات کرتا ہے۔ اس کے ہاں روح کا تصور ہی نہیں۔ ہم روح کی بات کرتے ہیں۔ اور مادے کو نمرود کا سب سے بڑا بت سمجھتے ہیں۔ مغرب کے پاس تو منشیات کا سہارا لینے کے سوا چارہ نہ تھا۔ لیکن ہمارے پاس ہماری روحانی اساس موجود تھی۔ ہم ڈرگز یا منشیات کے بغیر بھی مادی دور کے مسائل سے نجات حاصل کر سکتے ہیں۔ لیکن یہ بحث الگ ہے۔

چنانچہ یہ طے ہوا کہ گزشتہ بیس سال میں ہمارے لاکھوں نوجوان، بچے اور بوڑھے منشیات یا دیگر ڈرگز کا شکار ہوئے ہیں۔ یہ منشیات کون کون سی ہیں۔ کہاں پیدا ہوتی ہیں؟ کس طرح فروخت ہوتی ہیں؟ کون پیتا ہے۔ ان کے کیا اثرات ہوتے ہیں۔ ان کے نقصانات کیا ہیں۔ اور شریعت ان کے بارے میں کیا کہتی ہے۔ یہ سب باتیں ہم اپنے مخصوص انداز میں؛ عقلی بنیادوں پر ابھی لکھنے والے ہیں۔

مجھے شراب اور آگے آنے والی تمام منشیات کے متعلق گہری تفتیش کرنی پڑی۔ اس کے لیے میں نے کہاں کہاں کے سفر کیے۔ کن کن لوگوں سے ملا۔ اور کس کس طریقے سے معلومات اکٹھی کیں۔ یہ بتانے کے لیے یقیناً ایک الگ اور مکمل مضمون کی ضرورت ہوگی۔ بہرحال میں نے پورا ایک سال، شب و روز اس کام میں خود کو مصروف رکھا اور اس طرح زیرِ نظر کتاب ایک تحقیقی مقالے کی شکل اختیار کر گئی ہے۔ میں نے فی الحقیقت یہ کتاب اپنی گذشتہ تصنیف ''موسیقی، تصویر اور شراب'' کے حصہ دوم کے طور پر لکھی ہے اور ان دونوں حصوں کے مواد کی تحقیق لگ بھگ گزشتہ چھ سات سال کے عرصہ پر مشتمل ہے۔ جن منشیات کا ذکر ابھی آنے والا ہے۔ ان میں بھنگ، چرس، افیون، ہیروئن، مارفین، کوکین، انجکشن، نیند کی گولیاں، کھانسی کا شربت، سلوشن، اسپرین اور نیکوٹین شامل ہیں۔

بھنگ

بھنگ کو انگریزی میں ''انڈین ھنیپ(Indian Henap) کنابس(Cannabis) اور میری جوانا(Mari juana) '' کہا جاتا ہے۔ عربی میں اسے ''قنیب'' یا ''ورق الخیال'' کہتے ہیں۔ فارسی میں بھنگ کو ''حشیش'' بھی کہا جاتا ہے اور ''بنگ'' بھی .... بنگالی زبان میں اسے ''سدھی'' گجراتی میں ''بھانگیہ'' اور ہمارے ہاں ''بھنگ'' کہا جاتا ہے۔ پنجاب میں اسے ''ساوی'' یا ''بوٹی'' کہہ کر بھی پکارا جاتا ہے۔

اس پودے میں قدرت نے بے پناہ نشہ رکھ دیا ہے۔ بھنگ کا پودا ایک فٹ سے لے کر پانچ فٹ تک بلند ہو سکتا ہے۔ اس پودے کے پتوں کی شکل نیم کے پتوں سے مشابہہ ہوتی ہے۔ بھنگ کے پودے کی دو اقسام ہیں .... مذکر اور مؤنث۔ مادہ قسم نر قسم سے زیادہ بلند اور طویل القامت ہوتی ہے۔ اور اس کے پتے زیادہ گھنے اور سیاہی مائل ہوتے ہیں۔ مؤنث بھنگ کی پھولدار شاخوں پر ''رال'' کی شکل کا مادہ لگا ہوتا ہے۔ جسے

''گانجا'' کہا جاتا ہے۔ اسی طرح بھنگ کے پتوں پر لگی لیسدار رطوبت سے چرس بنتی ہے۔ اس پودے کا رنگ سبز، ذائقہ تلخ و تیز اور مزاج گرم و خشک درجہ سوئم ہے۔ افغانستان، پاکستان اور ہندوستان میں بھنگ کا خودرو پودا بکثرت پایا جاتا ہے۔ خصوصاً شمال مغربی پہاڑوں اور مغربی پنجاب میں بھنگ جگہ جگہ اُگی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ پاکستان کے دارالخلافہ اسلام آباد کی کوئی سڑک ایسی نہیں۔ جس کے اطراف میں بھنگ نہ اُگی ہوئی ہو۔ یہ پودا دس ہزار فٹ کی بلندی سے اوپر نہیں پایا جاتا۔ ایسے ممالک جن کی آب و ہوا معتدل ہے۔ وہاں اُگنے والی بھنگ اپنے اَفعال و خواص کے اعتبار سے زیادہ قوی نہیں ہوتی۔ البتہ گرم ممالک بالخصوص ہندو پاک میں پیدا ہونے والی بھنگ شدید قسم کی ہوتی ہے۔ اور یہاں کے لوگ اسے مئی، جون اور جولائی میں خشک کر کے جمع کر لیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے یہ بوٹی فی الحقیقت ایک دوا کے طور پر پیدا فرمائی ہے۔ ماہرین طب کے نزدیک بھنگ، قابض، مقوئ معدہ، بھوک پیدا کرنے والی، مقوئ باہ، ممسک، مسکر دافع تشنج، فرحت بخش، نیند لانے والی اور غم میں راحت بخشنے والی ہے۔ اَطباء اسے اَندرونی و بیرونی ہر دو طریقوں سے استعمال کرواتے ہیں۔ خونی پیچش اور بواسیر کے مریضوں کو درد و سوزش دور کرنے کے لیے بھنگ سے تیار کردہ مرہم لگایا جاتا ہے۔ آدھے سر کا درد، دائمی دردِ سر، جنون، کثرتِ حیض اور کالی کھانسی میں بھنگ کو بطور دوا استعمال کیا جاتا ہے۔

بھنگ کا بیج جو گول اور چھوٹا ہوتا ہے۔ رنگت میں سیاہ اور ذائقے میں تلخ ہے۔

بھنگ کے بیج میں بھی نشہ ہوتا ہے۔ اسے دوا کے طور پر استعمال کیا جائے تو مادہ تولید کو خشک کر کے جریان منی کو روکتا ہے۔ بھنگ کے بیجوں کا تیل صابن بنانے کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔

بھنگ قدیم ترین نشہ آور دوا ہے۔ یہ حلقے پن کا جھوٹا تاثر پیدا کرتا ہے۔ اور

اس کا استعمال آخر کار موت کے دروازے تک پہنچا دیتا ہے۔ بھنگ کے زیادہ استعمال سے تولیدی ہارمونز کا توازن بگڑ جاتا ہے۔ جس کے نتیجے میں .... مردوں میں سپرمز کی تعداد میں کمی اور عورتوں میں اووری سے انڈا نکلنے کا عمل سست پڑ جاتا ہے۔ بھنگ مردوں کے سینے پر چربی چڑھا دیتی ہے۔ مرکزی نظامِ عصبی کو بری طرح متاثر کرتی ہے۔ یہاں تک کہ بالآخر مریض وہم اور خبط کا شکار ہو جاتا ہے۔ اسے فاصلے اور وقت کا احساس نہیں رہتا۔ حتیٰ کہ دھیرے دھیرے پاگل ہو جاتا ہے۔

عرب میں غالباً بھنگ کی دریافت کا سہرا مشہور فتنہ گر ''حسن بن صباح'' کے سر جاتا ہے۔ ''الماس ایم، اے'' نے اپنی کتاب ''حسن بن صباح'' میں لکھا ہے کہ حسن بن صباح کا گھوڑا بھنگ چرتے چرتے بے ہوش ہو گیا۔ جس پر حسن بن صباح کے ذہن میں اس عجیب و غریب بوٹی پر تحقیق کا خیال پیدا ہوا۔ اور پھر جب ''حسن بن صباح'' نے ''قلعۃ الموت'' میں اپنی مشہور جنت بنائی۔ تو وہاں بہشت کی حوریں ہر بہشتی کو جو لذیذ اور خوشبودار مشروب پلایا کرتی تھیں۔ وہ بھنگ تھا۔

''مولانا عبدالحلیم شرر'' کی کتاب ''فردوسِ بریں'' میں حسن بن صباح کی جنت کا مفصل نقشہ کھینچا گیا ہے۔ ''قلعۃ الموت'' ایک ناقابلِ تسخیر قلعہ تھا۔ جو شمالی افغانستان میں واقع تھا۔ حسن بن صباح نے وہاں اپنے مذموم مقاصد کے لیے ایک مصنوعی جنت بنائی۔ جس میں دودھ اور شہد کی ندیاں بہتی تھیں۔ اور سونے چاندی کے مکانات تھے۔ جب کوئی نوجوان نیا نیا ''حسن بن صباح'' کی تحریک کے ہتھے چڑھتا۔ تو اسے خوش ذائقہ مشروب پلا کر سب سے پہلے متوالا کر دیا جاتا ہے۔ اور کچھ دیر کے لیے اس کی آنکھ لگ جاتی۔ اسے نیند کے عالم میں اٹھا کر جنت کے کسی باغ میں بچھے تختِ طاؤس پر لٹا دیا جاتا۔ چند لمحے بعد اس کی آنکھ کھل جاتی۔ اس دوران مشروب میں ملی حشیش اپنا اثر دکھانا شروع کر چکی ہوتی۔ حشیش کا نشہ دیر سے شروع ہوتا ہے

بھنگ ایک نشئی پودا ہے۔ پتوں کی شکل کسی قدر نیم کے مشابہ ہوتی ہے۔ بھنگ کی دو اقسام ہیں، نر اور مادہ۔ مادہ، نر سے زیادہ بلند اور طویل القامت ہوتی ہے۔ بھنگ کے پتوں پر لیسدار رطوبت لگی ہوتی ہے جس سے چرس بنتی ہے۔

لیکن چوبیس گھنٹے باقی رہتا ہے۔ چنانچہ جنت کے تخت طاؤس پر لیٹا نوجوان جب اٹھ کر بیٹھتا۔ تو اسے اپنے چاروں طرف حسین و جمیل حوریں دکھائی دیتیں۔ جن کے گورے جسموں پر انتہائی مختصر جالی دار لباس انہیں قیامت بنا دیتا۔ چاروں طرف، پھولوں کی روشیں، جگہ جگہ بچھے دبیز قالین، دودھ اور شہد کی نہریں، انواع و اقسام کے درخت، پھل اور بھنے ہوئے تیتر، بٹیر، اس نوجوان کو یہ یقین دلانے کے لیے کافی ہوتے کہ جنت واقعتاً حقیقی ہے۔ چوبیس گھنٹے بعد جب اس کا نشہ ٹوٹنے لگتا تو جنت کی ہی کوئی حور سونے کی طشتری میں رکھ کر حشیش ملا مشروب ایک بار پھر اسے پیش کر دیتی۔ تین چار روز بعد اس نوجوان کو پھر عارضی نیند میں مبتلا کر کے جنت سے نکال لیا جاتا۔ تب اسے حسن بن صباح کے سامنے پیش کیا جاتا۔ اور پھر جب حسن بن صباح اسے بتاتا کہ اس نے حقیقی جنت دیکھی ہے۔ اور اگر وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جنت میں جانا چاہتا ہے۔ تو اسے اس فانی جسم کو خیر باد کہنا ہوگا۔ یعنی مرنا ہوگا۔ نوجوان مرنے کے لیے فوراً تیار ہو جاتا۔ تو حسن بن صباح اسے کہتا...... اس طرح بے مقصد مرنے سے بہتر ہے کہ تم ہمارے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے مرو۔ اور اس طرح حسن بن صباح اس نوجوان کو دنیا میں موجود کسی بڑے آدمی کے قتل پر مامور کر دیتا۔ ایسے تمام نوجوانوں کو "فدائی" کہا جاتا تھا۔ یہ لوگ انتہائی خفیہ طریقے سے سفر کرتے۔ اور جنت حاصل کرنے کے شوق میں بڑے بڑے لوگوں کو جان سے مار دیتے۔ "سلطان نور الدین زنگیؒ" کی شہادت بھی حسن بن صباح کے فدائیوں کے ہاتھوں ہوا۔ اور "مولانا رومؒ " جیسے عظیم صوفی کو بھی شہید کرنے کی جسارت مذموم ایک فدائی ہی نے سرانجام دی۔ حسن بن صباح کے مرنے کے بعد بھی اس کی تحریک قائم رہی۔ اور اس کی جگہ تخت نشین ہونے والے کو "محمد بن بزرگ امید" کا لقب دیا جاتا۔

حسن بن صباح کی زندگی اس طرح کی بے شمار کہانیوں سے بھری پڑی ہے۔ آج بھی حسن بن صباح کی تحریک "اسماعیلیہ" فرقے کے نام سے جانی جاتی ہے۔ دنیا میں اس وقت بھی

بہت زیادہ اسماعیلی موجود ہیں۔ افغانستان میں شمالی افغانستان کے اندر، پاکستان میں کراچی اور دیگر کئی شہروں میں، جبکہ فرانس میں خصوصی ہیڈ کوارٹر بنا کر اسماعیلی فرقہ کے لوگ آج بھی مقیم ہیں۔ فی زمانہ اسماعیلیوں کے سربراہ اور مذہبی پیشوا کا نام "پرنس کریم آغا خان" ہے۔ اسی پرنس کریم آغا خان کے نام پر کراچی میں "آغا خان یونیورسٹی" بھی موجود ہے۔ پرنس کریم آغا خان کے باپ کو "ہز ہائی نیس سر آغا خان" کہا جاتا تھا۔ یہی "ہز ہائی نیس سر آغا خان" کسی دور میں مسلم لیگ کے صدر بھی رہے۔ اور تحریک پاکستان میں پیش پیش رہے۔ قیام پاکستان کے بعد سے آغا خانی یا اسماعیلی فرقہ کے لوگوں کی زیادہ تر تعداد کراچی میں ہی مقیم ہے۔ قائدِ اعظم محمد علی جناح کے بارے میں بعض لوگ اس شک کا اظہار کرتے ہیں کہ آپ کا تعلق بھی اسماعیلی فرقے سے تھا۔ اس شک کی وجہ شاید "ہز ہائی نس سر آغا خان" کو مسلم لیگ کا صدر بنانا یا پاکستان بنانے کے سلسلے میں سر آغا خان کے مشورے کو سو فیصدی قبول کرنا ہو سکتی ہے۔ پھر پاکستان کا پہلا وزیر خارجہ "سر ظفر اللہ خان قادیانی" کو بنایا گیا۔ جس نے نواب لیاقت علی خان کو قتل کروایا، اور کشمیر بھارت کو دے کر خطے میں ہمیشہ کے لیے ایک مسئلہ کھڑا کر دیا۔ تب بھی بعض قائدِ اعظم مخالف لوگوں نے یہی رائے قائم کی کہ قائدِ اعظم پاکستان کو آغا خانی سٹیٹ بنانا چاہتے تھے۔ "سید طفیل احمد منگلوری علیگ"، سابق رجسٹرار علی گڑھ یونیورسٹی اپنی کتاب "مسلمانوں کا روشن مستقبل" میں مندرجہ ذیل اقتباس لکھتے ہیں:

> "30 نومبر 1945ء کو جو بیان ہز ہائی نس سر آغا خان نے دیا۔ اس سے واضح ہو گیا کہ وہ پاکستان کے بارے میں مسٹر جناح کے نظریے سے متفق ہیں...... کافی برس پہلے سے ہز ہائی نس سر آغا خان کی کوشش اسی قسم کے مقاصد کے سلسلے میں جاری تھی۔ برسوں پہلے جداگانہ انتخابات کے لیے لارڈ منٹو وائسرائے نے مسلمانوں کے

مطالبہ کو (جو بنیادی طور پر سر آغا خان کا مطالبہ تھا) تسلیم کر کے اسے وزیر ہند سے منظور کروانے میں ایڑی چوٹی کا زور لگایا تھا۔ جب یہ مطالبہ منظور ہو گیا۔ تو انگلستان میں خوشیاں منائی گئیں کہ اب ہندوستان میں ایک قوم نہ رہے گہ۔ (یہ 1906ء کی بات ہے۔) .... آج چالیس سال بعد (یعنی 1946ء میں) صرف ہز ہائی نیس سر آغا خان کو یہ عزت حاصل ہے۔ (کیونکہ ان لوگوں میں صرف آج وہی زندہ ہیں) کہ وہ اپنی سعی و عمل کا نتیجہ (یعنی پاکستان بنتا ہوا) دیکھ رہے ہیں۔"

حشیش یعنی بھنگ استعمال کر کے حسن بن صباح نے ایسے فدائین تیار کیے۔ جنہوں نے ہزاروں لوگوں کو نہ صرف قتل کیا۔ بلکہ رہتی دنیا تک دنیا کے نقشے پر اثر انداز رہے۔ حسن بن صباح کے قلعہ الموت اور جنت کا خاتمہ بالآخر "ہلاکو خان" کے ہاتھوں واقع ہوا۔

"بھنگ" برصغیر میں تو زمانہ قدیم سے مستعمل ہے۔ اسے عرفِ عام میں ملنگی نشہ کہا جاتا ہے۔ کیونکہ زیادہ تر ایسے لوگ جو نام نہاد فقر اور درویشی اختیار کر لیتے ہیں۔ ہمارے ہاں بھنگ کا بہت زیادہ استعمال کرتے ہیں۔ اور وہ مشہور جملہ جو ہم نے قبل ازیں درج کیا ہے۔ یعنی "پی ساوی تے رب نظر آوی" دراصل انہی لوگوں کا قول ہے۔ یہ نام نہاد ملنگ عموماً بزرگ صوفیاء کے درباروں پر وافر مقدار میں پائے جاتے ہیں۔ بھنگ مفت دستیاب ہو جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان بزرگ صوفیاء کے مزاروں پر چوبیس گھنٹے بھنگ کے دور چلتے ہیں۔ لاہور اور ملتان میں چونکہ مزارات بہت زیادہ ہیں۔ لہٰذا ان شہروں میں بھنگ بھی بہت زیادہ پی جاتی ہے۔ اگر آپ نے بھنگ پینے کا سرِ عام نظارہ دیکھنا ہو۔ تو لاہور میں "شیر شاہ ولی سرکار" یا "بابا شاہ جمال" کے مزار پر نام نہاد ملنگوں کی یہ دیدہ دلیری ملاحظہ کر سکتے ہیں۔ شیر

شاہ ولی سرکار کا مزار شاہی قلعے کی دیوار کے ساتھ ہے۔ اور مینار پاکستان کے بالکل سامنے۔ جہاں فٹ پاتھ پر ان گنت ملنگ دن بھر بھنگ رگڑتے اور لوگوں کو مفت پلاتے دکھائی دیتے ہیں۔

بھنگ کی تاثیر طبی نقطہ نگاہ سے تو گرم بدرجہ سوئم ہے۔ لیکن جب بھنگ کے پتوں کو کھرل میں اچھی طرح رگڑ کر اور پانی ملا کر مشروب تیار کر لیا جاتا ہے۔ تو اس کی تاثیر ٹھنڈی ہو جاتی ہے۔ بعض شوقین لوگ تو یہ مشروب انتہائی عمدہ طریقے سے تیار کرتے ہیں۔ کھرل خشخاش، بادام، کالی مرچ اور الائچی کو بھنگ کے ہمراہ اچھی طرح رگڑ لیا جاتا ہے۔ بعد ازاں اس ملغوبے میں چینی، پانی اور دودھ بھی شامل کر لیا جاتا ہے۔ اس طرح یہ انتہائی لذیذ اور خوشبودار مشروب تیار ہو جاتا ہے۔ جسے پیتے ہوئے یہ لوگ فرحت محسوس کرتے ہیں۔ بھنگ رگڑنے والے موٹے سے ڈنڈے کو "سطبر" ...... "ملنا" .... یا "کوٹنا" بھی کہا جاتا ہے۔ اس ڈنڈے کو ملنگ لوگ رنگ برنگے موتیوں اور گھنگروؤں سے سجا دیتے ہیں۔ چنانچہ جب کھرل میں بھنگ کے پتوں کو باریک پینے کے لیے رگڑا لگایا جاتا ہے۔ تو ڈنڈے کے گھنگرو بج اٹھتے ہیں۔ بھنگ پینے والے لوگ اپنے آپ کو علیؑ کا ملنگ کہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ رگڑنے یا پینے کے دوران علی حیدرؑ اور یا علیؑ کے نعرے بلند ہوتے ہیں۔ ان لوگوں نے بھنگ پینے کے باقاعدہ آداب مقرر کر رکھے ہیں۔ چنانچہ کوئی نیا پینے والا اگر ان آداب کو ملحوظِ خاطر نہ رکھے۔ تو ان کی بھنگ بند کر دی جاتی ہے۔ عموماً بھنگ پینے والے کا حلیہ یوں ہوتا ہے کہ بدن پر میلے کچیلے کپڑے، بڑھے ہوئے ان دھلے بال، دونوں ہاتھوں کی انگلیوں میں کئی کئی انگوٹھیاں، کلائیوں میں پنج تن پاک کے کڑے، داڑھی مونچھیں بڑھی ہوئی اور آنکھیں ہر وقت سرخ۔

پانی ملانے سے پہلے کھرل میں رگڑنے کی وجہ سے جو ملغوبہ تیار ہو جاتا ہے۔ اسے "تغذی" کہا جاتا ہے۔ لاہور میں ایک اور عجیب و غریب بات میرے علم میں آئی۔ تو مجھے

حیرت کا جھٹکا لگا۔ شاہی قلعے کے دروازے کے باہر اور مینار پاکستان کے پارک کے اندر میں نے ایسے لوگوں کو دیکھا۔ جو ''بھنگ ملے پاپڑ'' فروخت کر رہے تھے۔ انہوں نے اپنے چھابڑے میں ظاہری طور پر دکھانے کیلیے عام نمکین پاپڑ رکھے ہوئے تھے۔ جبکہ ایک طرف پانچ انچ قطر کے چھوٹے چھوٹے گول پاپڑ دھرے تھے۔ یہ چھوٹے گول پاپڑ بھنگ سے تیار کیے گئے تھے۔ میں نے چند گھنٹے کی تحقیق کے دوران بے شمار پڑھے لکھے اور ماڈرن نوجوانوں کو بھی یہ پاپڑ خریدتے اور کھاتے ہوئے دیکھا۔ میں نے تحقیقی نقطہ نگاہ سے ایک پاپڑ خریدا۔ اور اس کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا چبا کر تھوک دیا۔ اس کا ذائقہ انتہائی تلخ اور بدبودار تھا۔ مجھے ذاتی تجربے کی بناء پر یہ محسوس ہوا کہ پانچ یا آٹھ روپے میں فروخت ہونے والا یہ چھوٹا سا پاپڑ بھنگ کا نہیں بلکہ زہر کا بنا ہوا تھا۔ لیکن افسوس کہ پولیس، شاہی قلعے کی انتظامیہ یا مینار پاکستان کی انتظامیہ سب کچھ جانتے بوجھتے ہوئے بھی ان پاپڑ فروشوں سے چشم پوشی کرتی ہے۔ لاہور میں بھنگ پر تحقیق کے دوران مجھے ملنگی کا گایا ہوا یہ شعر حرف بہ حرف درست معلوم ہوا:

شہر لہور دیاں اچیاں ماڑیاں
ہیٹھ کھیندی بھنگ وے خاناں!

ترجمہ: ''لاہور شہر میں بلند و بالا عمارات ہیں۔ لیکن ان کے نیچے بھنگ رگڑی جاتی ہے۔''

پاکستان بھر میں کوئی مزار یا دربار ایسا نہیں۔ جہاں بھنگ استعمال نہ ہوتی ہو۔ ان لوگوں نے بزرگانِ دین کے مزارات کو نشے کے اڈے بنا دیا ہے۔ حکومت کو چاہیے کہ وہ کاہل اور بیکار لوگوں کے اس گروہ کی اصلاح پر خصوصی توجہ دے۔

عام عوام میں دوسری منشیات کی نسبت بھنگ بہت کم استعمال ہوتی ہے۔ لیکن بعض مقامات پر بھنگ کے پکوڑے تیار کیے جاتے ہیں۔ اور عموماً ایک دوسرے کو مذاق کا نشانہ بنانے

کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔ یہ مذموم حرکت اکثر اوقات جان لیوا ثابت ہوتی ہے۔ اور مذاق بہت مہنگا پڑتا ہے۔

بھنگ کا نشہ کیا ہے؟ بے پناہ خشک ہونے کی وجہ سے دماغ کے خلیے صحیح طور پر کام کرنے سے معذور ہو جاتے ہیں۔ اور ہلکے پن کا ایک جھوٹا تاثر پیدا ہونے لگتا ہے۔ کسی مالیخولیائی مریض کی طرح بھنگ پینے والے کو اردگرد کے ماحول کا احساس نہیں رہتا۔ اور وہ دنیا سے کٹ کر ایک ہی جگہ بیٹھا نہ جانے کیا کیا سوچتا رہتا ہے۔ بھنگ کے نشے میں مبتلا شخص جب کسی ایک کیفیت کا شکار ہوتا ہے۔ تو گھنٹوں اسی ایک ہی کیفیت میں مبتلا رہتا ہے۔ ان کیفیتوں میں ''خوف'' سرِ فہرست ہے۔ بھنگ پی کر خوف کی شدت اس قدر بڑھ جاتی ہے کہ بھنگی ذرا ذرا سی بات پر بے پناہ خوفزدہ ہو جاتا ہے۔ اور بعض اوقات تو باقاعدہ کپکپانے لگتا ہے۔ اس کا چہرہ زرد پڑ جاتا ہے۔ اور آنکھیں اندر کی طرف دھنس جاتی ہیں۔ ذرا سی بلند آواز کا دھماکہ سن کر اس کا دل دہل جاتا ہے۔ اس کا بلڈ پریشر لو (LOW) ہو جاتا ہے۔ لیکن دل کی دھڑکن بڑھ جاتی ہے۔ جب ایک شخص بھنگ کے نشہ میں مبتلا ہو جائے۔ تو پھر اس کا نشہ اتارنے کا کوئی علاج نہیں۔ اسے کھٹی چیزیں کھلائیں یا میٹھی نشہ نہیں اترے گا۔ بلکہ میٹھی چیز کے استعمال سے نشہ اور بڑھ جائے گا۔ بھنگ پی کر نہانا تو اور بھی خطرناک ہے۔ دراصل بھنگ آسانی سے ہضم نہیں ہوتی۔ دیر تک معدے میں موجود رہتی ہے۔ جوں جوں دھیرے دھیرے ہضم ہوتی رہتی ہے۔ توں توں دھیرے دھیرے نشہ بڑھتا رہتا ہے۔ ہاں البتہ اگر پانی میں نمک ملا کر بھنگ میں مبتلا شخص کو بہت زیادہ مقدار میں پلا دیا جائے۔ تو اسے قے آ سکتی ہے۔ اس طرح قے کروانے سے نشہ ختم تو نہیں ہوتا البتہ کم ہو سکتا ہے۔ اور مریض خطرے کی زد سے باہر آ سکتا ہے۔ بھنگ پی کر اگر کوئی شخص بے ہوش ہو جائے۔ تو اسے فوری طور پر طبی امداد فراہم کی جانی چاہیے ورنہ وہ مر بھی سکتا ہے۔

بھنگ کا زیادہ استعمال مالیخولیا اور خبط میں مبتلا کر دیتا ہے۔ مریض چڑچڑا، بد مزاج اور کم گو ہو جاتا ہے۔ سر کے بال سفید ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔ اور جسم میں خون کی کمی واقع ہو جاتی ہے۔

شرعی نقطہ نگاہ سے بھنگ بھی حرام ہے۔ کیونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "نشے کی ہر چیز حرام ہے"۔ اور پھر بھنگ تو صحت کیلیے انتہائی نقصان دہ ہے۔ یہ تو ہو ہی نہیں سکتا کہ بھنگ کا عادی ایک شخص معاشرے کیلیے کسی کام کے قابل رہے۔ وہ معاشرے کیلیے ایک اضافی اور غیر ضروری بوجھ بن جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایسے لوگ عموماً درباروں اور مزارات پر مستقل ڈیرے ڈال دیتے ہیں۔ اب یقیناً ایسا نشہ تو حلال نہیں ہو سکتا۔ جو پوری انسانیت کیلیے اجتماعی طور نقصان دہ ہو۔

چرس

چرس عموماً دھوئیں کی شکل میں تمباکو کے ساتھ یا تنہا سانس کے ذریعے اندر کھینچی جاتی ہے۔ اور اس کے مالیکیول پھیپھڑوں میں داخل ہو کر خون میں پھیل جاتے ہیں۔ چنانچہ فوری طور پر سستی کا غلبہ طاری ہو جاتا ہے۔ اور زبان خشک ہونے لگتی ہے۔ خشکی کی بدولت دماغ کو نشہ یا سکر محسوس ہوتا ہے۔ جو کہ فی الحقیقت ایک جھوٹی کیفیت ہے۔ چرس بھنگ سے بنی ہے۔ چنانچہ بھنگ کی طرح یہ بھی ہلکے پن کا جھوٹا احساس پیدا کر دیتی ہے۔

مختلف ممالک میں اس کا استعمال مختلف طریقوں سے کیا جاتا ہے۔ مغربی ممالک میں چرس کا استعمال کثرت سے اور جدت کے ساتھ جاری ہے۔ فی الحقیقت پوری دنیا میں چرس کو متعارف کروانے میں "ہپی تحریک" کا بڑا ہاتھ ہے۔ یہ نوجوانوں کی ایک تحریک تھی جو 1960ء کی دہائی میں شروع ہوئی۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے دنیا کے طول و عرض میں پھیل گئی۔ بہت سے لوگوں کو یاد ہوگا۔ لمبے لمبے بالوں، گھنی داڑھی اور لمبی مونچھوں والے امریکی نوجوان اور لڑکیاں

چرس کی شہرت ۱۹۷۰ کی دہائی میں ہپیوں کے ہاتھوں دنیا بھر میں ہوئی۔ چرس بھنگ سے بنی ہے، چنانچہ بھنگ کی طرح قوت متخیلہ کو تحریک دیتی ہے۔ پاکستان میں عموماً اولیاء کرام کے مزارات پر رات رات بھر چرس کی محفلیں چلتی ہیں۔ صوبہ سرحد میں باڑے کے مقام پر اس کا بین الاقوامی سطح پر کاروبار ہوتا ہے۔

مادر پدر آزاد قریہ قریہ گھومتے رہتے تھے۔ سال سال لباس نہ بدلتے۔ اور نہ ہی نہاتے۔ یہ تحریک دراصل امریکی معاشرہ، ماحول اور مادہ پرستی سے مایوسی کی بنیاد پر شروع ہوئی تھی۔ ان کا کہنا تھا کہ شعور اور تہذیب نے انسان کو اس کی اصلیت سے دور کر دیا ہے۔ ہپیوں کے بقول حقیقی زندگی یہ نہیں جو ہم گزارتے ہیں۔ بلکہ حقیقی زندگی وہ ہے جو جنگل میں جانور بسر کرتے ہیں۔ ہپی (Hippy) کوئی سامان ہمراہ نہ رکھتے تھے۔ وہ ملک ملک گھومتے، آوارہ گردی کرتے، جب بھوک لگتی تو موقع کی مناسبت سے کھا پی لیتے۔ مثلاً شہر میں ہوتے تو کسی ہوٹل یا سٹال والے سے بھیک مانگ لیتے۔ اور کہتے کہ "یہ کتے کا انداز ہے"، اور یہ کہ کھانا کھانے کیلیے جانوروں کے سے طور اطوار اپنانا ہی حقیقی طریقہ ہے، کیونکہ ان کے بقول: "انسانی معاشرہ جھوٹ اور بددیانتی کی بنیاد پر استوار ہوا ہے۔ جبکہ جانور جھوٹ، مکر، فریب، بے ایمانی، بددیانتی اور دھوکہ دہی سے پاک ہوتے ہیں۔ کہیں مضافات میں ہوتے تو بھیڑیے یا عقاب کی طرح جھپٹ کر اپنے لیے روٹی کا ٹکڑا چھین لیتے تھے۔ ان کے جسم سے اٹھنے والی بدبو کی وجہ سے لوگ ان سے نفرت کرتے تھے۔ مغرب میں ہپیوں کو "فلاور پاور" (Flower Power) بھی کہا جاتا تھا۔ ہپی تحریک کا آغاز "سان فرانسسکو" سے ہوا۔ جنوبی امریکہ میں ہپی سیاسی طور پر بہانگ دہل بات کرنے والے، لڑاکا، فنکارانہ صلاحیتوں کے مالک اور نئی نئی باتیں کرنے والے ہوتے تھے۔ وہ منشیات کے بے پناہ دلدادہ تھے۔ چرس، کوکین، مارفین، گانجا اور بھنگ کے علاوہ "لسر جک ایسڈ" بہت زیادہ استعمال کرتے تھے۔ ہپیوں پہ "ہنٹر ایس تھامپسن" نے ایک مستقل کتاب لکھی ہے۔ جو "دی ہپیز" (The Hippies) کے نام سے مشہور ہے اور امریکہ میں دستیاب ہے۔

چنانچہ چرس یا دیگر منشیات کو جن میں ہیروئن اور انجکشن شامل نہیں ہپیوں نے شہرت و دوام بخشا۔ ستر کی دہائی میں ہپیوں کے کئی گروپ پاکستان اور ہندوستان میں بھی پھیل گئے۔ اور اسی زمانے

میں چرس برصغیر میں بہت زیادہ پی جانے لگی۔

چرس بڑے عجیب طریقے سے بنائی جاتی ہے۔ مادہ بھنگ کے وہ پتے جن پر لیسدار رطوبت موجود ہوتی ہے۔ پودے سے توڑ کر جمع کر لیے جاتے ہیں۔ اور پھر ایک تازہ ذبح کیے ہوئے بکرے یا بھیڑ کی کھال اس طرح اتاری جاتی ہے کہ پوری کھال محفوظ رہے۔ بھنگ کے جمع شدہ پتے تازہ کھال میں بھر کر کھال کو ہر طرف سے سلائی کر کے بند کر دیا جاتا ہے۔ اب یہ بھنگ کے پتوں سے بھری ہوئی کھال خشک ہونے کے لیے درختوں پر لٹکا دی جاتی ہے۔ تقریباً ایک ماہ بعد جب کھال اور اس میں موجود بھنگ اچھی طرح سوکھ جاتی ہے۔ تو اس میں سے تازہ چرس (Charas) بھورے رنگ کے مادہ کی شکل میں نکال لی جاتی ہے۔ بھورے رنگ کا وہ مادہ دراصل بھنگ کے وہی لیسدار پتے ہوتے ہیں۔ جو کھال میں سوکھ کر اس طرح کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ کھال سے نکالی گئی تازہ چرس کو "گردہ" کہا جاتا ہے۔ بعدازاں اس گردہ کو کسی قدر گرم کر کے بیلنے کی مدد سے اس قدر ردا یا جاتا ہے کہ وہ سیاہ رنگ اختیار کر لیتی ہے۔ اور پک کر پختہ ہو جاتی ہے۔ ایسی شکل میں چرس کو "شیرہ" کہا جاتا ہے۔

پشاور کے نزدیک "باڑے" کا مشہور علاقہ ہے۔ جہاں تمام ناجائز اشیاء ہر قسم کا اسلحہ اور ہر قسم کی منشیات کھلے عام فروخت ہوتی ہیں۔ یہ علاقہ عرف عام میں علاقہ غیر کے نام سے جانا جاتا ہے۔ باڑے میں ہیروئن بنانے کے علاوہ چرس وافر مقدار میں تیار کی جاتی ہے۔ باڑے کے علاقہ میں ہی ایک صوفی بزرگ "سید فضل الرشید شاہ المعروف باڑے باچہ" گزرے ہیں۔ اور ان کے مریدین صوبہ سرحد، بلوچستان کراچی اور پنجاب میں بے شمار پائے جاتے ہیں۔ باڑے باچہ جب تک زندہ رہے۔ ان کا آستانہ باڑے میں ہی شب و روز آباد رہا۔ اکیسویں صدی کے آغاز میں "باڑے باچہ" وفات پا گئے۔ انہیں ان کے آبائی گاؤں سوات میں دفنایا گیا۔ جہاں اب ہر سال ان کا باقاعدہ عرس ہوتا ہے۔

باڑے باچہ کے آستانہ پر چرس بے دریغ استعمال کی جاتی تھی۔ باڑے باچہ خود "سُلفی" اور "چلم" میں چرس پیتے تھے۔ سُلفی دراصل گانجا پینے کے لیے استعمال کی جاتی ہے۔ بہت زیادہ مقدار میں گانجا یا چرس سلگا کر اور ایک لپٹے ہوئے کپڑے کے درمیان رکھ کر دونوں ہاتھوں سے پی جاتی ہے۔ اور چلم چھوٹے حقے کو کہتے ہیں۔ باڑے باچہ خود چرس پیتے تو ان کے مریدین بھی تبرکا چرس کا استعمال کرتے۔ یہاں میں ایک وضاحت ضروری سمجھوں گا۔ باڑے باچہ کی چرس کشی سرحدی قبائل کی تہذیب کے لحاظ سے کوئی ایسی بات نہ تھی۔ جسے معیوب سمجھا جاتا۔ درحقیقت صوبہ سرحد میں چرس کو کوئی بہت زیادہ بڑی برائی سمجھا ہی نہیں جاتا۔ چنانچہ باڑے میں باڑے باچہ اور ان کے مریدین کا ہمہ وقت چرس پیتے رہنا کوئی عجیب بات نہیں تھی۔

باڑے باچہ کی طرح صوبہ سرحد کے ایک ضلع "ٹانک" کے نواح میں بھی ایک بزرگ صوفی گزرے ہیں۔ جن کو دنیا جانتی ہی "چرسی بابا" کے نام سے ہے۔ قبائلی علاقہ جات میں اس طرح کے اور بھی مزارات اور صوفیاء ہیں۔ جو چرس کا نشہ کرتے تھے۔

چرس کا نشہ بھنگ کے نشہ سے قدرے مختلف ہوتا ہے۔ اس کا تمام تر اثر دماغ پر ہوتا ہے۔ "بی بی سی لندن" نے غالباً کسی پروگرام میں چرس کے بارے میں اپنی تحقیقات نشر کی تھیں۔ جو مجھے اب اچھی طرح سے یاد نہیں۔ لیکن اتنا یاد ہے کہ انہوں نے چرس کے بارے میں یہ بتایا تھا کہ اس کا تمام تر اثر یہ ہے کہ یہ دماغ میں موجود رطوبتوں کو خشک کر دیتی ہے۔ دماغ میں موجود رطوبتیں، دماغ کی رگوں کے کیلیے انجن آئیل کا کام دیتی ہیں۔ وہ تیل جو کسی مشین کے پرزوں کو چالو کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ انجن آئیل کہلاتا ہے۔ رطوبتیں خشک ہو جانے پر دماغ کو دو طرح کے حالات کا شکار ہونا پڑتا ہے۔ یا تو دماغی افعال کی رفتار معمول کی رفتار سے سست پڑ جاتی ہے۔ اور یا یہ رفتار معمول کی رفتار سے تیز ہو جاتی ہے۔ ہر

دو صورتوں میں دماغ پر بوجھ بڑھ جاتا ہے۔ جونہی دماغ پر بوجھ یعنی ڈپریشن بڑھتا ہے۔ معدہ جو براہ راست دماغ کے ساتھ ساتھ چلتا ہے، ٹھیک طرح سے کام کرنا چھوڑ دیتا ہے۔ خود معدہ دماغ کو اپنی صحیح ضرورت سے آگاہ نہیں کر پاتا۔ بالفاظ دیگر چرس پینے سے کبھی بھوک زیادہ لگتی ہے اور کبھی بالکل نہیں لگتی۔ معدہ صحیح طور پر کام نہیں کرتا۔ اور تیزابیت پیدا کر دیتا ہے۔ تیزابیت بڑھ جانے سے خون کے مالیکیولوں میں کیمیائی طور پر فرق آ جاتا ہے۔ اور یوں بلڈ پریشر کا مرض شروع ہو جاتا ہے۔ بلڈ پریشر لو (Low) یا بلڈ پریشر ہائی (High)۔

چرس پینے سے قوتِ ارادی تباہ و برباد ہو کر رہ جاتی ہے۔ اسی طرح قوتِ عمل بھی مفقود ہو جاتی ہے۔ اور معاشرے کا اچھا خاصا شہری ناکارہ ہو جاتا ہے۔

چرس پاکستان میں افغانستان سے نہیں آتی۔ پشاور میں باڑہ کے اور درّہ آدم خیل کے مقام پر ہر روز منشیات کا کروڑوں روپے کا کاروبار ہوتا ہے۔ جس میں ملک کے بڑے بڑے وزراء، امراء اور حکمران شامل ہیں۔ اس سارے کاروبار کو یہودیوں کی عالمی تنظیم ڈرگ مافیا کنٹرول کرتی ہے۔ ہیروئن کی سرخی کے تحت ہم سمگلنگ کے موضوع پر بھی تھوڑی سی بات کریں گے...... بحیثیت مجموعی چرس دل و دماغ کے لیے ایک تباہ کن ہتھیار ہے۔ اور انسانیت کو اس سے دور رکھنا بہت ضروری ہے۔

لیکن فی زمانہ ہیروئن یا افیون، کوکین، مارفین کے مقابلے میں چرس کوئی ایسا نشہ نہیں جو زندگی کا ہی خاتمہ کر دے۔ چرس پینے والا عموماً لمبی عمر پاتا ہے۔ اور بالآخر کھانستے کھانستے ہی جان دیتا ہے۔

☆☆☆☆☆

باب:5

ڈرگز(DRUGS)

ہم گزشتہ ابواب میں ذکر چکے ہیں کہ نشہ بنیادی طور پر جسم میں پیدا ہونے والی اس کیمیائی تبدیلی کو کہا جاتا ہے۔ جو کسی شخص کا موڈ اور مزاج بدل دے۔ نشہ کی واضح اقسام دو ہیں۔

(1) جو ذہن کو متاثر کرے۔

(2) جو جسم کو متاثر کرے۔

ذہن کو متاثر کرنے والی منشیات میں بھنگ اور چرس وغیرہ شامل ہیں۔ جبکہ جسم کو متاثر کرنے والی منشیات کو ڈرگز کہا جاتا ہے۔ ان میں مشہور ترین...... افیم اور ہیروئن ہیں۔ یہ دراصل مختلف کیمیائی طریقوں سے تیار کی گئی انواع واقسام کی ادویات ہیں۔ جو انسانی جسم میں داخل ہو کر جسم میں ایک مستقل جسمانی تبدیلی پیدا کرتی ہیں۔ ڈرگز کے استعمال سے جگر میں موجود ''کوانیزائم (CoEnzyme)''...... ''ADH1'' کی مقدار زیادہ ہو جاتی ہے۔ اور "ADH2" کی مقدار کم۔ جس کی وجہ سے جسم میں پیدا ہونے والے زہریلے مادے جسم سے فوراً خارج نہیں ہو پاتے۔ اور یہ زہریلے مادے خون میں گردش کرتے ہوئے جسم کے باقی اعضاء کو اپنی لپیٹ میں لے لیتے ہیں۔ اور یوں ڈرگز کا عادی مختلف جسمانی بیماریوں کا شکار ہو جاتا ہے۔ جسم کے خلیے نشے کی نئی مقدار کے مطابق ڈھل جاتے ہیں۔ اور ان کی نارمل کارکردگی کے لیے نشے کی موجودگی ضروری ہوتی ہے۔ جس کی وجہ سے انحصاریت (Dependency) پیدا ہو جاتی ہے۔

" It is a Metabolic error which forces a user to consume excessive quantity of Drug. Alcohal to

produce good result."

ترجمہ: ''یہ ایک ایسی کیمیائی تبدیلی ہے جو ڈرگز استعمال کرنے والے کو مجبور کرتی ہے کہ اچھے نتائج کے لیے ڈرگز کی زیادہ سے زیادہ مقدار استعمال کرے۔''

اس لحاظ سے دیکھا جائے تو ڈرگز کو نشے کی فہرست میں شمار کرنا درست قرار نہیں پائے گا۔ کیونکہ نشہ تو اس عمل کو کہتے ہیں........ جو ذہن سے ہر قسم کے خیالات، ڈپریشنز اور ٹینشنز کو دور کر دے۔ مثلاً شراب یہی کام کرتی ہے۔ ڈرگز کا براہِ راست کوئی اثر ذہن پر نہیں پڑتا، یہ صرف جسم کو سکون فراہم کرتی ہیں۔ نشہ آور ڈرگز کی بے شمار اقسام ہیں۔ سرفہرست افیون اور ہیروئن اور اس کے بعد سکون آور انجکشن، کیپسول، سیرپ، گولیاں اور کئی قسم کے سفوف شامل ہیں۔

افیون (افیم)

افیم جس سے ہیروئن بنتی ہے۔ پوست کے پودے سے حاصل کی جاتی ہے۔ پوست افغانستان، پاکستان اور ہندوستان میں کاشت کی جاتی ہے۔ پوست کا پودا ایک انتہائی مفید اور قیمتی پودا ہے۔ جس سے ہم عموماً خشخاش حاصل کرتے ہیں۔

خشخاش پوست کے پھول میں اور اس کے اندر موجود پوست کے بیج کو کہتے ہیں۔ یہ نہایت باریک چھوٹے چھوٹے گول بیج ہوتے ہیں۔ رنگ میں عموماً یہ بیج سفید اور سیاہ دونوں قسم کے پائے جاتے ہیں۔ لیکن عام استعمال میں سفید خشخاش ہی مستعمل ہے۔ خشخاش کا ذائقہ پھیکا۔ اور قدرے شیریں ہوتا ہے۔ اس کا مزاج دوسرے درجے میں سرد اور پہلے درجے میں تر ہے۔ ''کتاب مفردات'' میں خشخاش کے بارے میں لکھا ہے:

> ''قابض، مخدر، منوم، مبرد اور نافع سعال ہے۔ اعضاء کو شل اور سست کرتی ہے۔ نیند لاتی ہے۔ پتلے مواد کو پختہ کرتی ہے۔ پھیپھڑوں اور

> آنتوں کے جریانِ خون کو بند کرتی ہے۔ سینے وحلق کی خشکی زائل کرتی ہے۔ اس کا حریرہ، نشاستہ اور مغز بادام کے ساتھ مقوی دماغ وباہ ہے۔ پیشانیوں اور کنپٹیوں پر اس کا ضماد لگانا بے خوابی کو دور کرتا ہے۔ مخدر ہونے کی وجہ سے خشخاش ایک تولہ بکری کے دودھ میں پیس کر اور گرم کر کے نقرس کے درد پر لگانا مفید ہے۔ شربت خشخاش یا خشخاش کا میٹھا تیل اس کے مشہور مرکبات ہیں۔"

پوست کا پودا خودرو حالت میں نہیں پایا جاتا۔ اس کی دو اقسام ہیں۔ (1) بستانی (2) بری۔ ہندوستان میں "ہوشیار پور، پورب، دکن اور روہیل کھنڈ" میں اس کی کاشت ہوتی ہے۔ پاکستان میں صوبہ سرحد اور افغانستان میں تقریبا ہر جگہ بڑے پیمانے پر پوست کاشت کی جاتی ہے۔ جب سے ہیروئن ایک موذی منشیات کے طور پر متعارف ہوئی ہے۔ پوست کی کاشت پر بین الاقوامی قوانین کے تحت پابندی لگادی گئی ہے۔ طالبان کے دور حکومت میں جب افغانستان پر مختلف پابندیاں لگائی گئیں۔ تو ان میں پوست کی کاشت پر پابندی کا حکم سر فہرست تھا۔ اور پھر جب طالبان نے افغانستان میں پوست کاشت کرنے والوں کو اس کی کاشت سے روکا۔ تو چند دنوں میں پورے افغانستان نے پوست کی کاشت ترک کردی۔ اور دنیا بھر میں ہیروئن بنانے کے کارخانے بری طرح متاثر ہوئے۔ انہیں دنوں ہیروئن کی قیمت بڑھ کر آسمان سے باتیں کرنے لگی۔ اور دنیا بھر میں موجود ہیروئنی بری طرح تڑپنے لگے۔ لیکن عالمی تنظیم ڈرگ مافیا کو طالبان کی پابندی پسند نہ آئی۔ طالبان کا کل دور حکومت چھ سال ہے۔ جب تک طالبان نے پوست کی کاشت پر پابندی نہ لگائی۔ آرام سے حکومت کرتے رہے۔ اور جونہی انہوں نے ہیروئن اور پوست کو سختی سے ممنوع قرار دیا۔ امریکی ڈرگ مافیا کے خاص ایجنٹ خصوصا پریزیڈنٹ آف امریکہ اور رمز فیلڈ طالبان پر چڑھ دوڑے۔ پوست کے بارے میں

حکیم مظفر حسین اعوان نے مندرجہ ذیل الفاظ لکھے ہیں:

> "مخدر، منوم، مسکن اوجاع، قابض، حابس الدام، اس میں قوت تخدیر اور قوت ردع ہے۔ تسکین وتخدیر کی وجہ سے دردسر، درد عصابہ، شقیقہ، ذات الجنب، درد کمر وغیرہ میں اندرونی اور بیرونی طور پر مستعمل ہے۔ اس کا لعوق خشک کھانسی اور امراض سینہ کو مفید ہے۔ اس کا جوشاندہ یا نقوع قابض نہیں۔ لیکن اس کا جرم قابض ہے۔ اس کا سفوف ورم معدہ وامعاء اسہال وپیچش کو فائدہ کرتا ہے۔ کثرت، قاتل ہے۔"

جب پوست کے پودے کے پھول کی پنکھڑیاں جھڑ جاتی ہیں۔ اور پھول کا تھیلی یعنی پیچھے بچ رہنے والا ڈوڈا ابھی نیم پختہ ہوتا ہے۔ تو سہ پہر کے وقت اس ڈوڈے کی سطح پہ چند شگاف لگا دیے جاتے ہیں۔ ایسے شگاف جو پوست کے اندر تک نہ جائیں۔ شگاف دینے سے ایک قسم کا دودھ نکل کر ڈوڈے کی سطح پر جم جاتا ہے۔ جسے اگلی صبح کھرچ کر خشک کر لیا جاتا ہے۔ یہ خام افیون ہے۔ بالکل تازہ، ملائم، چمکدار، چپچپی اور دانے دار ہوتی ہے۔ خالص افیون آگ لگانے سے جلتی ہے۔ اور پانی میں تیزی کے ساتھ حل ہونا شروع ہو جاتی ہے۔ اس کی عمر پچاس سال ہے۔ یعنی یہ پچاس سال تک پڑی رہے تو خراب نہیں ہوتی۔ اس کی رنگت سیاہی مائل بھوری اور ذائقہ کڑوا ہوتا ہے۔

افیم درحقیقت اعضاء کو سن کر دیتی ہے۔ اس کا نشہ دماغ سے زیادہ جسم پر اثر انداز ہوتا ہے۔ سب سے پہلے معدہ سن ہو کر بھوک کا احساس کھو بیٹھتا ہے۔ بھوک نہیں لگتی۔ چنانچہ ذخیرہ شدہ چربی بدن میں بطور خوراک استعمال ہونا شروع ہو جاتی ہے۔ اور بہت جلد جب جسم میں ذخیرہ شدہ چربی بھی باقی نہیں رہتی۔ تو خوراک کی کمی کے باعث افیونچی بالکل لاغر، منحنی اور دھان پان سا ہو جاتا ہے۔ ....افیون کا نشہ کوئی نشہ نہیں ہے۔ بلکہ یہ اعضاء کو وقتی طور

پر سلا دینے یا ناکارہ کر دینے کا نام ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ افیون کو نشہ ہی نہ سمجھا جائے۔ جسم کسی کام کرنے کا اہل نہ ہو تو اس کا کیا مطلب ہے۔ یہی کہ دماغ جسم کو کام کرنے کی ہدایات جاری نہیں کر رہا۔ جب تک دماغ جسم کو کام کے لیے آمادہ نہیں کرے گا۔ جسم کام نہیں کرے گا۔ ثابت ہوا کہ دماغ کا وہ حصہ جہاں سے عضلات اور پٹھوں کو کنٹرول کیا جاتا ہے۔ افیون کے مالیکیولوں کے حملے کا شکار ہو جاتا ہے۔ آرام کی ایک ایسی کیفیت جس میں کچھ نہ کرنے یا فارغ رہنے کا احساس (Gilty) دل کو نہ ستائے، افیون کے نشہ کا خاصہ ہے۔ ایک افیونچی دن بھر ہاتھ ہلائے بغیر کسی کونے میں بیٹھا یا لیٹا رہ سکتا ہے۔ اور اسے ذرہ بھر احساسِ ندامت بھی نہ ہوگا کہ وہ کیونکر دن بھر بیکار رہا۔

فی زمانہ افیون کا استعمال اتنا عام نہیں رہا۔ جتنا قبل ازیں تھا۔ ماضی میں ہیروئن یا دوسرے جدید منشیات کو کوئی نہ جانتا تھا۔ پوست عام کاشت ہوتی تھی۔ اور افیون ہر جگہ سستے داموں دستیاب تھی۔ لیکن اب تو قدم قدم پر میڈیکل سٹور ہیں۔ اور ہر میڈیکل سٹور میں سستی سے سستی منشیات مل سکتی ہے۔ چنانچہ مجموعی طور پر افیون کے استعمال میں کمی واقع ہوئی ہے۔ البتہ ادویات میں افیون کا استعمال تاحال پہلے سے بھی بڑھ چکا ہے۔ دیسی یا یونانی طریقہ علاج میں تو خیر افیون کا استعمال عرصہ قدیم سے چلا آتا ہے۔ آج کل انگریزی ادویات میں بھی افیون بے دریغ استعمال کی جانے لگی ہے۔

ایک اور اہم بات جو افیون سے نشہ کا سبب ہے۔ وہ یہ ہے کہ افیون کا نشہ قوت متخیلہ کو تباہ و برباد کر دیتا ہے۔ وہ قوت متخیلہ جو جنس، شراب یا چرس کے نشے میں کبھی سات بلندیوں اور کبھی سات سمندروں کی سیر کرتی رہتی ہے۔ افیون کھانے کے بعد سرے سے موجود ہی نہیں رہتی۔ وہی ایک خیال ایک سیکنڈ سے زیادہ دیر کے لیے دماغ میں جم کر نہیں رہ سکتا۔ اور پھر وہ تمام .... جب تک افیم کا نشہ طاری رہا۔ کسی گم شدہ متاع کی طرح گم ہو جاتا ہے۔

پوست (افیون) کا پودا......... پوست کے ڈوڈے سے نکلتی ہوئی تازہ افیون۔

ہوش میں آنے کے بعد اچھی طرح سے یاد بھی نہیں ہوتا کہ...... اس دوران کیا، کچھ اعمال وافعال سرانجام دیے۔ البتہ وہ لوگ جو مسلسل اور بے دریغ افیم کھاتے ہیں۔ بظاہر پوری طرح ہوش میں رہتے ہیں۔

افیم بھی دوسری منشیات کی طرح صوبہ سرحد اور بلوچستان کے قبائلی علاقہ جات میں فروخت ہوتی ہے۔ صوبہ سرحد میں پشاور کا "باڑہ" اور دوسرا شہر "درہ آدم خیل" اس کاروبار کے مراکز ہیں۔ یہاں سے چرس، افیم، ہیروئن، جعلی کرنسی، کسٹم نان پیڈ (Custom non paid) گاڑیاں اور اسلحہ پورے ملک بلکہ غیر ممالک میں بھی بھیجا جاتا ہے۔ بڑے بڑے حکمران اس مذموم دھندے کو بند نہیں کروا سکے۔ اور وجہ اس کی یہی ہے کہ اس بڑی منڈی کو چلانے والے بھی مافیا گینگ کے اہم لوگ ہیں۔ جو کسی بھی ملک کی کسی بھی حکومت کو خاطر میں نہیں لاتے۔ مافیا گینگ نے افغانستان کے ساتھ ملنے والی پاکستان کی سب سے بڑی بارڈر "لنڈی کوتل" پر گہری نظر رکھی ہوئی ہے۔ یہاں سے افغان شہر "جلال آباد" تک پختہ سڑک جاتی ہے۔ اور دونوں ممالک کے مابین دن بھر بے پناہ ٹریفک کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ اس میں 90 فی صد سے زیادہ ٹریفک منشیات کی سمگلنگ کے لیے استعمال کی جاتی ہیں۔ باقی دس فیصد آمدورفت، دوسری اشیاء کی سمگلنگ پر مبنی ہیں۔ ایسا مقام جہاں سے مافیا گینگ کے لیے غالباً سب سے زیادہ منشیات فراہم کی جاتی ہو۔ کیونکر بند کیا جا سکتا ہے۔ اس وقت بھی "اڈیالہ جیل" راولپنڈی میں ایسے نائیجیرین نوجوان قید ہیں۔ جو پاکستان سے ہیروئن کی سمگلنگ کرتے ہوئے پکڑے گئے۔ افیون، ہیروئن کی ماں ہے۔ لیکن ہیروئن کی طرح قاتل نہیں ہے۔ مگر یہ حقیقت ہے کہ اچھے بھلے انسان کو ایک ایسے قعرِ مذلت میں گرا دیتی ہے۔ جہاں سے نکلنا ممکن نہیں۔ افیونچی کی زندگی بھی ہیروئنچی کی طرح معاشرے کے لیے ایک بے کار بوجھ سے زیادہ کچھ نہیں ہوتی۔ یہ ایک انتہائی مہنگا میٹریل ہے۔ اور اس وقت گھٹیا سے گھٹیا افیون کا ریٹ بھی "باڑے" میں 40,000 روپے فی کلو سے کم نہیں۔

ماضی میں انسان کو جتنی موذی وباؤں کا سامنا کرنا پڑا۔ آج ان کے نام سن کر بھی خوف آتا ہے۔ مثلاً جذام (کوڑھ)، طاعون، چیچک، ٹی بی، یا ہیضہ وغیرہ۔ ہندو تو ان وباؤں سے اس قدر خوفزدہ ہیں کہ انہوں نے ان بیماریوں کو مذہب کی قہرمان دیویاں تصور کر رکھا ہے۔ مثلاً چیچک کو ہندی زبان میں "پھل ماتا" کہا جاتا ہے۔ اور یہ تو آپ جانتے ہی ہوں گے کہ ہندومت میں "ماتا" دیوی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً گاؤ ماتا، دھرتی ماتا وغیرہ۔

لیکن آنے والے ادوار میں عمرانیات کا مؤرخ بیسویں صدی کے آخری نصف میں متعارف ہونے والی ہیروئن کو کسی قہرمان دیوی سے کم نہیں لکھے گا۔ زیر نظر کتاب لکھنے کا اصل محرک ہیروئن سے پھیلنے والی تباہی اور بربادی ہی ہے۔ میں جب بھی کسی ہیروئنی کو مرتے دیکھتا۔ تو میرے رونگٹے کھڑے ہو جاتے۔ میں نے اپنی آنکھوں کے سامنے دس سے زیادہ نوجوانوں کو ہیروئن کے مرض میں مبتلا ہوتے اور دم توڑتے دیکھا ہے۔ اگرچہ عین ان کے عالم نزع کے وقت تو میں ان کے قریب نہیں تھا لیکن ان کی موت کے بعد میں نے ان کے جنازے اور نعشیں دیکھی ہیں...... مطلب یہ ہے کہ جب کوئی ہیروئنی کسمپرسی کی حالت میں کچرے کے کسی ڈھیر پر مرا ہوا پایا جاتا ہے۔ اور لوگ اسے دیکھنے کے لیے جاتے ہیں۔ تو میں بھی ایسے مواقع پر ضرور جاتا ہوں۔ باقی لوگوں کے دیکھنے اور میرے دیکھنے میں یہی فرق ہے کہ وہ دیکھتے، کچھ دیر افسوس کرتے اور پھر چلتے نظر آتے ہیں۔ جبکہ میں اس سارے منظر کو اور مرے ہوئے ہیروئنی کے کربناک چہرے کو اپنے ذہن کی تختی پر محفوظ کر لیتا ہوں۔ آج بھی میری آنکھوں کے سامنے اپنے علاقے کے وہ تمام نوجوان، جو ایک ایک کر کے عبرتناک موت مرتے چلے گئے۔ موجود ہیں، آپ یاد کریں۔ تو آپ کو بھی ایسے بہت سے نوجوان چہرے یاد آئیں گے۔ جو کبھی تروتازہ اور خوش طبع ہوا کرتے تھے۔ لیکن پھر رفتہ رفتہ ہیروئن کا گھن انہیں

چاٹنے لگا، اور پھر ایک وقت وہ آیا۔ جب ان کی لاش کسی کچرے کے ڈھیر، کسی گٹر یا کسی گلی میں پڑی سڑتی نظر آئی۔ منیر قصائی، لال خان منڈی والے کا بیٹا، فیاض، باوا ریاض شاہ، واجد شاہ، اچھو شیخ، چوچنا، اکرام، مشرف خان، باوا اشفاق شاہ، "بندو مراسی" اعجاز شیخ عرف جاڈو اور ملک طاہر الحسن......نہ جانے کتنے نام ہیں۔ جو ہیروئن کی نظر ہوئے۔

؎ زمیں کھا گئی آسماں کیسے کیسے

یا یوں کہیے کہ:۔

؎ زمیں کھا گئی نوجوں کیسے کیسے

ملک طاہر الحسن تو غضب کا شاعر تھا۔ ڈاکخانے میں ملازم تھا۔ کھاتے پیتے گھرانے سے تھا۔ پہلی بار جب میں نے "بزمِ فکر و فن" کے مشاعرے میں اسے دیکھا۔ تو اس کی خوبصورت جوانی پر مجھے رشک آنے لگا۔ کیا غضب کے شعر کہتا تھا۔ ایک شعر آپ بھی دیکھیے:

؎ اجنبی دھوپ کا مارا تھا اسے کیا معلوم
سانپ رہتا ہے کوئی سایہ دیوار کے ساتھ

لیکن جب ہیروئن کے نشے پر لگا۔ تو ہر گزرنے والے دن کے ساتھ موت کی طرف کھنچتا چلا گیا۔ ماں باپ نے یہ سوچ کر کہ شاید ٹھیک ہو جائے۔ اس کی شادی کروا دی۔ اوپر تلے دو بچیاں پیدا ہوئیں۔ لیکن وہ مسلسل ہیروئن پیتا رہا۔ جب ڈاکخانے کی نوکری کثیر غیر حاضریوں کی وجہ سے جاتی رہی۔ تو طاہر الحسن جو کبھی اکڑ کر چلتا تھا۔ قریبی دوستوں سے خیرات مانگنے لگا۔ لیکن بھیک کا پیسہ بھی ہیروئن کا نوکن خریدنے کے لیے ناکافی ثابت ہوا۔ تو طاہر نے انٹی ول کے انجکشن لینا شروع کر دیے۔ اندھی حکومت خاموش رہی۔ اور گلی گلی میں خطرناک انجکشن فروخت ہوتے رہے۔ ایک دن خبر ملی کہ ملک طاہر الحسن کسی ویرانے............

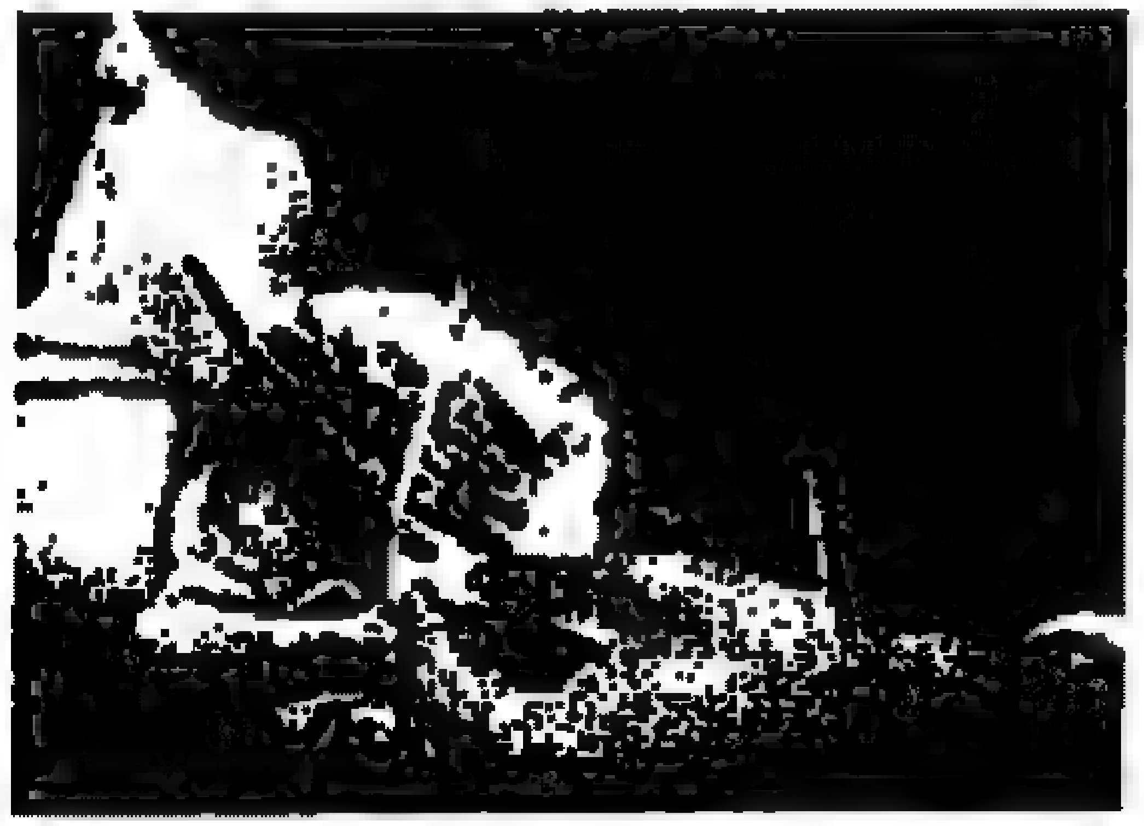

میں مرا ہوا پایا گیا.........اور فیاض؟؟؟؟ فیاض تو ایم۔ اے اسلامیات تھا۔ گورا چٹا، دراز قد نیلی آنکھوں والا فیاض سارا سارا دن ہیروئن کی تلاش میں مارا مارا پھرتا۔ ہیروئن نہ ملتی تو خود کو انجکشن لگاتا۔ اور پھر ایک صبح معلوم ہوا کہ سخت سردیوں کی ٹھٹھرتی ہوئی رات میں "نوری حضوری کے قبرستان" کے اندر فیاض اپنے ساتھیوں کے ساتھ خود کو انجکشن لگاتے ہوئے ہلاک ہوگیا۔ اس کے تمام ہیروئنی ساتھی اسے قبرستان میں گہری دھند کے اندر چھوڑ کر بھاگ گئے۔ صبح تک وہ ٹیڑھا میڑھا ہی اکڑ چکا تھا.........منیر قصائی نے گلے میں پھندا ڈال کر خودکشی کر لی تھی۔ اور کس کس کا ذکر کروں ....ہاں! باوا ریاض شاہ جو ایک ایس ایچ او کا بیٹا تھا۔ ہیروئن کی لت میں پڑ کر ایسا ناکارہ ہوا کہ ایک روز ایک تیز رفتار گاڑی اسے کچلتی ہوئی نکل گئی۔ اور وہ ہارن بھی نہ سن سکا۔

پشاور کے لاری اڈے پر ایک ہیروئنی کی لاش کا تصور کیجیے۔ جو مسافر خانے کے فرش پر آڑا ترچھا پڑا ہے۔ جس کی شلوار کے پائینچے سے پاخانہ اور غلاظت باہر کی طرف لڑھک چکی ہے۔ اس کے کپڑے پھٹے ہوئے اور سر کے بال، داڑھی اور مونچھیں مٹی سے اٹی ہوئی ہیں۔ پندرہ بیس ہیروئنیوں کا ایک جمگھٹا اس کے ارد گرد کھڑا اسے انتہائی کربناک نظروں سے دیکھ رہا ہے۔ کچھ دیر بعد میونسپلٹی کی ٹرالی آتی ہے۔ اور اسے کچرے کے ڈھیر کی طرح ٹرالی میں پھینک دیا جاتا ہے۔ پیچھے کھڑے ہیروئنی دیکھتے رہ گئے۔ اور کارپوریشن والے ایک اور ہیروئنی کو بے نام و نشان، مٹی میں دبانے کے لیے لے گئے۔ وہ غالب نے کیا خوب کہا تھا:

؎ ہوئے مر کے ہم جو رسوا، ہوئے کیوں نہ غرقِ دریا
نہ کبھی جنازہ اٹھتا، نہ کہیں مزار ہوتا

ہیروئن کا نام میں نے سب سے پہلے 1979ء میں سنا۔ اسی سال افغان مہاجرین کے ہمراہ ہیروئن ہمارے پاک وطن میں داخل ہوئی۔ آج چوبیس سال ہونے کو آئے ہیں۔ اور

نہ جانے اب تک کتنے شیر جوان اس قہرمان عفریت کا شکار ہو کر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے مٹ گئے ہیں۔ لاہور ایک ایسا شہر ہے۔ جہاں ہر دم زندگی رواں دواں رہتی ہے......اور موت بھی زندگی کے ہمراہ قدم بقدم چلتی رہتی ہے۔ لاہو کا کوئی فٹ پاتھ ایسا دکھائی نہیں دیتا۔ جہاں چند ایک ہیروئنی نہ بیٹھے ہوں۔ وہ اُکڑوں بیٹھے اپنی کہنی موڑے عموماً اپنے ہی بازو میں انجکشن لگاتے دکھائی دیتے ہیں۔ خصوصاً بھاٹی، لوہاری یا ٹیکسالی کا علاقہ تو ہیروئنیوں سے اٹا پڑا ہے۔ ہیروئن، افیم، مارفین، کوکین اور انجکشن، لاہور میں کھلے عام دستیاب ہیں۔ پولیس خود ان اشیاء کی سوداگر ہے۔ اور اپنے ہاتھوں سے، پولیس کی گاڑیوں میں رکھ کر منشیات فروشوں تک پہنچاتی ہے۔ جس وطن کے رکھوالے لٹیرے بن جائیں، وہاں کا یقیناً اللہ ہی حافظ ہے۔

خدا حافظ تمہارا دوستو! اس چورنگری میں
یہاں کے پالتو کتے بھی رکھوالی نہیں کرتے (قاسم شاہ)

کراچی کا حال لاہور سے بھی بڑھ کر برا ہے........ پشاور کا ذکر میں پہلے کر چکا ہوں۔ بعینہ یہی صورتحال روالپنڈی اور کوئٹہ کی بھی ہے۔ الغرض پورا ملک منشیات کے خطرناک حد تک مرض کی لپیٹ میں ہے۔ زیادہ تر لوگ جنہیں اپنی سفید پوشی کا بھرم بھی رکھنا ہے۔ خواب آور گولیوں پر گزارہ کرتے ہیں۔ لیکن اس حقیقت سے حکومت سمیت کسی کو بھی انکار نہیں کہ ہیروئن اب تک لاکھوں گھروں کو اجاڑ چکی ہے۔ کہنے کو ایک نارکاٹکس کنٹرول بورڈ موجود ہے۔ لیکن عملی طور پر اس کی کارگردگی زیرو ہے۔ حکومت کے پاس اور بہت سے فضول کاموں کے لیے بے پناہ افرادی قوت، پیسہ اور وقت وافر مقدار میں موجود ہے۔ لیکن انسداد منشیات کے سلسلے میں حکومت اس خرگوش کی طرح سو رہی ہے۔ جو ایک رینگتے ہوئے کچھوے سے مات کھا گیا تھا۔

ہیروئن سفیدی مائل بھورے رنگ کا ایک پاؤڈر ہے۔ یہ صرف سفید رنگ میں بھی دستیاب ہے۔ اسے ہم افیون کا ایکسٹریکٹ (Extract) کہہ سکتے ہیں۔ کیونکہ یہ افیون کی ہی

سمگلروں کا وائٹ گولڈ، انگلش میں ہیروئن، ہمارے ہاں پاؤڈر اور نشہ باز کے لیے موت۔

ایک جدید شکل ہے۔ دس کلوگرام خالص افیون سے صرف ایک کلو ہیروئن تیار ہوتی ہے۔ اس سے بڑھیا ہیروئن تیار کرنے کیلیے اس سے بھی زیادہ افیون استعمال کی جاتی ہے۔ کچھ دوسرے کیمیکل ملاکر اسے پاؤڈر کی شکل میں لایا جاتا ہے۔ ہیروئن کا ایک نام ڈایا مارفین (Diamorphine) بھی ہے۔ ہیروئن ایک طاقتور ''اینال جیسک'' ڈرگ ہے۔ اینال جیسک (Analgesic) ان ڈرگز (Drugs) کو کہا جاتا ہے۔ جو شعور کو گم کیے بغیر درد کا خاتمہ کردیں۔ ہیروئن مارفین کی نسبت کئی گنا زیادہ خطرناک ہے۔ لیکن مارفین کی طرح معدے کو زیادہ خراب نہیں کرتی۔ صرف امریکہ میں ہیروئن پینے والوں کی تعداد دو (2) ملین کے قریب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امریکہ میں ہیروئن کی خرید وفروخت اور استعمال پر شدید پابندی ہے۔ یہاں تک کہ ہیروئن کا ادویات میں استعمال بھی ممنوع ہے۔ اور انٹرنیشنل قانون کی رو ہیروئن کے بیوپاری یعنی سمگلر کیلیے موت کی سزا مقرر کی گئی ہے۔

ہیروئن کا نشہ اپنی نوعیت کے اعتبار سے شراب، بھنگ، چرس اور افیون سے مختلف ہے۔ ہیروئن پینے کے بعد ہیروئنی کے جسم کا ایک ایک ''انگ'' ہر قسم کے درد، دباؤ، بوجھ، جلن اور کھنچاؤ سے آزاد ہوجاتا ہے۔ ہیروئن جسم میں داخل ہوتے ہی پورے بدن کو ہلکا پھلکا کردیتی ہے۔ اس دوران شعور پوری طرح حاضر رہتا ہے۔ ہیروئن کا نشہ نہ ملنے کی صورت میں مندرجہ ذیل علامات ظاہر ہوتی ہیں۔

(1) سانس اکھڑتا محسوس ہوتا ہے۔

(2) جلد نم ہوجاتی ہے۔

(3) بھوک ختم ہونے لگتی ہے۔

(4) طبیعت میں جھنجھلاہٹ آجاتی ہے۔

(5) آنکھوں اور ناک سے پانی بہنے لگتا ہے۔

ہیروین اور دوسری نشہ آور اشیأ کی خرید وفروخت میں عورتیں بھی نمایاں حیثیت رکھتی ہیں۔

(6) جمائیاں آتی ہیں۔

(7) پورے بدن، خاص طور پر پنڈلیوں اور جوڑوں میں شدید درد ہوتا ہے۔

(8) بعض اوقات الٹیاں بھی آنا شروع ہو جاتی ہیں۔

ہیروئن کی سب سے خطرناک بات یہ ہے کہ یہ فرد کو بہت تیزی کے ساتھ اپنا عادی بنا لیتی ہے۔ ہیروئن کے عادی شخص کا بہت جلد نشے کی مقدار پر کنٹرول ختم ہو جاتا ہے۔ یعنی اسے جتنی بھی ہیروئن ملتی ہے۔ وہ ساری استعمال کر لیتا ہے۔ اسی طرح ہیروئنی کا نشہ کے وقت پر بھی قابو نہیں رہتا۔ اور مریض اتنا بے صبرا ہو جاتا ہے کہ اپنے نشے کو کسی اور وقت پر ملتوی نہیں کر سکتا۔ نہ ہی ہیروئنی نشہ کرنے کی جگہ کا خیال کرتا ہے۔ اسے جہاں موقع ملے وہ نشہ شروع کر دیتا ہے۔

ہیروئن اگرچہ پاکستان میں 1979ء میں داخل ہو چکی تھی۔ لیکن ہماری حکومت کے علم میں ہیروئن کی خبر 1981-82ء میں آئی۔ اس وقت تک ہیروئن ملک کے طول و عرض میں پھیل چکی تھی۔ شروع شروع میں لوگ اس کے خطرناک اور بھیانک نتائج سے واقف نہیں تھے۔ چنانچہ بیسویں صدی کی صرف ایک اسّی (80) کی دہائی میں قوم کے لاکھوں نوجوان اس سفید موت کا شکار ہوئے۔

ہمارے ہاں عموماً یہ ٹرینڈ بن چکا ہے کہ ہر قسم کی زیادتی اور نقصان کا ذمہ دار اسرائیل کے یہودیوں کو ٹھہرا دیا جاتا ہے، ہو سکتا ہے۔ بعض کوتاہیاں ہماری اپنی "قسمت" کا حصہ ہوں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ زیادہ تر بڑی بڑی یلغاریں اور خطرناک اخلاقی حملے واقعتاً یہود و ہنود کی کارروائی ہیں۔ اور ہیروئن تو بالخصوص ایک مکمل سوچی سمجھی منصوبہ بندی کے تحت پاکستان میں پھیلائی گئی ہے۔ واقعہ یوں ہے کہ امریکہ نے سرد جنگ کے آغاز میں روس کے خلاف جو جو ہتھیار استعمال کیے۔ ان میں ہیروئن بھی شامل تھی۔ جنگ کے آغاز میں ہی افغانستان کے شہر "جلال آباد" جو پشاور سے چند کلو میٹر کے فاصلے پر ہے...... کی ویران پہاڑیوں میں یہودیوں

کی عالمگیر تنظیم "ڈرگ مافیا" نے ہیروئن کی فیکٹری قائم کر دی تھی۔ افغان مہاجرین جوں جوں پاکستان منتقل ہوتے رہے۔ مغربی ماہرین کی یہ جدید ایجاد بھی پاکستان منتقل ہوتی رہی۔ اسّی (80) کی دہائی میں روس، امریکہ سرد جنگ عروج پر رہی۔ امریکہ نے بیک وقت دو تیر چلائے۔ (1) پاکستانی نوجوانوں کو ہیروئن پر لگانے کی منصوبہ بندی کی، دوسرے وہ نوجوان جو ہیروئن پر نہ لگ سکے مجاہدین بن کر روس کے خلاف لڑنے کے لیے افغانستان جاتے رہے۔ لیکن امریکہ کا یہ وار آگے چل کے اس کے اپنے لیے مصیبت بن گیا اور اسامہ بن لادن کے سپاہیوں نے سپر پاور امریکہ کی تمام ساکھ اور بھرم کو آن واحد میں خاک کا لباس پہنا دیا۔ لیکن یوں پاکستانی حکومت اور عوام امریکہ کے ہاتھوں کھلونا بنے رہے۔

ہیروئن استعمال کرنے کے کئی طریقے ہیں۔ شروع شروع میں افغان مہاجرین جو طریقہ اپنے ساتھ لائے۔ وہ اب تقریباً متروک ہو چکا ہے۔ اور وہ تھا ہیروئن سونگھنے کا طریقہ۔ ہیروئن کا پاؤڈر چٹکی میں پکڑ کر ناک کے ذریعے سونگھا جاتا تھا۔ بعد ازاں پاؤڈر سگریٹ میں بھر کر پیا جانے لگا۔ ہیروئنی کو سگریٹ میں پاؤڈر بھرنے کے لیے سگریٹ سے تمباکو نہیں نکالنا پڑتا۔ جیسا کہ چرسیوں کو نکالنا پڑتا ہے۔ ہیروئنی ہونٹوں میں سگریٹ رکھ کر سانس اندر کی طرف کھینچتے ہیں، اور یوں سارا پاؤڈر جو انتہائی باریک سفوف ہوتا ہے۔ سگریٹ کے اندر کھنچا چلا جاتا ہے۔ لیکن سب سے معروف طریقہ "پنّی لگانے" کا ہے۔ ہیروئن کا پاؤڈر ایک ایسا سفوف ہے۔ جو آگ دکھانے سے پگھل کر پانی ہو جاتا ہے۔ عموماً سگریٹ کی ڈبیا میں موجود سلور رنگ کی پنّی ڈبیہ سے باہر نکال کر سیدھی کر لیتے ہیں۔ اور اس پر پاؤڈر رکھ کر نیچے دیا سلائی سے آگ دکھائی جاتی ہے۔ پنّی کے اوپر رکھا ہوا پاؤڈر پگھل جاتا ہے۔ اور پگھلتے ہوئے پاؤڈر سے دھوئیں کی ایک باریک سی لکیر اٹھنا شروع ہو جاتی ہے۔ ہیروئنی کاغذ کی ایک نلکی منہ میں رکھ کر اس اٹھتی ہوئی لکیر کو سانس کے ذریعے اندر کھینچتا ہے۔ اور یوں دھوئیں کا ہر ہر ذرہ

نوٹ:۔

اس کے ہاتھ میں تھمی ہیروئین کی پڑیا بیچنے والا کون ہے؟ وہ کون ہے جو یہ چاہتا ہے کہ ہماری قوم کا ہر نوجوان ناکارہ ہو جائے اور بے سدھ ہو کر یوں ویرانوں میں پڑا رہے۔

زہر میں بجھے تیروں کی طرح پھیپھڑوں میں ترازو ہوتا چلا جاتا ہے۔ ہیروئن اس قدر تیزی کے ساتھ اپنا عادی بناتی ہے کہ محض دو یا تین مرتبہ ہیروئن استعمال کرنے سے اچھا بھلا انسان اپنی قیمتی زندگی گنوا بیٹھتا ہے۔ ہیروئنی پہلی بار ہیروئن پی کر جو لطف حاصل کرتا ہے۔ پھر عمر بھر اسے دوبارہ وہ لطف نصیب نہیں ہوتا۔ لیکن ہر بار وہ پہلی دفعہ کی "سہانی یاد" کا مزا چکھنے کیلیے ہیروئن پیتا ہے۔

ہیروئن بیچنے والے بہت تھوڑی سی مقدار میں پاؤڈر کی ایک پڑیا کو ایک ٹوکن کہہ کر فروخت کرتے ہیں۔ 1980ء میں ہیروئن کا ایک ٹوکن 3 سے 5 روپے تک فروخت ہوتا تھا۔ لیکن ہیروئن کی طلب میں اضافے کے ساتھ ساتھ ہیروئن کی قیمتوں میں بھی اضافہ ہوتا رہا۔ اور آج کل یعنی دو ہزار تین 2003ء میں ہیروئن کا ایک چھوٹا سا ٹوکن پچاس سے اسّی (50 سے 80) روپے تک فروخت ہوتا ہے۔

سمگلروں کی دنیا میں ہیروئن کو وائٹ گولڈ (White Gold) کہا جاتا ہے۔ یعنی "سفید سونا"۔ دنیا بھر میں منشیات اور ڈرگز کے کاروبار کی سرپرستی کرنے والی عالمگیر تنظیم "ڈرگ مافیا" نے اپنے مخصوص طریقوں سے ہیروئن کو دنیا بھر میں پھیلایا۔ پاکستان ڈرگ مافیا کی بڑی منڈیوں میں شامل ہے۔ امریکہ میں ڈرگ مافیا باقاعدہ ایک متوازی حکومت کا درجہ رکھتی ہے۔ امریکی سیاسی پارٹیاں، سینٹ کے ارکان، کانگرس کے لیڈر، صنعت کار اور بزنس مین زیادہ تر ڈرگ مافیا کے تحفظ میں ہوتے ہیں۔ امریکی صدر اور اہم ترین لوگ بھی ان سے خوف کھاتے ہیں۔ اس مافیا کے اپنے مفادات اور اپنی سیاست ہوتی ہے۔ سب جانتے ہیں کہ ڈرگ مافیا یہودیوں کی عالمگیر تنظیم ہے۔ یہودی عظیم تر اسرائیل کا منصوبہ رکھتے ہیں۔ اور اپنی قوم کے سوا باقی ہر انسان کے ساتھ ہر قسم کے ظلم و زیادتی کو جائز سمجھتے ہیں۔ ڈرگ مافیا کا اتنا بڑا نیٹ ورک ہے کہ جس کا تصور کرنا بھی محال ہے۔ اس عالمی تنظیم کے لیے منشیات تیار کرنے

کے کام پر سینکڑوں سائنسدان ہر وقت مامور رہتے ہیں۔ ڈرگ مافیا کی اپنی لیبارٹریاں ہیں۔ اپنے سائنسدان، اپنی فیکٹریاں، حتیٰ کہ لاکھوں ایکڑ اراضی پہ پھیلے پوست کے اپنے کھیت ہیں۔

دنیا بھر میں پوست کی پیداوار کا اصل کنٹرول دراصل ڈرگ مافیا کے ہی پاس ہے۔ منشیات کے تمام بڑے سمگلروں کے لیے ڈرگ مافیا کا رُکن ہونا ضروری ہوتا ہے۔ دنیا کے ہر بڑے شہر میں ڈرگ مافیا کے کئی کئی ایجنٹ ہمہ وقت منشیات کی فروخت اور سرپرستی کے لیے مصروف رہتے ہیں۔ ڈرگ مافیا کا نیٹ ورک اس قدر مضبوط ہے کہ امریکہ سمیت دنیا کی کوئی بھی حکومت آج تک اس تنظیم کا بال بھی بیکا نہیں کر سکی۔ ڈرگ مافیا کے بڑے دماغ اسرائیل کے ساتھ براہِ راست منسلک ہیں۔ اور یوں گویا یہودی اپنے علاوہ دنیا کے ہر انسان کو ناکارہ کر دینا چاہتے ہیں۔ اس دعوے کا ایک بڑا ثبوت یہ ہے کہ اسرائیل میں ہیروئن اور ڈرگز کا استعمال نہ ہونے کے برابر ہے۔

ہیروئن پینے والے کو عرفِ عام میں ”جہاز“ کہہ کر پکارا جاتا ہے۔ دراصل، ہیروئن پی کر ہیروئنی کی چال ڈھال بالکل بدل جاتی ہے۔ اور غالباً اسی وجہ سے انہیں جہاز کہا جاتا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ جب سے ہیروئن نوجوانوں میں عام ہوئی۔ دنیا بھر میں ہیروئنیوں کی ایک نئی کمیونٹی پیدا ہو گئی۔ ہیروئنی امریکہ کا ہو یا لاہور کا ایک جیسے طرزِ عمل کا مظاہرہ کرتا ہے۔ یہ لوگ باقی تمام انسانوں سے کٹ چکے ہیں۔ اور اگر ایک خاص نظر سے دیکھا جائے تو یوں محسوس ہوتا ہے جیسے یہ مخلوق ہی کوئی اور ہے۔ دراصل ہیروئنی کے لیے ہیروئن حاصل کرنے اور صرف......... ہیروئن حاصل کرنے کے سوا کوئی اور کام نہیں رہتا۔ ہیروئنی ٹوکن حاصل کرنے کے لیے صبح سے رات تک گندگی کے ڈھیروں کو کریدتا ہے اور یوں اس کی زندگی کا ایک ایک دن ٹوکن کے حصول میں گزر جاتا ہے۔

تمام ہیروئنیوں کی چال ڈھال، گفتگو اور حصولِ ٹوکن کے طریقے ایک جیسے ہی ہوتی ہیں۔ چاہے وہ ہیروئنی امریکہ ہی کا کیوں نہ ہو۔ کسی بھی ہیروئنی کی زندگی کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ اس کی زندگی میں ایک ایسا موڑ آیا جہاں پر وہ خود کو سنبھال نہ سکا اور......... ”زندہ موت“ کے منہ میں جا بیٹھا۔

ماہرِ نفسیات ڈاکٹر محمد رفیع خاور نے اپنی کتاب ”نشہ اور شخصیت“ میں ایک مریض (ہیروئنی) کی آپ بیتی درج کی ہے۔ جو کہ درج ذیل ہے:

> ”میرا نام امجد ہے۔ مذہبی گھرانے کا چشم و چراغ ہوں۔ میرے والدین مشترکہ ہندوپاک کے زمانے کے اچھے اور پڑھے لکھے لوگوں میں سے تھے۔ جب سے مجھے اپنی زندگی کے واقعات یاد ہیں تب سے میں اپنی کہانی کا آغاز کر رہا ہوں۔ میری والدہ سکول میں پڑھاتی تھیں۔ پہلے تین درجے میں نے ان کے پاس لڑکیوں کے سکول میں پڑھے۔ بعد ازاں چوتھی جماعت میں میں والدِ محترم کے دفتر کے راستے میں واقع بچوں کے سکول جانے لگا۔ میرا خیال ہے کہ دوستوں کی اچانک تبدیلی اور غیر ضروری چھیڑ چھاڑ سے نمٹ نہ سکنے کی وجہ سے میں شرمیلا ہو گیا اور کم گو بھی۔ بچپن میں میں زیادہ دوست نہ بنا سکا اور اپنے جذبات کا اظہار شاعری میں شروع کر دیا۔ انہی دنوں میں نے سگریٹ کا استعمال شروع کیا۔ جو بعد میں نسوار اور چرس کے کش میں بدل گیا۔ ہم چاروں بہن بھائی پڑھائی سے بہت زیادہ لگن بھی رکھتے تھے۔ پڑھائی کے دنوں میں میں اپنے آپ کو اکیلا محسوس کرتا۔ نشے کا سہارا خوبصورت اور زیادہ تحفظ بخش لگا۔ کالج کے چند دوستوں نے شراب، نشہ آور گولیوں اور افیون کے استعمال میں میری بڑی مدد کی۔ اب وقت کے ساتھ ساتھ میں نے خود کو بدکردار سمجھنا شروع کر دیا۔ لوگوں

کی رائے بھی مجھ سے مختلف نہیں تھی۔ اپنے آپ کو نشے سے دور رکھنے کی بڑی کوشش کی لیکن یہ بڑھتا گیا اور ہیروئن کا زندگی میں داخلہ شروع ہو گیا۔ صحت تیزی سے گرنے لگی۔ جلد بے رنگ ہوتی چلی گئی۔ وہ نشہ جو میں موڈ کو خوشگوار بنانے کے لیے استعمال کرتا تھا۔ اب محض پریشانیوں، احساس کمتری اور احساس جرم وغیرہ سے فرار کے لیے استعمال ہونے لگا۔ وعدے، قسمیں، بہت کچھ کیا لیکن ناکام رہے۔ چرس کے استعمال کی وجہ سے کانوں میں آوازیں آنا شروع ہو گئیں۔ اور غیر موجود تصاویر آنکھوں کے سامنے حرکت کرتی نظر آنے لگیں۔ مگر ان سب چیزوں کا حل پھر بھی اور زیادہ نشہ کرنے میں نظر آتا تھا۔ آٹھ دس سال کے اندر ہمارے گھر میں سوائے ہمارے کوئی چیز نہ بچی۔ بہانہ بازی، جھوٹ اور بے ایمانی میں کوئی میرا ثانی نہ رہا۔ ہم لوگ جھنگ چھوڑ کر سرگودھا شفٹ ہو گئے تاکہ میرا خیال تبدیل ہو جائے تو نشہ چھوٹ جائے۔ سرگودھا آنے کے بعد میں نشئی چہرے ڈھونڈنے لگا۔ نئی دوستیاں کیں اور زیادہ آزادی سے نشہ شروع کر دیا۔ کہانیاں گھڑ کے لوگوں سے ادھار لینا میرا مشغلہ بن گیا۔ محلے کے سکول جاتے بچوں سے پیسے چھیننے لگا۔ بہن سسرال سے میکے آئی تو اس کی سونے کی چوڑیاں سستے داموں بیچ دیں۔ مجھ سے پوچھا گیا میں الٹا ناراض ہو گیا کہ مجھ پر شک کیا گیا ہے۔ لیکن وہ بھی جانتے تھے کہ میرے علاوہ گھر میں ایسی حرکت کرنے والا کوئی نہیں۔ بہن کی عزت کا مسئلہ تھا۔ ماں نے قرضہ لیکر چوڑیاں بنوائیں اور بہن سسرال گئی۔ میں نے ایک ماہ بڑے آرام سے نشہ کیا۔ مجھے یاد پڑتا ہے کہ بہن اس کے بعد کبھی میکے نہیں آئی اور نہ ہی میں کبھی اس کے سامنے گیا ہوں۔ یہی نہیں بڑی بہن کا بیٹا ہمارے ہاں آیا۔ اسے سرگودھا بورڈ میں کوئی

کام تھا۔ رات کو سونے سے پہلے اس نے قمیص اتار کر کھونٹی پر لٹکا دی۔ میں رات کو اٹھا اور قمیص میں سے سو روپے نکال لیے اور پچاس روپے رہنے دیے۔ وہ بورڈ کے دفتر گیا اور واپس چلا آیا۔ رکشے والے کو کرایہ دینے کے بعد اس کے پاس صرف بیس روپے بچے تھے۔ اور فیس وغیرہ ادا نہیں ہو سکتی تھی۔ اس نے روتے ہوئے اپنی نانی یعنی میری ماں کو بتایا۔ ماں نے اسے چار سو روپے دیے اور شام کو جب میں گھر آیا تو بڑے بھائی سے بہت مار کھائی۔ وہ مارتا بھی جاتا تھا اور روتا بھی۔ وہ بے بسی کا عجیب سا نمونہ نظر آ رہا تھا۔ لیکن میری روٹین وہی رہی۔ دسمبر کے مہینہ میں مجھے گھر والوں نے جیل بھیج دیا۔ کسی نے انہیں یہ مشورہ بھی دے ڈالا تھا۔ مجھ پر ہیروئن رکھنے کے جرم میں مقدمہ بنوایا گیا اور پھر ضمانت بھی نہ کروائی گئی۔ شروع میں پریشانی بھی ہوئی۔ جب واقفیت ہوئی تو اندازہ ہوا کہ نشہ تو یہاں بھی آسانی سے مل جاتا ہے۔ بس چند قیدیوں کی خدمت کرنا ضروری ہوتا ہے۔ پیسے پاس نہیں ہوتے تھے۔ لیکن میں چند امیر قیدیوں کی خدمت کر دیا کرتا تھا۔ انہیں مالش کر دیتا تھا۔ ان کے کھانے کے برتن دھونا وغیرہ میرے فرائض میں شامل تھا۔ اور وہ مجھے نشہ کروا دیتے تھے۔ جیل کے باہر نشہ کرنا بھی مشکل لگتا تھا۔ لیکن یہاں کوئی روکنے والا نہیں تھا۔ جیل کی انتظامیہ کو کچھ دے دلا کر نشہ اندر پہنچ جاتا تھا۔ اور پھر جیل میں جس کے پاس نشہ ہوتا تھا۔ اس کی جی حضوری کرنے والے بھی بہت زیادہ ہوتے تھے۔

عید بکر پر ماں نے بڑے بھائی کی منت سماجت کی کہ میری ضمانت کروائی جائے تاکہ میں بھی عید اپنے گھر والوں کے ساتھ کر سکوں۔ ضمانت ہو گئی اور صبح عید پڑھنے سے پہلے میں گھر سے نکل کھڑا ہوا کیونکہ نشے کی طلب تنگ کر رہی

تھی۔ میرے ہاتھ میں ایک شاپنگ بیگ تھا۔ میری ماں نے میرے لیے عید کا ایک نیا سوٹ سلوایا تھا۔ لفافے میں وہی تھا۔ وہ سوٹ میں نے دو ٹوکن کے عوض بیچ دیا۔ سارا دن گھر سے باہر رہا۔ رات کو گھر آیا۔ میں نے تو اپنی عید منالی تھی۔ لیکن گھر کے حالات دیکھ کر اندازہ ہوا کہ باقی لوگوں نے عید نہیں کی۔ مجھے جیل سے عید منانے کے لیے نکلوایا گیا تھا۔ لیکن میں نے تو ان کی عید زیادہ خراب کردی تھی۔ ماں نے پوچھا کہاں گئے تھے۔ میرا جواب تھا "کہیں نہیں ادھر ہی تھا"۔ ماں نے پوچھا "نشہ کر کے آئے ہو"۔ میں نے جواب دیا "ہرگز نہیں" یہ جوابات سن سن کر اس کے کان پک گئے تھے۔ لیکن میں ہر بار اتنے یقین کے ساتھ کہتا تھا جیسے پہلی بار کہہ رہا ہوں۔ گھر والے مایوسی کی دلدل میں دھنستے چلے گئے۔ میں گھر کی چھوٹی چھوٹی چیزیں بیچتا گیا۔ کیونکہ بڑی چیزیں پہلے ہی بیچ چکا تھا۔ ایک بار محلے میں شادی تھی۔ میں اپنے دروازے میں بیٹھا ہوا تھا۔ ایک بچی جو شادی والے گھر مہمان آئی ہوئی تھی۔ میرے پاس سے گزری مجھے اس کے کانوں میں سونے کی چھوٹی چھوٹی بالیاں نظر آئیں۔ بس ایک سیکنڈ میں منصوبہ بن گیا۔ میں نے بچی کی وہ بالیاں اتار لیں۔ بچی روتی ہوئی بھاگ گئی اور میں ان بالیوں کو چھپانے کی کوشش کرنے لگا۔ مجھے نہیں پتہ تھا کہ کوئی مجھے دیکھ رہا ہے۔ تھوڑی ہی دیر میں کسی کا بھاری بھرکم ہاتھ میرے گال پر پڑا۔ جان تو اتنی تھی نہیں۔ دروازے پر لڑھکا اور سائیڈ کی طرف پتھر پر سر لگا۔ خون نکل آیا۔ دوسرے لوگ بھی پہنچ گئے۔ نشئی نشئی کا شور برپا ہوا۔ بوڑھی ماں بھی گھر سے نکل آئی۔ ماں کو بھی دھکے لگے۔ لوگ میرا سر پھٹنے کے باوجود بھی مجھے مار رہے تھے۔ تلاشی لی تو بالیاں برآمد ہوگئیں۔ لوگوں نے پکڑ کر پھر تھانے بھیج دیا اور تھانے والوں نے جیل میں۔ اب میں ایک بار پھر جیل میں تھا۔ لوگ بھی وہی تھے۔ میری ضمانت کروانے کوئی نہ آیا۔ وہاں ایک ایسا قیدی مجھے ملا جس نے مجھے نشہ بیچنے کی ترغیب دی۔ میں باہر نکلنے کا انتظار کرنے لگا۔ ایک سال بعد ماں ملنے آگئی۔ بھائی بھی ساتھ تھا۔ میں نے منت سماجت کی۔ وعدے کیے۔ قسمیں کھائیں کہ آئندہ نشہ نہیں کروں گا مجھے ضمانت پر رہا کروالیا گیا۔ میرے منصوبے کچھ اور تھے۔ گھر والے ایک بار پھر میری باتوں میں آگئے تھے۔ میں جیل والے قیدی کے بتائے ہوئے پتہ پر گیا۔ اور اپنا مطلب بیان کیا۔ انہوں نے مجھے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ بس پھر کیا تھا۔ میں نشے کے ٹوکن لیکر سڑک پر کھڑا ہو جاتا اور میرے "گاہک" مجھے خود پہچان کر میرے پاس پہنچ جاتے۔ اب مجھے اپنا نشہ چلانے کے لیے پیسے چوری کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ نشہ بیچنے کا منافع یہی تھا کہ مجھے پینے کے لیے مل جاتا تھا۔ اب میں نے گھر سے باہر رہنا شروع کردیا۔ کیونکہ ٹھکانہ بھی مل گیا تھا۔ پولیس پھر پکڑ کر لے گئی۔ اتنا مارا کہ میرے دانت ٹوٹ گئے۔ اب جیل سے آنا اور جانا میرا معمول بن گیا۔ ایک دن خبر ملی کہ ماں بہت بیمار ہے۔ ملنے گیا تو وہ بستر مرگ پر تھی۔ مجھے دیکھ کر رونے لگی۔ بہنیں بھی آئی ہوئی تھیں۔ میری آنکھوں سے پتہ نہیں اس دن آنسو کیسے نکل آئے۔ بہر حال میں بھی رو دیا۔ بہنوں نے واسطے دیے کہ نشہ چھوڑ دو۔ میں نے وعدے کیے اور دھندے پر چلا آیا دو دن کے لیے قمر مشانی چلا گیا۔ واپس آیا تو پتہ چلا ماں کو دفن کیا جا چکا ہے...... ماں اللہ کو پیاری ہو چکی تھی۔ محلے والوں نے لعن طعن کی۔ بھائی نے مجھے دیکھ کر منہ دوسری طرف کرلیا۔ گھر میں سارے لوگ میری طرف ایسے دیکھ رہے تھے۔ جیسے ماں کو میں نے مار دیا تھا۔

مہمانوں میں سے کسی نے کہا کہ اس کا علاج کروا دو تو شاید ٹھیک ہوجائے۔ بھائی کے ذہن میں یہ بات آ گئی۔ اس نے مجھے ہسپتال میں داخل کروادیا۔ میں وہاں پندرہ دن رہا۔ میری صحت قدرے بہتر ہوگئی۔ لیکن ذہن پوری طرح مطمئن نہیں تھا۔ علاج کے بعد بھائی مجھے اپنے ساتھ رکھنے لگا۔ میں مسلسل ایک ماہ بھائی کے ساتھ ساتھ رہا۔ نشہ سے دور رہا۔ اب کسی نے بھائی کو پھر مشورہ دیا کہ اس کی شادی کردو۔ ذمہ داریاں بڑھیں گی، تو یہ ہمیشہ کے لیے نشہ چھوڑ دے گا۔ بھائی نے میری وجہ سے ابھی تک خود شادی نہیں کی تھی۔ لیکن اس امید پر کہ گھر کے حالات سدھر جائیں گے۔ اس نے بہنوں کی ڈیوٹی لگادی کہ وہ میرے لیے رشتہ تلاش کریں۔ میرے لیے رشتہ تلاش کرنا بھی ان کے لیے بہت بڑا مسئلہ تھا۔ دنیا میں سب کچھ ممکن ہوجاتا ہے۔ رشتہ مل گیا۔ نکاح ہوا اور دلہن آ گئی۔ میری نئی زندگی شروع ہوچکی تھی۔ چند دن ٹھیک گزرے۔ بھائی نے دیکھا کہ زندگی راہ راست پر آ گئی ہے تو وہ سعودیہ چلا گیا۔ مجھے محلے میں کریانے کی دوکان بنا کر دے دی۔ مجھے مزہ نہیں آ رہا تھا۔ سب سمجھنے لگے کہ بیوی نے آ کر مجھے ٹھیک کردیا ہے۔ لیکن میں ٹھیک نہیں تھا۔ بے چینی بہت زیادہ تھی۔ منفی رویے ہر وقت ساتھ ساتھ تھے۔ غصیلا پن بڑھتا چلا جارہا تھا۔ ایک دن دوکان میں ایک گاہک آیا۔ مجھے پہلی نظر میں پتہ چل گیا کہ یہ بھی نشہ کرتا ہے۔ فوراً سوال وجواب شروع ہوئے۔ ہم ایک دوسرے کو مل کر بہت خوش ہوئے۔ میں نے اسے دوکان کے اندر بلا لیا۔ اور نشہ کی سہانی یادوں کو تازہ کرنے لگا۔ اس کے پاس نشہ تو نہیں تھا لیکن اس کے جانے کے بعد میری طلب بہت زیادہ بڑھ چکی تھی۔ دوکان بند کی اور نشہ خریدنے چلا گیا۔ سوچا کہ ایک بار کر

لیتا ہوں کسی کو پتہ نہیں چلے گا، پھر نہیں کروں گا۔ لیکن ایک بار کر لینے سے دوبارہ نہ کرنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ بس پھر نشہ کرنا روزانہ کا معمول بن گیا۔

میری بیوی حاملہ تھی۔ اس کو بھی آہستہ آہستہ اندازہ ہونا شروع ہوگیا۔ دبے لفظوں میں اس کا اظہار بھی کرتی تھی۔ دوکانداری ختم ہونے لگی۔ بہانے بازیاں پھر عروج پر تھیں۔ بیوی نے پہلے کبھی ایسے حالات نہیں دیکھے تھے۔ وہ کافی پریشان ہوگئی۔ میرے وعدے اور قسمیں اس کو وقتی حوصلہ دے دیتے کہ شائد میں ان وعدوں پر قائم رہوں۔ لیکن اسے مایوسی کے علاوہ کچھ نہیں ملتا تھا۔ حالات دن بدن خراب ہونے لگے۔ نوبت فاقوں تک آ گئی۔ میرے گھر کا ڈرائنگ روم اب میرے نشئی دوستوں کے حوالے تھا۔ وہ میرے گھر پر رہنے لگے۔ میری بیوی کو یہ بات پسند نہیں تھی۔ لیکن وہ کر بھی کیا سکتی تھی؟۔ اس نے مجھے ہونے والے بچے کے واسطے دیے۔ اس کے مستقبل کے حوالے سے سمجھایا۔ مگر میرے حالات نہ بدلے۔ پولیس کا چھاپہ پڑا اور وہ میری بیوی سمیت تین دوسرے نشئی افراد کو پکڑ کر لے گئی۔ میں گھر پر نہیں تھا۔ بیوی پر بھی نشہ بیچنے اور اپنی سرپرستی میں نشہ کروانے کا مقدمہ بن گیا۔ وہ معصوم اور بے گناہ تھی، بہت چیختی رہی۔ میرے پاس ایسا کوئی ذریعہ نہیں تھا۔ کہ میں اسے تھانے سے لے آتا۔ میں نے سسرال والوں کو اطلاع دی۔ سسر، رکشہ ڈرائیور تھا۔ کیا کرسکتا تھا۔ بہرحال بیوی کو بے گناہ قرار دے دیا گیا۔ وہ میرے گھر نہیں آئی۔ اپنے میکے چلی گئی۔ وہاں بہت روئی اور ایک دن خود کو زہر دے کر مارلیا۔ وہ زمانے کے طعنے نہ سہہ سکی۔ شادی کو ایک سال بھی نہیں ہوا تھا۔

اب میں دنیا میں بالکل اکیلا تھا۔ نشے سے روکنے والا کوئی بھی نہیں تھا۔ میں

نے سائیکل چوری کرنا شروع کر دیے۔ کئی بار پکڑا گیا۔ لوگوں نے پکڑ کر بہت مارا، تھانے دیا، کئی بار پولیس نے پکڑ کر چھوڑ دیا۔ میرے لیے دنیا کے کوئی معنی نہیں رہ گئے تھے۔ زندگی سے پیار نہیں رہا تھا۔ مجھے معاشرے میں باعزت زندگی بسر کرنے والے بڑے عجیب لگنے لگے۔ میری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی تھی کہ یہ لوگ عزت کے اتنے بھوکے کیوں ہیں۔ ایک دوسرے کا خیال کیوں رکھتے ہیں۔ ایک دوسرے کی دعوتوں میں کیوں جاتے ہیں۔ میرے لیے یہ سب کچھ بے معنی سا تھا۔ مجھے صرف ایک ہی کام تھا کہ کسی طریقے سے پیسے حاصل کر کے نشہ کروں۔ نشہ بھی سکون دینے کی بجائے پریشانی دے رہا تھا۔ ایک دن اچانک دل میں خیال پیدا ہوا نشہ چھوڑ دوں۔ کسی کی منت سماجت کی کہ میرا علاج کروا دے۔ معاشرے میں ایسے لوگ آسانی سے مل جاتے ہیں جو نشہ کے لیے نشئی کو پانچ روپے نہیں دیتے لیکن علاج کے لیے ہزاروں خرچ کر دیتے ہیں۔

کسی ایسے مہربان نے میرا بھی علاج کروا دیا۔ میں پندرہ دن کے لیے ہسپتال میں داخل ہو گیا۔ دوسرے دن ہی مجھے اپنا فیصلہ غلط لگنے لگا کہ مجھے خوامخواہ مصیبت میں ڈال دیا گیا ہے۔ وہ شخص بھی برا لگنے لگا۔ جو مجھے ان کے پاس چھوڑ گیا تھا۔ بہرحال پندرہ دن میں میری ذہنی کیفیت تبدیل نہیں ہوئی۔

جسمانی طور پر میں تھوڑا سا بہتر ضرور ہوا تھا۔ نیند اور بھوک کے مسائل بھی ابھی تک میرے ساتھ ہی تھے۔ کمزوری بھی تھی۔ ہسپتال سے فارغ ہوتے ہی میں سیدھا نشہ لینے گیا۔ میں پھر نشہ کرنے لگا۔ میرے شب و روز وہی تھے۔ ایک دن ایک ہوٹل کے باہر میں گاڑی پر کپڑا مار رہا تھا کہ گاڑی کا مالک آ گیا۔ میں نے بھیک کے انداز میں اجرت مانگی تو اس نے مجھے پہچان لیا۔ یہ وہی صاحب

تھے جنہوں نے میرا علاج کروایا تھا۔ انہوں نے مجھے خوب لعن طعن کی اور چلے گئے۔ ان کے نزدیک لعن طعن بڑا کارنامہ تھا لیکن میرے لیے تو یہ روز کا معمول تھا۔

مجھے اب یہ بھی یاد نہیں رہا تھا۔ کہ میرا گھر کہاں ہے۔ میں تو ساری رات سڑکوں پر پڑا رہتا تھا۔ کسی ذریعہ سے میرے بھائی کو میرے تمام حالات کا پتہ چلا۔ بھائی تھا اس سے رہا نہ گیا۔ وہ پاکستان آیا۔ لیکن اس بار اس کے پاس کچھ معلومات تھیں۔ اس نے مجھے ڈھونڈ کر میرے نہ چاہنے کے باوجود مجھے علاجگاہ میں داخل کروا دیا۔ داخل ہونے کے بعد مجھے پتہ چلا کہ یہاں آٹھ ہفتے رکنا پڑے گا۔ میرے لیے اس سے بڑا صدمہ کوئی نہیں تھا۔ بہرحال علاج گاہ میں رہنا تو تھا۔ بھاگ کر باہر نہیں نکل سکتا تھا۔ جو بھی گالی مجھے آتی تھی بھائی کو دے ڈالی۔ ڈاکٹر اور عملہ بہت برا لگنے لگا۔ دل کرتا تھا کہ کوئی چیز اٹھا کر انہیں دے ماروں۔ میری ذہنی کیفیت کو بھانپ کر ایک ماہرِ نفسیات میرے پاس آئے اور میری دلجوئی شروع کر دی۔ مجھے زندگی کا حقیقی مقصد بتانا شروع کر دیا۔ مجھ سے ہمدردی بھی کی کہ اگر زندگی میں نشہ نہ ہوتا تو آپ کو کبھی ادھر نہ آنا پڑتا۔ آپ کو یہاں آپ کے بھائی نہیں بلکہ نشہ لیکر آیا ہے۔ مجھے شروع میں ان کی باتیں بڑی بری لگیں اور میں نے غصہ میں کچھ بدتمیزی بھی کی۔ لیکن انہوں نے مسکراتے ہوئے مطمئن کیا اور مجھے علاج گاہ کے اصول و ضوابط بتائے۔ ان کے اصول اور قاعدے قوانین سن کر مجھے اور زیادہ غصہ آیا۔

میرے نہ چاہتے ہوئے بھی میرا علاج شروع ہو چکا تھا۔ کچھ سینئر مریض بھی میری راہنمائی کر رہے تھے۔ انہیں دیکھ کر کچھ حوصلہ ہوتا تھا۔ بعض تو ایسے لگتے

تھے جیسے انہیں ویسے ہی داخل کروا دیا گیا تھا۔ نشہ تو ان کی زندگی میں کبھی آیا ہی نہیں۔

پہلے پندرہ دن مجھے جسمانی علاج کے وارڈ میں رہنا پڑا۔ جہاں مجھے میڈیسن کے ذریعے تمام علامات پسپائی سے چھٹکارا دلوایا گیا۔ پھر مجھے علاج کے نفسیاتی مرحلہ سے گزرنا تھا۔ صبح کو لیکچر اور شام کو گروپ تھراپی میں شریک ہونا پڑتا تھا۔ آغاز میں یہ بہت بور تھا اور غصہ آتا تھا۔ میں چپ چاپ بیٹھا رہتا۔ اگر کوئی مجھے متوجہ کرنا چاہتا تو میں سر ہلا دیتا تھا۔ منہ سے کچھ نہیں کہتا تھا۔ لیکچر اور گروپ نے آہستہ آہستہ اپنا کام دکھانا شروع کر دیا تھا۔ میرے اندر ٹوٹ پھوٹ ہو رہی تھی۔ میری بگڑی ہوئی شخصیت کرچیاں ہونے لگی۔ میرے منفی رویے مثبت رویوں میں تبدیل ہونے لگے۔ مجھے زندگی گزارنے کے لیے از سر نو شخصیت کی تعمیر کرنا تھی۔ اب میں حیران ہوتا کہ پہلے کروائے گئے علاج کو میں علاج کہوں یا کیا کہوں۔ نشہ چھوڑنے کے لیے مجھے نشہ کی بیماری کا علم دیا گیا۔ نشہ کے دوران پیدا ہونے والے دفاعی رویوں کو پہچاننے اور ختم کرنے کے حوالے سے گروپ تھراپی میں سے گزرنا پڑا۔

آہستہ آہستہ میری شخصیت میں ایسی مثبت تبدیلیاں رونما ہوئیں کہ نشے کا خیال بھی تکلیف دینے لگا۔ میں نے یہ ارادہ کر لیا۔ کہ آئندہ نشے کے بغیر ایک شاندار زندگی گزاروں گا۔ اس کے لیے مجھے ایک راہنما کی ضرورت تھی۔ جو بحالی کے پہلے چند سال زندگی کے ہر میدان میں میری راہنمائی کر سکے۔ کیونکہ راہنمائی کے بغیر بحالی کی منزلیں طے کرنا ایک کٹھن اور مشکل کام ہوتا ہے۔ میں نے اپنے آپ کو بارہ قدموں کے پروگرام میں ڈھال لیا اور آج الحمد اللہ میں

اپنے خاندان، محلّہ اور شہر کا باعزت شہری ہوں۔ میری دوسری شادی ہو چکی ہے اور خدا نے بیٹے سے بھی نواز دیا ہے۔ میں بہت خوش ہوں کہ خدا نے نشے کی دلدل سے نکلنے میں میری مدد کی۔

پہلے میرے ذہن میں یہ بات تھی کہ شاید اس بیماری کا علاج ممکن نہیں لیکن اب پتہ چلا ہے کہ رویوں میں تبدیلی لا کر نشہ کو ہمیشہ کے لیے خیر باد کہا جا سکتا ہے۔ میں اب بھی جبکہ نشہ چھوڑے ہوئے تین سال ہو چکے ہیں اپنی علاجگاہ میں جاتا ہوں۔ لیکچر یا گروپ میں شریک ہوتا ہوں اور آج بھی اپنے آپ کو علاج میں تصور کرتا ہوں۔ بس یہی طریقہ ہے جس سے میں اپنی شخصیت حاصل کرنے میں کامیاب ہوا ہوں۔

اینل جیزک(Analgesic)

اینل جیزک، ڈرگز کی اس قسم کو کہا جاتا ہے۔ جو شعور کا نقصان کیے بغیر جسم کو راحت پہنچاتی ہے۔ ان میں زیادہ تر وہ ادویات شامل ہیں۔ جو افیون سے تیار کی جاتی ہیں۔ مثلاً مارفین، کوڈین وغیرہ۔ اینل جیزک ڈرگز میں بعض ایسی ادویات بھی شامل ہیں۔ جنہیں نشہ آور نہیں کہا جا سکتا۔ مثلاً اسپرین، ٹائیلی نول(Tylenol) اور ایڈول وغیرہ۔ امریکی حکومت نے 1984ء میں ایک قانون کے تحت ثانی الذکر ادویات کو غیر نشہ آور قرار دیا۔ بعض اینل جیزک ڈرگز بیرونی استعمال کے لیے بھی ہوتی ہیں۔ ان میں "بینزوکائین" (Benzocaine) اور ہائیڈروکارٹی سون (Hydrocortisone) شامل ہیں۔ منشیات مرکزی نظامِ عصبی کو متاثر کرتی ہیں۔ لیکن ڈرگز مرکزی نظامِ عصبی کو درد محسوس نہ کرنے کا پیغام دیتی ہیں۔ ایسی ڈرگز جو مریض کو عادی بنا دیں ایڈکٹو (Addictive) کہلاتی ہیں۔ جنہیں اردو میں ہمیں موذی کہہ کر پکارنا چاہیے۔ ان میں زیادہ تر ادویات افیون سے تیار کی

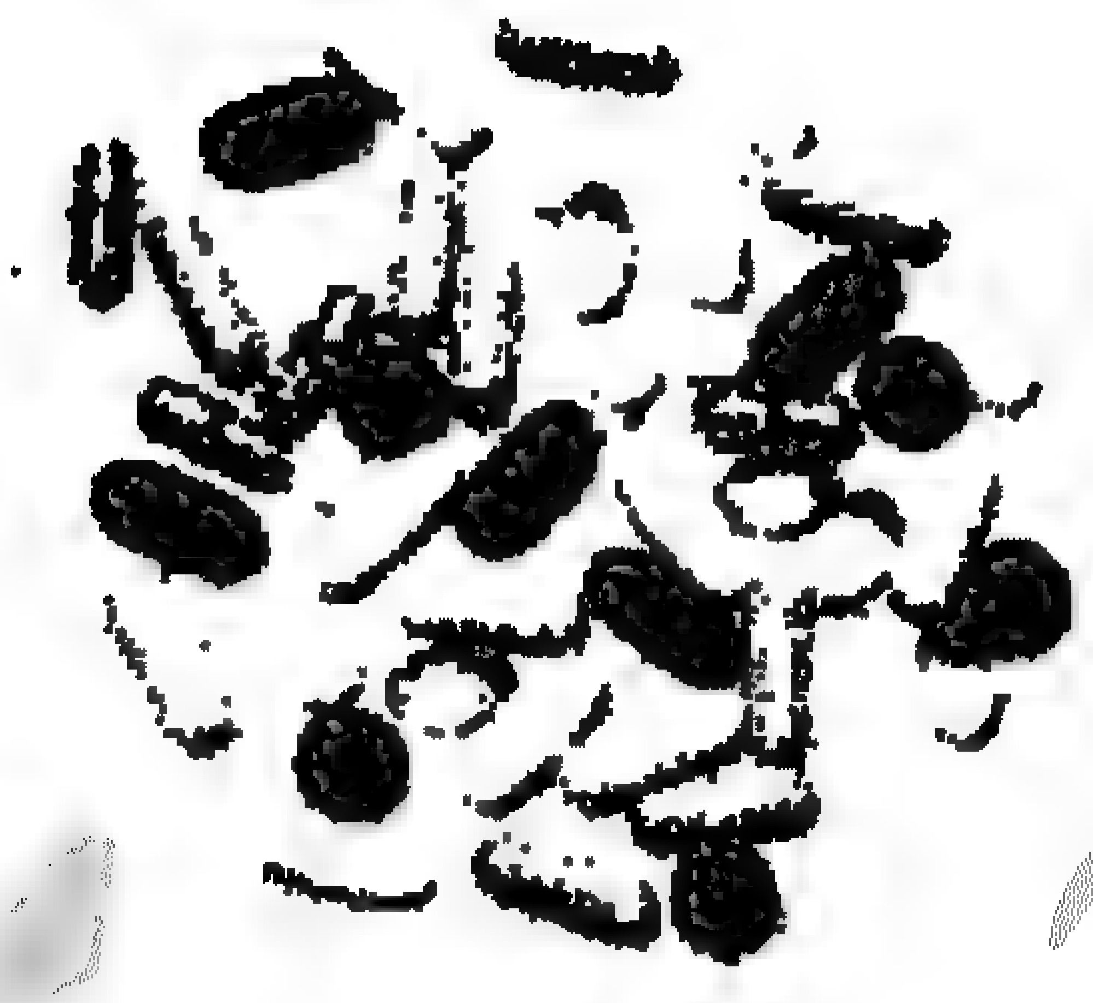

جاتی ہیں۔ مثلاً "پرپاکسی فین" (Propoxy phene) جس کا کمرشل نام "ڈارون" (Darvon) ہے۔ اسی طرح ٹالون (Talwin) اور "سٹاڈون" (stadon) بھی موذی ادویات ہیں۔ جو ڈرگز نشہ آور نہیں، لیکن اینل جیزک یعنی درد سے آرام دینے والی ہیں، معدے کیلیے بے حد ضرر رساں ہوتی ہیں۔ مثلاً اسپرین، درد اور سوزش کو ختم کرتی ہے، لیکن معدے کو نقصان پہنچاتی ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ ایسی ڈرگز بلڈ پریشر کو خراب کرتی اور گردوں کو ضرر پہنچاتی ہیں۔

غالباً افیون، انسان لاکھوں سال سے استعمال کرتا آ رہا ہے۔ کیونکہ دماغ میں کچھ ایسے حصے دریافت ہوئے ہیں۔ جو افیون قبول کرنے کا کام سرانجام دیتے ہیں۔ چنانچہ درد سے راحت کے لیے اب کچھ ایسی ادویات بھی بنائی جا رہی ہیں۔ جو دماغ میں موجود قدرتی افیون کو متحرک کر کے جسم کو قدرتی طریقے سے آرام پہنچا سکتی ہوں۔ اور یہ یقیناً کم نقصان دہ ثابت ہونگی۔

اینس تھیٹک ڈرگز

اینس تھیٹک ڈرگز بنیادی طور پر دماغ یا جسم کے کسی حصے کو بے حس کر دینے والی ادویات ہیں۔ یہ ادویات انجکشن کے ذریعے خون میں داخل کی جا سکتی ہیں۔ سانس کے ذریعے کھینچی جا سکتی ہیں۔ یا پھر براہ راست جسم کے اس حصے پر لگائی جا سکتی ہیں۔ جسے بے حس کرنا مقصود ہو۔ امریکہ میں سرجیکل مقاصد کے لیے ہر سال تقریباً چالیس ملین مریضوں کو اینس تھیٹک ڈرگز استعمال کروائی جاتی ہیں۔۔ اینل جیزک ادویات استعمال کرنے کے دوران جسم یا اس کا کوئی حصہ سردی گرمی، دباؤ یا جلن وغیرہ محسوس کر سکتا ہے۔ لیکن اینس تھیٹک ادویات استعمال کرنے سے متأثرہ حصہ ہر قسم کی حسیات سے ماوراء ہو جاتا ہے۔

دراصل درد کیا ہے.......؟ درد ایک الارم ہے۔ جو ہمیں جسم کو درپیش کسی قسم کے خطرے سے پہلے خبردار کرتا ہے۔ اگر درد نہ ہو۔ تو جسم کو لاحق ہونے والی بڑی بڑی اور خطرناک بیماریوں کا پتہ ہی نہ چل سکے۔ معدے کا السر، کینسر، گردے کی پتھری اور اسی طرح کی دیگر بہت سی بیماریاں ہیں جو پہلے پہل درد کی بدولت ہی پہچانی جاتی ہیں۔ ہائی بلڈ پریشر اور لو بلڈ پریشر کے دوران عموماً جسم میں کسی قسم کا درد نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ اس قاتل بیماری کو ڈاکٹرز سائلنٹ کلر (Silent killer) خاموش قاتل کہہ کر پکارتے ہیں۔

اینس تھیٹک ادویات کے ذریعے مریض کو درد سے بیگانہ کر دیا جاتا ہے۔ تاکہ اس کا علاج کیا جا سکے۔ درد کا احساس دماغ اور عصبی خلیات کے علاوہ سپائنل کاڑ (Spinal cord) کی بدولت پیدا ہوتا ہے۔ درد کو محسوس کرنے والے اعضاء جنہیں درد وصول کنندہ (Pain

(Recievor) کہا جاتا ہے۔ .... جلد، جوڑ، پٹھے اور غدود وغیرہ بھی۔ جب کبھی ان اعضاء میں علاج کی غرض سے جراحت مقصود ہوتی ہے۔ تو مریض کو ''اینس تھیٹک'' ادویات کے ذریعے درد سے بے پرواہ کر دیا جاتا ہے۔

''اینس تھیزیا'' میں استعمال ہونے والی بہت سی ادویات مختلف طریقوں سے درد کو روکتی ہیں۔ جن میں اعضاء کو سلا دینے والی ادویات خصوصاً بطور نشہ استعمال کی جاسکتی ہیں۔ یہ ادویات بذریعہ انجکشن اور بذریعہ سانس خون میں داخل کی جاتی ہیں۔ مارفین اور کولڈین کی کچھ اقسام ''اینس تھیٹک'' کے طور پر استعمال ہوتی ہیں۔ عام جراحت میں استعمال ہونے والے ..... ''اینس تھیزیا'' کو ''جنرل اینس تھیزیا'' اور ہنگامی بنیادوں پر استعمال ہونے والے

..... اینس تھیزیا کو ''لوکل اینس تھیزیا'' کہا جاتا ہے۔ میڈیکل سائنس میں اس مقصد کے لیے خصوصی تعلیم دی جاتی ہے۔ اور میڈیکل ڈاکٹرز کو خصوصی طور پر تیار کیا جاتا ہے۔ چنانچہ یہ کوئی ایسا کام نہیں۔ جو کسی عام شخص کے کرنے کا ہو۔ یا اینس تھیٹک ادویات ایسی ادویات نہیں جنہیں بطور نشہ استعمال کیا جاسکے۔

ادویات کے مریض

غالباً دنیا کا کوئی شخص فی زمانہ ایسا نہ ہوگا۔ جو ادویات کے بغیر جینے کا تصور کر سکے۔ زمانہ قدیم میں ادویات کے طور پر جڑی بوٹیوں کو استعمال کیا جاتا تھا۔ جو کہ ایک فطری طریقہ تھا۔ ہم بہت سے جانوروں کو جانتے ہیں۔ جو اپنی بیماریوں کا علاج خود کر لیتے ہیں۔ بلی، کتا، بندر وغیرہ مختلف بیماریوں کے لیے مختلف بوٹیوں کو بطور دوا استعمال کرتے ہیں۔ یہ قدرت کا ایسا خودکار نظام ہے۔ جس کی تہہ تک پہنچنا محض عقل کے بس کی بات نہیں۔ لیکن انسانی تمدن کی ابتداء ہوئی تو علاج معالجے کے لیے باقاعدہ ایک ادارے کی داغ بیل ڈالی گئی۔ وہ تمام جڑی بوٹیاں جو فطری طور پر بیماریوں کا علاج تھیں۔ اور انسانی وجدان کا حصہ تھیں۔ اطباء کے شفاخانوں میں ڈھونڈ ڈھونڈ کر رکھی گئیں۔ اور عظیم تر مقاصد کے لیے ان پر مختلف تجربات کیے جاتے رہے۔ اب...... انسان کے پاس عقل کی دولت تھی۔ چنانچہ فنِ طب کو فروغ حاصل ہوا۔ اور چند ہزار سال میں ہی انسانی صحت کے معیارات یکسر بدل گئے۔ اطباء اور حکیموں کی یہ کوشش ہی رہی کہ ایسی ادویات تیار کی جائیں۔ جو مریض کو زیادہ سے زیادہ اور جلد سے جلد آرام پہنچائیں۔ اسی قسم کے تجربات کے دوران اطباء نے ایسی ایسی ادویات بھی تیار کیں۔ جن سے انسانی جسم مانوس نہیں تھا۔ چنانچہ وقت کے ساتھ ساتھ بیماریوں کی تعداد بھی بڑھ گئی۔ اور اب موجودہ زمانے کی یہ حالت ہے کہ انسانیت ان قدرتی جڑی بوٹیوں کو بھول کر بالکل غیر قدرتی طریقہ علاج کا شکار ہو چکی ہے۔ اور پھر گھنی آبادیوں اور پیچ در پیچ [illegible]

ہوئے انسان کے سامنے نئے نئے مسائل اور الجھنیں کوہ گراں کی طرح آ کر کھڑی ہوگئی ہیں۔ انسانی ذہن بے پناہ دباؤ کا شکار ہے۔ گھر، کاروبار، اولاد شہرت، اقتدار، حکومت......... یہ سب ڈپریشنز کی خطرناک ترین اقسام ہیں۔ ماضی قدیم کے انسان کے لیے سٹیٹس (Status) (معیارِ زندگی) کوئی مسئلہ نہ تھا۔ وہ ابھی تازہ تازہ غاروں سے نکل کر آیا تھا۔ چنانچہ نئے ماڈل کی گاڑی یا اعلیٰ پوشاک اس کے مسائل نہ تھے۔ اس کا حافظہ اور ذہنی ساخت اتنی سادہ تھی کہ اگر کوئی شخص اسے غلام بنالیتا۔ تو وہ بے زبان جانوروں کی طرح خاموشی سے اپنے آقا کی اطاعت کرتا چلا جاتا تھا۔ لیکن موجودہ انسانی ذہن کی ساخت بہت پیچیدہ ہے۔ اس کے لیے سب سے بڑا مسئلہ معیارِ زندگی (Status) ہے۔ قوم، وطن، زبان، خاندان اس کے لیے انا کے مسائل ہیں۔ یہ اپنے لیے دوسروں کی طرح آسان زندگی کا خواہشمند ہے۔ چنانچہ موجودہ دور کا انسانی ذہن ہمہ وقت مادی خواہشات کے گھن میں الجھا رہتا ہے۔

اب دماغ تو ایک ہی ہے۔ لیکن کام اسے کئی کرنے پڑتے ہیں۔ خصوصاً دو بڑے حصوں میں بٹ کر دماغ کے لیے کام کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ ایک حصہ یہ کہ وہ فطری طور پر جسم کے تمام معاملات اور مسائل کو خودکار طریقے سے حل کرے۔ اور دوسرا یہ کہ تاج کے تمام مسائل اور مشکلات پر ہمہ وقت غور و فکر کرے۔ مشہور بات ہے کہ غصے، پریشانی یا غم کے عالم میں کھانا پینا نہیں چاہیے......... کیوں؟؟؟ اس لیے کیونکہ غصے کی حالت میں نظام انہضام بالکل رک جاتا ہے۔ ہاضمے کے غدود کام کرنا بند کر دیتے ہیں۔ اگر ایسے عالم میں کھایا پیا جائے تو غذاء معدے میں پہنچ کر مناسب طریقے سے ہضم نہیں ہوتی۔ دیر تک معدے میں پڑی رہتی ہے۔ یا پھر غیر ہضم شدہ حالت میں خارج ہونے کے لیے چل پڑتی ہے۔ ظاہر ہے جب معدہ خوراک کو ہضم ہی نہیں کرے گا۔ تو جسم کے باقی افعال کیونکر درست رہ سکتے ہیں۔

حقیقت میں کوئی پریشانی انسانی نہیں ہوتی۔ سارے معاملات محض بنیادی اور سفلی ہیں۔

1998

2002

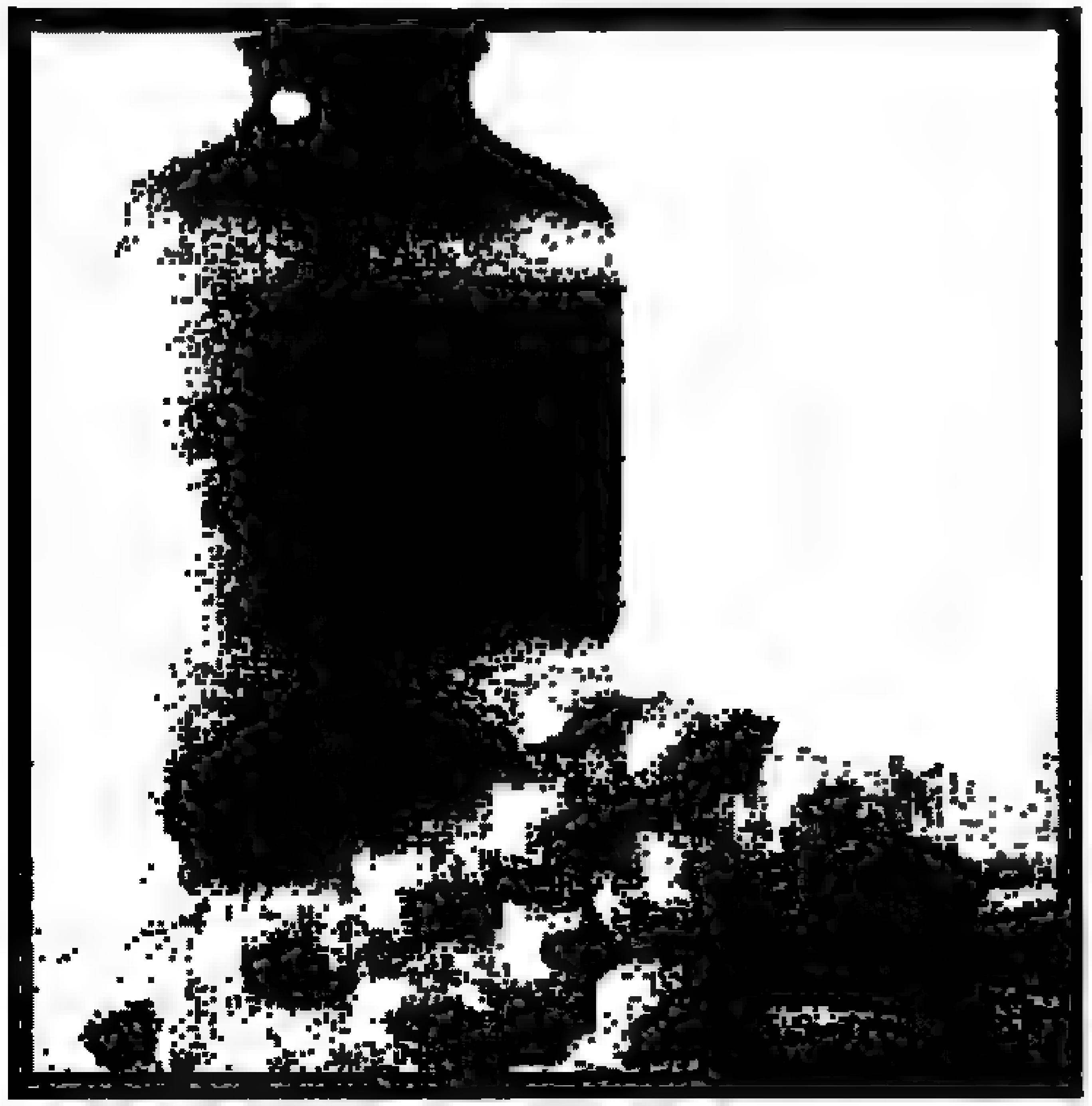

ہر ڈپریشن اور ٹینشن فی الحقیقت غیر ضروری بوجھ ہے۔ جب تک زمین کی مٹی پر انسانی پیکر موجود ہے، زمینی مسائل کا شکار ہے۔ تمام تر زمینی مسائل عارضی اور محض دنیاوی ہیں۔ کیا ایک انسان اولاد کے لیے پاپڑ بیلے بغیر، کاروبار کے لیے دھوکہ کیے بغیر، فانی جسم کے لیے سہولیات اور مشینیں جمع کیے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا؟ یقیناً ان سب اشیاء کے بغیر انسان زندہ بھی رہ سکتا ہے اور خوش بھی۔ لیکن اس وقت تک ایسا نہیں ہوسکتا۔ جب تک انسانی ذہن دنیا کے ان بے وقعت اور معمولی مسائل کو نظر انداز نہیں کر دیتا۔ انسان کے لیے خوشی کا حصول ممکن نہیں۔

اور پھر جب انسان ایسا نہیں کرتا، اور ''زمینی بیوستگی'' کا شکار رہتا ہے۔ تو اس کے لیے ہزار قسم کے ڈپریشنز کا بوجھ ذہن میں لے کر جینا دوبھر ہو جاتا ہے۔ وہ نہ زندوں میں رہتا ہے نہ مردوں میں۔ گھڑی مرتا ہے اور گھڑی جیتا ہے۔ اس کرب و اذیت کے عالم میں وہ چاہتا ہے کہ اسے کوئی ایسی دوا مل جائے جو اسے ان تکلیفوں سے آزاد کر سکے۔ اور پھر ایسی صورتحال میں شراب یا دیگر منشیات اس کا سہارا بن جاتی ہیں۔ مذکورہ بالا بحث سے ایک نتیجہ مرتب ہوتا ہے۔ اور وہ یہ کہ کسی معاشرے کے تمدن کی بنا جس قدر مادیت اور سفال پرستی پر ہوگی۔ اس معاشرے میں نشے کا استعمال اتنا ہی زیادہ ہوگا۔

اب ہم دورِ حاضر کو دیکھتے ہیں۔ سب جانتے ہیں کہ دورِ حاضر مادہ پرستی کی دوڑ میں پچھلے تمام ادوار سے سبقت لے گیا ہے۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ منشیات اور ڈرگز کا استعمال بھی فی زمانہ اسی نسبت سے بڑھ گیا ہے۔ پہلے یوں ہوا کرتا تھا کہ جسم کو مرض لاحق ہوتا تو علاج کے لیے ادویات دی جاتیں۔ لیکن اب معاملہ الٹ چکا ہے۔ اب تو جسم کو ادویات لاحق ہو جاتی ہیں۔ جن سے چھٹکارا پایا ہی نہیں جاسکتا۔ کیونکہ ادویات کے مریض کو علاج کے لیے کونسی دوا دی جائے گی۔

ڈرگز ہر گھر میں موجود ہیں۔ وہ لوگ جو بدنام زمانہ منشیات سے ڈرتے ہیں۔ وہ گولیاں، کیپسول، سیرپ اور انجکشن لیتے ہیں۔ سب کا مسئلہ ایک ہی ہے، ذہنی دباؤ سے نجات۔ ڈرگز استعمال کرنے والوں میں بعض انتہا پسند اپنے آپ کو اس قدر تباہ کر لیتے ہیں کہ بعد ازاں ان کے لیے ڈرگز کا استعمال ایک موذی نشہ بن جاتا ہے۔ وہ ایک ایسی دلدل میں جا گرتے ہیں جہاں سے واپس آنا ان کیلیے ممکن نہیں ہوتا۔ اگر اس انداز میں دیکھا جائے تو....... ایسے لوگ عذابِ الٰہی میں گرفتار دکھائی دیتے ہیں۔

انجکشن

اب تک منشیات کے موضوع پر میں نے جتنی تحقیق اور مشاہدہ کیا ہے۔ ان میں سب سے زیادہ سنگین صورتحال انجکشن لگانے والوں کی ہے۔ انسانی زندگی اس درجہ تکلیف دہ اور کرب انگیز ہوسکتی ہے۔ میں نے کبھی سوچا بھی نہ تھا۔ میں جب بھی انجکشن لگانے والوں کو دیکھتا ہوں، میری روح کانپ جاتی ہے۔ سوکھی ہوئی ٹانگوں اور پتلے پتلے بازوؤں والے یہ نوجوان....... جن کی ہلدی جیسی زرد آنکھوں میں دکھوں کے گہرے سائے، رائیگاں جوانی کی داستان دہراتے نظر آتے ہیں۔ جن کی کپکپاتی ہوئی انگلیاں کسی کچرے کے ڈھیر سے اٹھائی ہوئی سرنج کی مدد سے اپنی خشک شریانوں کو چیرتی پھاڑتی دکھائی دیتی ہیں۔ میں جب روزانہ عصر کی نماز کے بعد دریائے جہلم کی سیر کے لیے نکلتا ہوں تو راستے میں پڑنے والے کھیت مجھے انجکشن لگانے والوں سے پر نظر آتے ہیں۔ میں ان کے قریب سے گزرتا ہوں۔ اور بعض اوقات تو کینچوے کی طرح رینگتی ہوئی اس خوفناک زندگی کو دیکھ کر میرے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ میں ان تمام نوجوانوں کو جانتا ہوں، شیرا، میرو، ڈڈو، مولا، رحمت، یہ سب میرے چھوٹے سے شہر کے رہنے والے ہیں۔ یہ لوگ جو غم واندوہ کے دلدل میں سرتاسر غرق انتہائی تیزی کے ساتھ موت کی جانب رواں دواں ہیں۔ ہر روز اپنے بدن کی سوکھی سڑی شریانوں کو ڈھونڈتے ہیں۔ اور ہر روز اپنے بدن کی کسی نہ کسی رگ میں سرنج کی گندی سوئی

چبھو کر خود کو نشے کا انجکشن لگاتے ہیں۔ ہر روز انجکشن لگانے کی وجہ سے ان کے جسم کی تمام رگیں بند ہو جاتی ہیں۔ انہیں سرنج کی سوئی چبھونے کیلیے جگہ نہیں ملتی......تو سر کی شریانوں، کنپٹی کی شریانوں، حتٰی کہ گردن کی شریانوں میں انجکشن لگانے سے بھی باز نہیں آتے۔ بازوؤں کی رگیں ہارڈ ہو چکتی ہیں تو ٹانگوں، ٹخنوں، گھٹنوں اور رانوں کی رگوں میں انجکشن لگاتے ہیں۔

سب جانتے ہیں کہ انجکشن غلطی سے اگر پٹھوں میں لگ جائے تو "عضو" بیکار ہو سکتا ہے۔ ان میں سے کئی ایک ایسے بھی ہیں جن کے بعض اعضاء مدت ہوئی ختم ہو چکے ہیں۔ انجکشن پٹھے میں لگ گیا......عضلات کے ٹشو پھٹ گئے اور بازو بیکار ہو گیا.....بیکار بازو کچھ ہی عرصہ بعد سوکھ کر لکڑی کی طرح ہو جاتا ہے۔ اور یوں نوجوان معذور ہو جاتا ہے۔ لیکن یہ پھر بھی ہر روز اپنے آپکو اپنے ہاتھوں سے زہر کا ٹیکہ لگاتے ہیں۔

میری آنکھوں کے سامنے ان میں سے کئی ایک موت کی تاریک وادی میں ہمیشہ ہمیشہ کیلیے کھو چکے ہیں۔ غالباً یہی وہ نوجوان ہیں جنہیں مسلسل کئی سال تک روزانہ دیکھنے کے بعد میں نے زیر نظر کتاب کیلیے قلم اٹھایا۔

انجکشن کیا ہے؟......سرنج میں بھری ہوئی ہولناک موت۔ یہ انجکشن جو آج کل ہمارے ملک کے نوجوان نشہ کیلیے استعمال کر رہے ہیں.....بنیادی طور پر بنائے ہی اسی مقصد کیلیے جاتے ہیں۔ نہ جانے وہ کون ہے جو "موت" کو شیشیوں میں بند کر کے یوں کھلے عام فروخت کر رہا ہے۔ اور پوچھنے والا بھی کوئی نہیں۔

منشیات کے عادیوں میں انجکشن کا رواج کیسے پڑا؟.....حقیقت میں یہ لعنت بھی ہیروئن کے ساتھ ہی نازل ہوگئی تھی۔ ہیروئن استعمال کرنے کے کئی طریقے ہیں۔ ان میں ایک یہ ہے کہ ہیروئن کو کسی اینٹی الرجک انجکشن میں حل کر کے سرنج میں بھر لیا جاتا ہے۔ اور شریانوں کے

ذریعے خون میں داخل کر دیا جاتا ہے۔ پہلے پہل اس مقصد کے لیے ایک خاص قسم کی ہیروئن بنائی جاتی تھی۔ پھر کچھ وقت کے بعد عام ہیروئن بھی انجکشن کے ذریعے انجکٹ کی جانے لگی۔ پھر مارفین کا انجکشن مشہور ہوا۔ آہستہ آہستہ عام "انٹی الرجی" (ہیروئن بھرے) اور Pain killer ٹیکے بھی اسی مقصد کے لیے لگائے جانے لگے۔ ایول (ہیروئن بھرے) کمپیکس اور سوی گان (Socigan) حتّٰی کہ انٹی ول (ہیروئن بھرکے) جیسے غیر معیاری ٹیکے بھی ہمارے نوجوانوں کی رگوں میں موت کی طرح اترنا شروع ہو گئے۔ میری معلومات کے مطابق چند گھٹیا زہر مثلاً نیلا تھوتھا اور سنکھیا وغیرہ بھی آجکل انجکشن کے ذریعے نشے کیلیے انجکٹ کیے جا رہے ہیں۔ لیکن یہ جان کر میری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ بعض نشہ باز اپنے جسم میں دوسرے نشہ باز کا خون داخل کر کے بھی نشہ حاصل کر لیتے ہیں۔ جب ایک نشہ باز کو اپنے نشہ کے لیے انجکشن نہیں ملتا، تو وہ کسی ایسے نشہ باز کے جسم سے خون نکالتا ہے، جس نے ابھی ابھی نشے کا تازہ انجکشن خود کو لگایا ہو، اور پھر وہی خون بلڈ گروپ کا حساب کتاب دیکھے بغیر اپنے بدن میں داخل کر لیتا ہے۔ یہ ہمارے ارد گرد ہونے والے واقعات ہیں، آپ آنکھ اٹھا کر دیکھیے آپ کو قدم قدم پر انسانیت کی یہ تذلیل اپنی آنکھوں سے نظر آئے گی۔ کیا ہم آنکھیں موند لیں؟ انجکشن کا یہ زہر جو ہمارے نوجوانوں کی رگوں میں اتر رہا ہے...... درحقیقت ہماری قوم کی شہ رگ تک پہنچ چکا ہے، جبکہ ہمارے ارباب حکومت تو کیا ہم خود اپنی اس مٹتی ہوئی قوم کو بچانے سے یکسر غافل ہیں۔ پاکستان کے لاکھوں نوجوان خود اپنے ہاتھوں سے اپنا خون کھینچ رہے ہیں۔ نہ جانے کیوں ہماری بے حسی، بے بسی کی شکل اختیار کر گئی ہے۔ نشہ انسان کا دشمن ہے...... لیکن نشہ باز اسے اپنا بہترین دوست تصور کرتا ہے۔ کیونکہ ایک نشہ باز فی الحقیقت مردود معاشرہ ہو جاتا ہے۔ اسے اس کے ماں باپ، دوست احباب، اہلِ محلّہ اور رشتہ داروں کی طرف سے گہرے صدمات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

نوٹ:۔

اپنے آپ کو بار بار انجکشن لگانے کے بعد نشہ باز کے پورے بدن میں کوئی بھی شریان سلامت نہیں رہتی۔ خود کو انجکشن لگانے والا نشہ باز چاہے مشرق کا ہو یا مغرب کا دراصل یہ بھول جاتا ہے کہ وہ ایک جیتا جاگتا انسان ہے۔

یہ ایک انجکشن لگانے والے نشہ باز کا بازو ہے۔ انسانیت کے ساتھ اس طرح کا کھیل بھی کھیلا جائے گا، شاید یہ کسی نے نہ سوچا تھا۔

اسے دھتکار دیا جاتا ہے، حالانکہ اسے واپس لایا جا سکتا ہے، لیکن اسے واپس لانے والے ہی فی الحقیقت اس کی بربادی کا باعث بنتے ہیں۔ وہ بہت جلد اپنوں سے بیزار ہو جاتا ہے، اور اپنے بہترین دوست...... "نشہ" کے پاس چلا جاتا ہے۔ قرآنِ حکیم میں اللہ تعالیٰ نے جگہ جگہ ارشاد فرمایا ہے، کہ شیطان ہی انسان کا ازلی و ابدی دشمن ہے۔ شیطان تو چاہتا ہے کہ انسان ہمیشہ خدا کے راستے سے دور رہے۔ اور پھر قرآنِ حکیم میں یہ ارشاد بھی ہے...... کہ ابلیس انسان کے سینے میں وسوسے ڈالتا ہے۔ ابلیس بنیادی طور پر "مایوس" کو کہتے ہیں۔ انسان جب مایوسی کے اس مقام پر پہنچ جاتا ہے.... جہاں اسے اپنی دنیا سیاہ اور اپنا مستقبل تاریک دکھائی دیتا ہے۔ تو اس کا کردار بھی ابلیسیت سے لبریز ہو جاتا ہے۔ اور وہ خود سراپا ابلیس دکھائی دیتا ہے۔ ایک ہیروئنچی یا "ٹیکے باز" مایوسی کے اُس مقام پر پہنچا ہوا ہوتا ہے اور سراپا ابلیس ہو جاتا ہے۔ اس بات کا ثبوت دیکھنے کے لیے ہم نشہ باز کا کردار دیکھ سکتے ہیں...... ہم جانتے ہیں کہ نشہ باز چاہے ماضی میں جسقدر بھی معزز اور ایماندار شخص رہا ہو... نشے کا عادی ہونے کے بعد جھوٹ، چوری، بے ایمانی، دھوکہ، دغا اور کمینی حرکتیں ضرور کرنے لگ جاتا ہے۔ اس کی وجہ کیا ہے؟ یہی کہ اس کے احساسِ ندامت نے اسے کہیں کا نہیں چھوڑا...... نشہ وہ چھوڑ نہیں سکتا...... اور احساسِ جرم یا احساسِ ندامت اسے نہیں چھوڑتے۔ وہ اپنی ندامت چھپانے کیلیے پھر نشہ کرتا ہے۔ اور پھر نشہ کرتا ہی چلا جاتا ہے۔

میں روزانہ دیکھتا ہوں...... بڑے بڑے گھرانوں کے وہ نوجوان جو نشہ کے عادی ہو چکے ہیں، ظاہری شکل و صورت میں ان نوجوانوں سے بال برابر بھی مختلف نہیں جو بالکل غریب فیمیلیوں سے تھے لیکن اب نشہ کے عادی ہو چکے ہیں۔ "مرلی بلوچ" ایک ایسی جاگیردار فیملی سے تعلق رکھتا ہے، جس کا دبدبہ آج بھی پورے شہر میں ایک رئیس خاندان کی حیثیت سے قائم ہے۔ "مرلی" جب نشے کی لت کا شکار نہ ہوا تھا...... تو شہر میں اکڑ کر چلتا تھا، اس کے

دائیں بائیں اس کے کارندے بدمعاشوں کی حیثیت سے سینہ تان کر چلتے تھے۔ لیکن جب وہ ہیروئین کی لت میں مبتلا ہوا۔ تو تیزی سے گزرتے ہوئے وقت نے اس کی تمام اکڑ خاک میں ملا دی۔ چند دن قبل میں نے اسے اس حالت میں دیکھا...... کہ وہ مضافاتی کھیتوں میں رکھی ایک ٹوٹی پھوٹی چارپائی میں پڑا زور زور سے چلا رہا تھا..... ہائے میں مر گیا، ہائے میری ٹانگ بیکار ہوگئی،...... "اے اللہ مجھے معاف کر دے..... اے میرے مالک مجھے معاف کر دے" ...اس کی فریاد دور دور تک سنائی دے رہی تھی۔ وہ رو رہا تھا، آہ و زاری کر رہا تھا، چلاّ رہا تھا۔ صبح صبح کا وقت تھا، سورج کو طلوع ہوئے ابھی چند ثانیے ہی گزرے تھے۔ یہ میرا صبح کی سیر کا وقت ہے۔ میں نمازِ فجر کے بعد اپنے گھر کے قریبی کھیتوں کی جانب چل پڑتا ہوں اور طلوعِ آفتاب تک وہیں دریائے جہلم کے کنارے بیٹھ کر اپنے نئے دن کی تمام مصروفیات پر ٹھنڈے دماغ سے غور کرتا ہوں۔ چند دن پہلے معمول کی سیر سے لوٹتے ہوئے، شہر کے نزدیکی کھیتوں میں میں نے "مرلی بلوچ"..... کو بری طرح کراہتے ہوئے دیکھا۔ تو میں اس کا حال جاننے کیلیے اس کے نزدیک چلا گیا۔ یہ صدا تو میں دور سے سن چکا تھا...... کہ..... ہائے میں مر گیا ...ہائے میری ٹانگ۔

اتنی صبح صبح ایک نشہ باز کو روتے ہوئے دیکھ کر مجھے حیرت ہوئی۔ کیونکہ اصولاً یہ نشہ بازوں کا وقت نہیں تھا۔ یہ لوگ تو صبح دیر سے اٹھنے کے عادی ہوتے ہیں۔ چنانچہ میں صورتحال کا جائزہ لینے کی غرض سے اس کے نزدیک چلا گیا۔ نزدیک جا کر مارے عبرت کے میرے بدن پر کپکپی طاری ہوگئی...... میرے منہ سے بے ساختہ نکلا... "ارے یہ تو مرلی بلوچ ہے۔

اس نے مجھے رندھے ہوئے گلے کے ساتھ بتایا۔ کہ رات..... اندھیرے میں اس نے خود کو انجکشن لگایا، جو غلطی سے ران کے پٹھے میں لگ گیا۔ اور یوں رات سے وہ اسی جگہ بے یار و مددگار پڑا ہے۔ اس کا کوئی پرسانِ حال نہیں۔ انجکشن بھی صحیح طریقے سے نہیں لگا، چنانچہ

نشہ بھی نہ ہو سکا۔ اور نشہ نہ ملنے کی تکلیف دھیرے دھیرے پٹھے کی تکلیف سے بڑھ گئی۔ وہ بہت برے حال میں تھا۔ مجھے اس کی حالت دیکھ بہت دکھ ہوا۔ کتنا رعب و دبدبے کا مالک شخص آج کسقدر کسم پرسی کی حالت میں پڑا تھا۔ میں وہاں سے سیدھا اپنے گھر آیا اور میں نے ٹیلیفون کال کے ذریعے مرلی کے بڑے بھائی کو حقیقت حال سے آگاہ کیا۔ جب تک وہ اپنی لمبی کار میں مرلی کو لینے کے لیے آتا میں ایک برتن میں پانی لیکر مرلی کے پاس لوٹ آیا۔ یہاں آ کر مجھے ایک اور دھچکا لگا۔ مرلی کا پاخانہ اسکی شلوار میں نکل چکا تھا، اور مکھیوں کا جم غفیر اس کے بدن پر بھنبھنا رہا تھا۔

مرلی بڑے خاندان کا چشم و چراغ ہے۔ اور یہ اس کی حالت کا بیان ہے۔ اور یہی حقیقت ہے..... کہ نشہ کسی کا خاندان نہیں دیکھتا اور نہ ہی کسی کی حیثیت۔ یہ موذی بیماری جب کسی پر نازل ہوتی ہے تو قہر خداوندی بن کر۔ انسان باقی انسانوں سے کٹ کر ایک بالکل نئی قسم کی مخلوق بن جاتا ہے اسے اپنے نشہ سے بڑھ کر کوئی چیز عزیز نہیں رہتی۔ گھر بار، ماں باپ، اولاد، کاروبار سب کچھ تباہ کرنے کے بعد نشہ..... نشہ باز کو موت کی تاریک وادی کی جانب لیکر چل پڑتا ہے۔

انجکشن نشے کی دنیا کا خوفناک ترین ہتھیار ہے۔ ہمارے شہروں کے گلی کوچوں میں انٹی ویل کی خالی ڈبیا عام کوڑے کرکٹ کی طرح جگہ جگہ پڑی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ نشہ بازوں کی زبان میں انجکشن لگانے کے عمل کو "ویل کرنا" کہتے ہیں۔ ویل اس شیشی کو کہا جاتا ہے۔ جس میں لیکوئیڈ زہر ہوتا ہے۔ سوچنے کی بات تو یہ ہے کہ کون ایسا باشعور شخص ہے جو خود کو زہر کا انجکشن لگاتا ہو۔ کوئی انسان جان بوجھ کر خود کو موت کے منہ میں کیوں دے گا..... خصوصاً جب کوئی بڑا مقصد بھی سامنے نہ ہو۔ یقیناً کوئی ایسی مجبوری تو ہے جس کی وجہ سے ایک جیتا جاگتا انسان اس ہولناک بیماری میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ جس شخص نے کبھی کسی نشہ باز کو نشے کا انجکشن لگاتے

ہوئے نہیں دیکھا..... وہ میرے مضمون میں پائی جانے والی عبرت سے پوری طرح آگاہ نہیں ہو سکتا۔ اب سوال یہ ہے کہ ایسی کون سی مجبوری ہے جس نے معاشرے کے ایک تنومند جوان کو نشے کی بھیانک راہ پر لگا دیا۔ جواب یہ ہے کہ وہ پہلی جنریشن (نسل) جس نے ہیروئین اور ہیروئین کے انجکشن کی راہ اختیار کی تھی اور جو یقیناً اب تک مر کھپ چکی ہے۔ شوقیہ طور پر اس بیماری میں مبتلا ہوئی تھی۔ کیونکہ اس وقت تک ہیروئین اور اس کے اثرات سے کوئی بھی واقف نہ تھا۔ افیون سے کشید کیا گیا یہ سفید زہر جب پاکستانی نوجوانوں کی ایک پوری نسل کو چاٹ گیا تو دوسری جنریشن کی باری آئی۔ اور دوسری جنریشن وہ تھی جس میں شامل اکثر لوگ ہیروئین کی تباہ کاریوں سے کسی حد تک واقف ہو چکے تھے۔ لیکن وہ پھر کیونکر اس موت میں مبتلا ہوئے؟۔ ہاں یہ اہم سوال ہے۔ اس لیے کہ یہی وہ جنریشن تھی جسے نشے پر لگانے کیلیے یہودی مافیا کو از خود میدان میں اترنا پڑا۔ دنیا بھر کی منشیات فروش تنظیمیں 80 کی دہائی میں پاکستان گھس آئیں۔ اور ہیروئین پھیلانے کیلیے انہوں نے ہر اس طریقے کو اختیار کیا جو ممکن تھا۔ اس وقت پاکستان میں جنرل ضیاء الحق نے مارشل لاء نافذ کر رکھا تھا۔ اپنی حکومت کو طویل سے طویل اور مضبوط سے مضبوط بنانے کی خاطر ضیاء الحق کو امریکہ کے ہر حکم کے سامنے سر تسلیم خم کرنا پڑا..... چنانچہ امریکہ کے ایماء پر جنرل ضیاء الحق نے افغان مہاجرین کو پاکستان پر "افرادی اور اقتصادی" قبضہ کرنے کی کھلی دعوت دے دی۔ جس کا خمیازہ ہمیں بے روزگاری، بدامنی، کلاشنکوف اور ہیروئین کی صورت بھگتنا پڑا۔ اور یہ سب کچھ 80 کی دہائی میں ہوا۔ اسی دہائی میں یہودی مافیا کو پاکستان میں کھل کر کاروبار کرنے کا موقع ملا۔ لاکھوں نوجوان ہیروئین جیسی موذی بیماری کا شکار ہوئے۔ ہزاروں نوجوان کلاشنکوف اٹھا کر ملک کے طول و عرض میں پھیل گئے۔ ہر طرف دہشت گرد دندنانے لگے اور ہمارا پاک آستانہ چند دنوں میں جنگ کا میدان بن گیا۔ ملک کے آدھے نوجوان ہیروئین پر لگ گئے اور باقی آدھے جہاد افغانستان کے نام پر

جوق در جوق افغانستان میں روس کے خلاف لڑنے کیلیے جانے لگے۔ ان میں بعض جب واپس پاکستان لوٹے تو یہاں دہشت گردی کا بازار گرم پایا۔ اور بے سوچے سمجھے شیعہ سنی فسادات میں شامل ہو کر دہشت گرد بن گئے۔

80 کی دہائی ہمارے ملک کے بہت بھاری ثابت ہوئی۔ ہیروئین انتہائی تیزی کے ساتھ پاک وطن میں پھیلنے لگی۔ پشاور کی بارڈر جو پہلے ہی سے سمگلنگ کا مشہور دروازہ تھی۔ منشیات کی سمگلنگ کے لیے بری طرح استعمال ہونے لگی۔ پرلی طرف امریکہ کے نمک خوار موجود تھے۔ چنانچہ پوست کی کاشت میں پہلے سے سوگنا اضافہ ہو گیا اور بارڈر کے نزدیک امریکی علاقہ میں ہیروئین تیار کرنے کی فیکٹریاں لگا دی گئیں۔ جہاں دنیا کی بہترین ہیروئین تیار ہونے اور براستہ پاکستان سے دنیا کے ہر ملک میں جانے لگی۔ اسی اثناء میں اپنی حکومت کو عالمی اعتراضات کی زد سے بچانے کی خاطر ضیاء الحق نے 1985ء کے انتخابات کا ڈرامہ رچایا...... اعلان کیا گیا کہ انتخابات غیر جماعتی ہونگے۔ نتیجۃً ملک کے بڑے بڑے تاجر، سرمایہ دار اور جاگیردار جن میں زیادہ تر لوگ سمگلنگ کے مکروہ دھندے میں ملوث تھے، بطور سیاستدان سامنے آئے اور یوں ملک بھر کے بڑے بڑے سمگلروں نے ملکر ایک نام نہاد جمہوری حکومت کی بنیاد رکھی۔ یہی دور تھا جب سارے دیس میں ہیروئین کسی وباء کی طرح پھیل چکی تھی۔ پہلے پہل یہودی مافیا نے ہیروئین کے "ریٹس" بہت کم رکھے۔ ہیروئین کا ایک ٹوکن جو آج 60 روپے میں دستیاب ہے ان دنوں صرف 3 روپے میں مل جاتا تھا۔ ہیروئین کی قیمتیں اس وقت آسمان سے باتیں کرنے لگیں جب اس کے استعمال کرنے والوں کو اس کا بری طرح عادی بنا دیا گیا۔ الغرض بیسویں صدی کے آخری تین عشرے منشیات کے حوالے سے پاکستان کے لیے انتہائی خطرناک ثابت ہوئے۔ اور صرف تیس سالوں میں امریکی یہودیوں کا مافیا اسلام کے قلعہ پاکستان کی نئی جنریشنوں کو ناکارہ کر کے خوشی کے شادیانے بجانے لگا۔

آج ہیروئن عام نشہ بازوں کو سستے داموں دستیاب نہیں۔ ایک نشہ باز جو یقیناً بیروزگار رہوتا ہے ہر روز ساٹھ روپے کا ٹوکن کہاں خرید سکتا ہے؟۔ چنانچہ سستے قسم کے ٹیکے نہ جانے کہاں سے منشیات کی مارکیٹ میں متعارف ہوئے۔ اور آناً فاناً مشہور ہونے لگے۔ اور نشہ بازوں نے ہیروئن پینے (پنی لگانے) کی بجائے ٹیکے لگانے کی سرنج ہاتھوں میں اٹھا لی۔ اب ہمارے شہروں کا ہر بے روزگار اور میلا کچیلا نوجوان میڈیکل پریکٹیشنر نظر آتا ہے۔ آپ کسی گلی سے گزر رہے ہیں یا بازار سے، آپ کو سڑک کے کنارے جگہ جگہ سرنجیں پڑی ہوئی دکھائی دیتی ہونگی۔

یہ نشہ بازوں نے استعمال کر کے پھینکی ہیں۔ ہر روز خود کو نشے کا انجکشن لگانے والے شریان تلاش کرنے اور انجکشن لگانے میں اسقدر ماہر ہوجاتے ہیں کہ بڑے بڑے ڈسپنسر ان کی کارکردگی دیکھ کر حیران رہ جاتے ہیں۔

میں نے جب سے منشیات کے موضوع پر قلم اٹھانے کا ارادہ کیا..... میرے لیے ایک ہی بات، دُئی اور وہ تھی...... تحقیق۔ اُٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے میرے ذہن پر ایک ہی دھن سوار تھی کہ میں منشیات کے موضوع پر صحیح سے صحیح معلومات قارئین کے سامنے پیش کر سکوں۔ چنانچہ میں ہر وقت کھلی آنکھوں کے ساتھ نشہ بازوں کے شب و روز کا مطالعہ کرنے لگا۔ لیکن ایک روز دوران سفر میرے ساتھ ایک ایسا واقعہ پیش آیا جسے بھلانا شاید میرے لیے ممکن نہیں۔ میں نے ارادہ کیا تھا کہ اس موضوع پر بھی ایک نفیس قسم کا افسانہ لکھوں گا لیکن زیر نظر کتاب میں چونکہ اس واقعہ کا ذکر زیادہ برمحل محسوس ہوتا ہے لہٰذا میں اسے اسی کتاب میں قارئین کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں۔

''یہ سردیوں کی ایک یخ بستہ رات تھی۔ دھند بڑی تیزی کے ساتھ راولپنڈی روڈ کو اپنی لپیٹ میں لینے لگی۔ ہماری بس 8 بجے کے قریب خوشاب سے راولپنڈی کے لیے روانہ ہوئی۔ راستے میں دشوار گزار پہاڑی سلسلہ پڑتا ہے۔ ''اُپر کٹھہ'' کراس کرتے ہی پہاڑی شروع ہوجاتی ہے۔ یہ غالباً کلر کہار کی نزدیکی پہاڑیاں تھی..... جب بس میں ایک واقعہ پیش آیا... ہوا یوں کہ ہمارے ساتھ ایک ادھیڑ عمر شخص تھا جسے ہائی لیول کی شوگر تھی، کسی بھی لمحے اس کا شوگر لیول بڑھ سکتا تھا۔ چنانچہ اسی خطرے کے پیش نظر وہ اپنا فرسٹ ایڈ کا سامان اپنے ہمراہ رکھنے کا عادی تھا۔ ہم ابھی کلر کہار سے نکلے ہی تھے کہ اس کی شوگر بڑھ گئی اور اسے موت کا شدید خطرہ لاحق ہوگیا۔ رات کا وقت تھا اور سردی پورے عروج پر تھی۔ ایسے میں مشکل تھا کہ ہم اس کے لیے کسی طبی امداد کا بندوبست کرتے۔ ہم نے ساتھ کے مسافروں سے درخواست

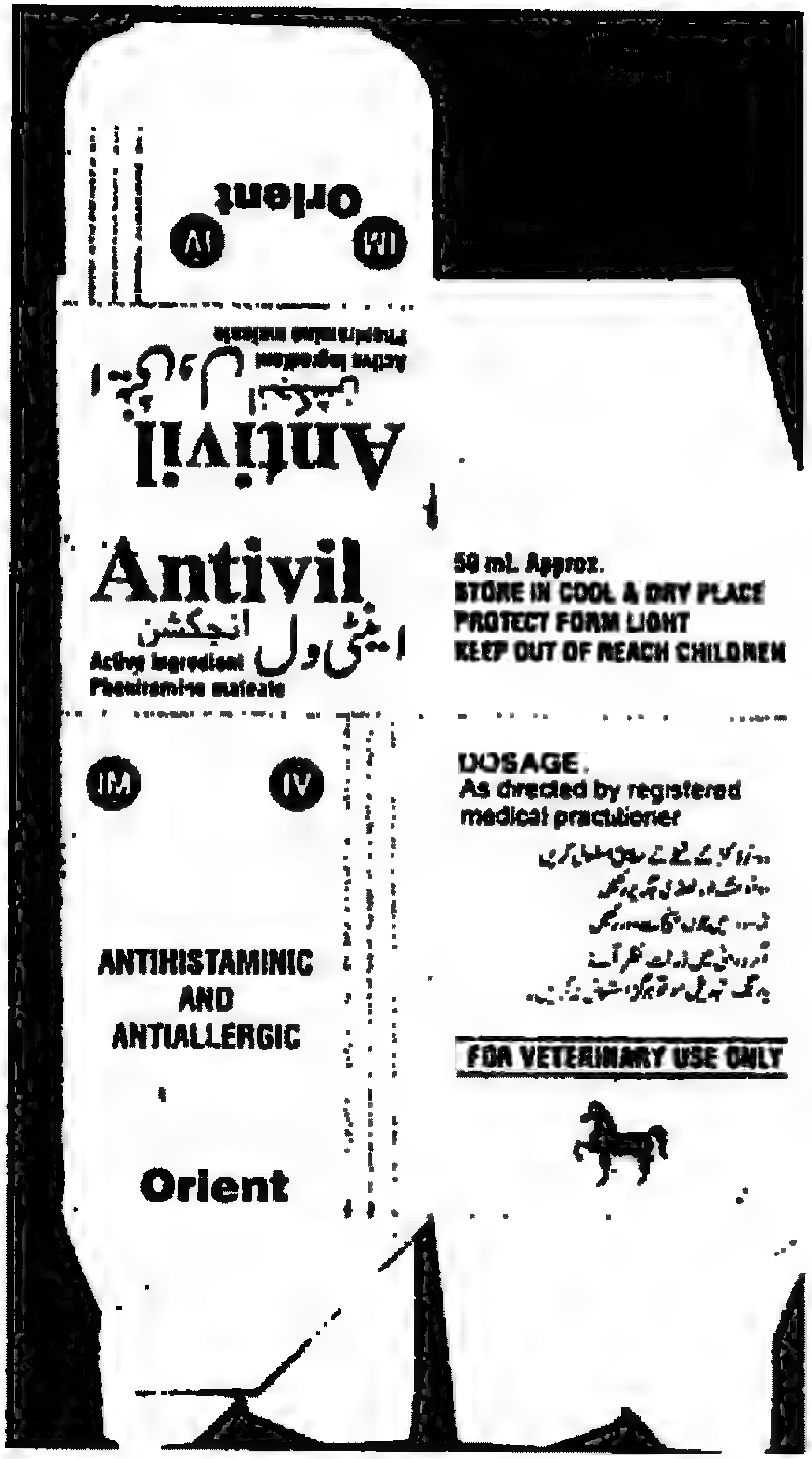
Orient
IM
IV
Antivil
اینٹی ول انجکشن
Active Ingredient
Pheniramine maleate
50 mL Approx.
STORE IN COOL & DRY PLACE
PROTECT FORM LIGHT
KEEP OUT OF REACH CHILDREN
DOSAGE.
As directed by registered medical practitioner
ANTIHISTAMINIC
AND
ANTIALLERGIC
FOR VETERINARY USE ONLY
Orient

کر کے اس کیلیے مکمل سیٹ خالی کروائی اور اسے لٹا دیا۔ اس پر غشی کی کیفیت طاری ہونے لگی۔ اور اس کی آنکھیں اوپر کی طرف چڑھ گئیں۔ میں نے اس کی نبض پر ہاتھ رکھا تو مجھے محسوس ہوا کہ اس کا بلڈ پریشر انتہائی تیزی کے ساتھ "لو" ہو رہا ہے۔ میں پریشان ہو گیا۔ اس بیابان میں ہم بھلا اس کی کیا مدد کرتے۔ میں نے اسے جھنجھوڑ کر جگانے کی کوشش کی اور اس سے دریافت کیا کہ کیا اس کے پاس اپنے مرض کیلیے ابتدائی طبی امداد کا کوئی سامان موجود ہے؟...... جیسا کہ وہ اپنی دوا اکثر اپنے ساتھ رکھنے کا عادی تھا۔ اس نے ہاتھ کی انگلی اٹھائی اور اپنے بیگ کی جانب اشارہ کیا۔ میں سمجھ گیا۔ میں نے تیزی کے ساتھ اس کا بیگ کھولا تو مجھے اس کے سامان میں "انسولین" کا انجکشن نظر آیا..... انجکشن دیکھ کر میں شش و پنج میں مبتلا ہو گیا کہ بھلا اس بس میں ہمارے لیے کسی ڈاکٹر کو ڈھونڈنا کہاں ممکن ہے۔ پھر بھی ہمت کر کے میں نے بس میں موجود اپنے ہمسفروں سے دریافت کرنے کی کوشش کی..... کہ کیا ایسا کوئی شخص بس میں موجود ہے جو ہماری اس مشکل میں مدد کر سکے اور شوگر کے اس خطرناک مریض کو انجکشن لگا سکے۔ بس کی تمام سواریاں میری صدا پر خاموش رہیں۔ شاید بس میں کوئی بھی ڈاکٹر یا ڈسپنسر موجود نہیں تھا۔ میرے چہرے پر مایوسی کے بادل چھانے لگے۔ اب کیا ہوگا؟۔ ہمارا ساتھی مسافر تو انسولین کا انجکشن نہ لگ سکنے کی وجہ سے یقیناً زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھے گا۔ میں ابھی اسی سوچ میں مبتلا تھا کہ ایک انتہائی بدحال قسم کا نوجوان پچھلی نشستوں سے اٹھ کر میری جانب بڑھا۔ میں نے اس کی جانب حیرت سے دیکھا..... اس کے کپڑے انتہائی میلے تھے اور بظاہر دیکھنے میں یوں لگتا تھا جیسے کئی سالوں سے نہایا بھی نہ ہو۔ چہرے بشرے سے وہ کوئی پرانا نشہ باز دکھائی دیتا تھا۔ وہ ڈھیلے قدموں کے ساتھ میرے پاس آیا اور انتہائی ڈرے ڈرے لہجے میں مجھ سے مخاطب ہوا۔

"صاحب جی! اگر آپ برا نہ مانیں تو میں ان کو انجکشن لگا دوں؟"

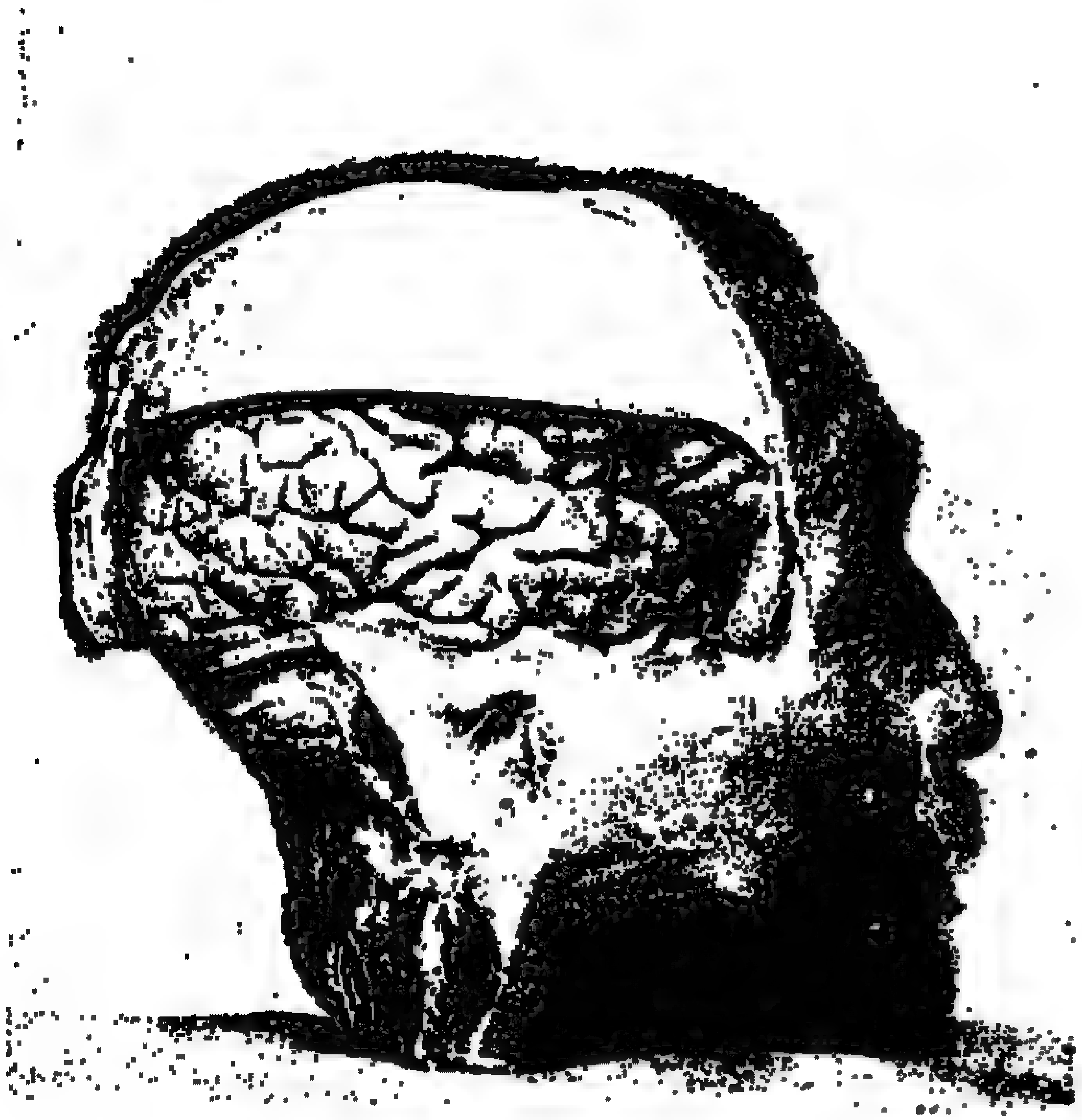

نوٹ:

ایک نشہ باز کا دماغ......

اس کی بات سن کر میں چونک گیا۔ نوجوان شکل سے پرلے درجے کا نشئی دکھائی دیتا تھا۔ اچانک میرے ذہن میں ایک جھماکہ ہوا اور مجھے اس نوجوان کی حقیقت معلوم ہوگئی۔ میں سوچنے میں مزید وقت برباد نہ کرنا چاہتا تھا۔ میں نے فوراً اس مفلوک الحال شخص کو ٹیکہ لگانے کی اجازت دے دی۔ اور پھر ساری بس اس وقت حیران رہ گئی جب انہوں نے دیکھا کہ ایک بدحال نشئی نوجوان نے ایک مرتے ہوئے مریض کو بروقت انسولین کا انجکشن لگا کر اس کی جان بچالی۔ بعد میں میں نے جب اس نوجوان کا انٹرویو لیا تو معلوم ہوا کہ وہ خود کو انجکشن لگانے والا ایک نشہ باز تھا۔ اس دن اگر وہ "ٹیکے باز" نہ ہوتا تو ہمارے ساتھی کی جان بچنا مشکل ہو چلی تھی۔ میں قدرت کے اس انتظام پر حیران رہ گیا اور میں نے فیصلہ کیا کہ اس پورے واقعہ کو افسانے کی شکل میں تحریر کروں گا۔ شاید میں اپنے اس ارادے پر کبھی عمل کر سکوں۔"

خیر یہ تو ایک دلچسپ واقعہ تھا سو میں نے اسے یہاں درج کر دیا..... لیکن اس سے پہلے میں کہنا یہ چاہ رہا تھا کہ ہمارے شہروں میں اس وقت انجکشن لگانے والے نشہ باز اپنے کام میں اس قدر ماہر ہو چکے ہیں کہ وہ کسی بھی اچھے پریکٹیشنر یا ڈسپنسر سے کم نہیں ہیں۔ یہ مقام فخر نہیں بلکہ مقام افسوس ہے۔ اس موذی نشے نے ہمارے نوجوانوں نہ جانے کیا کیا سکھا دیا ہے۔ چوری چکاری تو معمولی بات ہے۔

سیرپ (کھانسی کا شربت)

ہمارے معاشرے میں سب سے زیادہ تعداد ان نشہ بازوں کی ہے جو ادویات کا نشہ کرتے ہیں۔ پاکستان کا معاشرہ اسلامی نہ سہی لیکن یہاں کا مجموعی ماحول..... شراب کے معاملے میں خاصا مذہبی ہے۔ یہاں شراب کو متوسط طبقہ میں بہت برا سمجھا جاتا ہے۔ اگرچہ متوسط طبقہ کی ایک بڑی تعداد شراب کی دلدادہ ہے لیکن پھر بھی شراب کو دوسری منشیات کی طرح

عام نہیں ہونے دیا گیا۔ یہ ہمارے لیے ایک خوش آئند بات ہے..... مگر شراب کے متبادل کے طور پر ہماری عوام دوسری قسم کی منشیات کی عادی ہو چکی ہے۔ اور زیادہ تر لوگ انگریزی ادویات کا سہارا لیتے ہیں۔ خصوصاً "ٹرانکولائزر"..... یا "اینال جیزک" ادویات کا۔ اور اس طرح شراب کے نقصانات سے بڑھ کر نقصان اٹھاتے ہیں۔ ان ادویات میں مختلف قسم کے سیرپ بھی شامل ہیں۔

کھانسی کا شربت جو دراصل کھانسی سے آرام کی دوا ہے۔ افیون سمیت بعض دیگر منشیات کی ملاوٹ سے تیار کیا جاتا ہے۔ اور عام میڈیکل سٹوروں سے با آسانی دستیاب ہو جاتا ہے۔ چنانچہ ایسے نشہ باز جن کیلیے افیون یا دوسری منشیات کا حصول ممکن نہیں ہوتا، وہ کھانسی کا شربت زیادہ مقدار میں استعمال کرکے اپنی طلب کی تکمیل کرتے ہیں۔ اس روش میں منشیات فروشوں کا بھی بہت زیادہ دخل ہے۔ اور آجکل تو بعض سیرپ کھانسی کے علاج کی بجائے محض نشہ کی غرض سے تیار کیے جا رہے ہیں۔ ان میں سرفہرست "کوفیکس" ہے۔ یہ بنیادی طور پر "کوریکس" کی نقل کے طور پر تیار کیا گیا ہے۔ عام دستیاب کھانسی کا شربت کوریکس ہے۔ جس کا پروڈکٹ نیم "کوریکس D" ہے۔ اس کے اجزاء میں افیون کی مقدار سب سے زیادہ شامل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نشہ باز اس سیرپ سے ناجائز فائدہ اٹھاتے اور اسے بطور نشہ استعمال کرتے ہیں۔ لیکن فی الحقیقت وہ نہیں جانتے کہ وہ اپنے ساتھ کس قدر ظلم کر رہے ہیں۔ کیونکہ ایک دوا جو بطور خوراک لی جانی چاہیے تھی اور اسکی انتہائی کم مقدار ہی علاج کے لیے کافی تھی..... اسے نشہ باز بہت زیادہ مقدار میں استعمال کرتے ہیں۔ کھانسی کے شربت میں امونیم کلورائیڈ کی اچھی خاصی مقدار شامل ہوتی ہے۔ امونیم کلورائیڈ ایک ایسا سالٹ ہے کہ اگر اسے زیادہ مقدار میں استعمال کیا جائے تو معدے کو تباہ و برباد کر دیتا ہے۔ جگر کا خاتمہ کر دیتا ہے۔ اور انسانی جسم میں موجود خون کی مطلوبہ مقدار کم پڑ جاتی ہے۔ دماغ خشک رہتا ہے۔ اور ذہنی

قویٰ ناکارہ ہو جاتے ہیں۔ سوچنے سمجھنے کی صلاحیت کو نہ صرف زنگ لگ جاتا ہے بلکہ سرے سے سوچنے سمجھنے کی کوئی صلاحیت ہی باقی نہیں رہتی۔ گویا کھانسی کا شربت محض ایک نشہ ہی نہیں بلکہ اگر اسے بلا مقصد استعمال کیا جائے تو خالص زہر کے مترادف ہے۔

پاکستان میں کھانسی کا شربت استعمال کرنے والوں کی تعداد کسی بھی نشہ کے مقابلے میں کم نہیں۔ زیادہ تر نوعمر لڑکے اس موذی نشہ کا شکار ہیں۔ کھانسی کے تمام انگریزی شربتوں میں ”کوریکس ڈی“ سب سے زیادہ بدنام ہے۔ یہ ہر جگہ عام دستیاب ہے۔ حالانکہ انسدادِ منشیات والے اچھی طرح سے جانتے ہیں کہ کوریکس ڈی پینے والے اسے بطور نشہ استعمال کرتے ہیں لیکن پھر بھی یہ سیرپ ہر میڈیکل سٹور سے بغیر کسی ڈاکٹر کی پرچی کے مل جاتا ہے۔ یہ صرف پاکستان ہی ہے جہاں نشیلی ادویات بازار کے میڈیکل سٹوروں سے بغیر ڈاکٹر کی ہدایت کے دستیاب ہیں۔

ستم بالائے ستم یہ کہ بعض ادارے محض نشہ کی غرض سے کھانسی کے شربت بناتے اور فروخت کرتے ہیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ آخر کھانسی کیلیے نشیلا سیرپ ہی کیوں؟۔ کیا نشہ استعمال کیے بغیر کھانسی کا علاج نہیں کیا جا سکتا۔ یقیناً کیا جا سکتا ہے لیکن انگریزی ادویات کا المیہ یہ ہے کہ انگریزی ادویات میں ایسی کوئی دوا ہی نہیں جس میں خواب آور یا نشیلے اجزاء شامل نہ ہوں۔ ایسا کیوں ہے؟..... ایک عام خیال ہے کہ انگریزی ادویات میں نشیلے اجزاء مریض کو دوا کا عادی بنانے کی غرض سے شامل کیے جاتے ہیں۔ اور اگر ایسا ہے تو یہ انسانیت کے ساتھ صریح زیادتی سے زیادہ کچھ نہیں۔ ورنہ یہ کہاں ضروری ہے کہ ہر دوا میں خواب آور مرکبات شامل کیے جائیں۔ پرانے وقتوں میں تو جراحت کیلیے بھی متاثرہ عضو کو سن نہیں کیا جاتا تھا۔ اور جہاں تک ممکن ہوتا نشیلی ادویات سے مریض کو دور رکھا جاتا تھا کہ اس کی اعصاب کمزور نہ ہوں۔ یہ ایک دردناک حقیقت ہے کہ نشہ چاہے جس قسم کا ہو اعصاب کو بے حد کمزور کرتا اور

انسان کی قوتِ مدافعت کو تباہ و برباد کرتا ہے۔ ظاہر ہے جب اعصاب ہی لاغر ہو گئے تو ان میں کسی بیماری کے خلاف مدافعت کی قوت کہاں سے آئیگی۔ میری دانست میں نشہ تو نام ہی ”ضعفِ خود اختیاری“ کا ہے۔ ایسا ضعف جو کوئی شخص دیدہ دانستہ خود پر طاری کر لے۔ تاکہ لاغر پن اور کمزوری کے باعث اس کا جوش و خروش کم ہو اور غشی کی ایک خاص قسم اسے اپنی گرفت میں لیکر باقی دنیا سے بے خبر کر دے۔ ہاں البتہ شراب کا معاملہ بالکل مختلف ہے۔ شراب حرارتِ غریزی کو دو چند کر دیتی ہے۔ اتنا بڑھا دیتی ہے کہ مارے جوش و خروش کے انسان دوسروں کے ساتھ لڑتا ہے، جھگڑا کرتا ہے، گالی گلوچ بکتا ہے۔ ویسے شراب بھی عادی کر دینے کے بعد انسان کو اعصابی طور پر تباہ کر دیتی ہے۔ اس کے برعکس باقی تمام منشیات حرارتِ غریزی کو کم کرتی اور بدن کے ضعف کو بڑھاتی ہیں۔ انسان کمزور ہونے لگتا ہے۔ اس پر غشی کی ایک خاص قسم کا غلبہ رہتا ہے۔ جسے وہ اپنی دانست میں نشہ سمجھتا ہے۔ بس یہی تمام صفات کھانسی کے شربت میں پائی جاتی ہیں۔ اس کا نشہ افیون سے ملتا جلتا ہے۔ اور بالکل ایک افیونچی کی طرح کوریکس کے عادی کو بھی بھوک نہیں لگتی۔ اگر وہ زبردستی کھانا کھانے کی کوشش کرتا ہے تو اسے قے آ جاتی ہے...... اس کا معدہ کھانسی کا شربت بہت زیادہ مقدار میں پی لینے کے بعد کسی دوسری غذاء کو قبول نہیں کرتا۔

چنانچہ اس کا عادی بہت جلد اپنے بدن کی طاقت سے محروم ہو کر قسم قسم کی بیماریوں میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اس کے چہرے کی رنگت زرد ہو جاتی ہے۔ اور چند ہی دنوں میں صدیوں کا مریض دکھائی دیتا ہے۔

حیرت ہے کہ انگریزی طریقہ علاج میں جس مرض یعنی نزلہ، زکام، کھانسی کا علاج نشیلی ادویات یا افیون کے ذریعے کیا جاتا ہے، یونانی یا دیسی طریقہ علاج میں اس کا ....علاج ایسی ادویات کے ذریعے کیا جاتا ہے جو نشہ کا ضد ہوتی ہیں۔ مثلاً نزلہ، زکام اور

نوٹ:

کھانسی کے شربت کی اوور ڈوز نشہ باز کو وحشت کر دیتی ہے۔ ایک امریکن لڑکی کھانسی کا شربت پی کر گاڑی چلاتے ہوئے......

کھانسی میں مریض کو پھولوں کا جوشاندہ پلایا جاتا ہے جس سے سویا ہوا مریض بھی اٹھ کر بیٹھ جاتا اور تازہ دم ہو جاتا ہے۔ اجوائن کا قہوہ پلایا جاتا ہے۔ تا کہ مریض پر طاری ہونے والی غشی کو دور کیا جا سکے۔ لیکن انگریزی طریقہء علاج میں نزلہ، زکام اور کھانسی کیلیے تمام ادویات ایسی بنائی گئی ہیں جو مریض کو سلا دیتی ہیں۔ ایلوپیتھی ماہرین کا یہ خیال ہے کہ نزلہ، زکام اور کھانسی میں جس قدر آرام کیا جائے یہ بیماری جلد ختم ہو جاتی ہے۔ یہ بات بے شک درست ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ مریض کو نشہ پلا کر سلا دیا جائے۔ اس کا مطلب تو یہ ہے کہ مریض کو زیادہ سے زیادہ آرام کا مشورہ دیا جائے اور مشقت والے کام کرنے سے پرہیز کرایا جائے۔ کوریکس ڈی کا سیرپ ہو یا کولڈین کی گولیاں یہ ادویات کھانسی کا علاج نہیں کرتیں بلکہ مریض کی قوتِ مدافعت کو ختم کر دیتی ہیں۔ مریض جب لاغر ہو جاتا ہے تو اس میں کھانسنے کی حاجت ہی نہیں رہتی۔

یہ حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ کھانسی کے شربت کی تیاری کے مراحل سے لے کر اس کی فروخت تک ......اس پر کڑی نظر رکھے۔ اور قوم کے نوجوانوں کو اس کا شکار ہونے سے بچائے۔ اگر ادویات کے استعمال کا یہی حال رہا تو پھر وہ دن دور نہیں جب 1945ء سے پہلے کے چین کی طرح پاکستان کی ساری عوام خوابِ گراں بار کا شکار ہو جائے گی...... اگرچہ خوابِ غفلت کا شکار تو یہ پہلے سے ہی ہے۔ کھانسی کے شربتوں میں صرف کوریکس ہی شامل نہیں بلکہ اور بھی بہت سی کمپنیوں کے بہت سے شربت شامل ہیں۔

سلوشن

آج سے دو سال پہلے جب میں نے پہلی مرتبہ ارادہ کیا تھا کہ "نشہ" اور "نشئی" کے موضوع پر قلم اٹھاؤں گا تو میرے ذہن میں نشے کی صرف ایک دو اقسام تھیں۔ لیکن جب میں

اس کام کیلیے نکلا تو مجھے یہ دیکھ کر بے حد حیرت کا سامنا کرنا پڑا کہ نشہ کی ہزاروں اقسام ہیں ..... اور بہت سی ایسی ہیں جن کے بارے میں تحقیق کیلیے مجھے مواد ملنا بھی مشکل ہے۔ چنانچہ میں نے صرف انہیں چیزوں کو اپنی کتاب کا موضوع بنایا جو ہمارے معاشرے کو گھن کی چاٹ رہی ہیں۔

لیکن ایک دن میرے ساتھ ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ اور مجھے اچانک ایک ایسے نشہ کا پتہ چلا جس کا ذکر میں نے پہلے کبھی نہ سنا تھا اور نہ ہی اس کا ذکر مجھے کسی کتاب سے مل سکتا ہے۔ یہ غالباً پہلی کتاب ہے جس میں میں سلوشن کا ذکر کر رہا ہوں۔ میری عادت ہے کہ میں جب بھی لاہور جاتا ہوں تو حضرت علامہ اقبالؒ کے مزار پر ضرور جاتا ہوں...... مجھے وہاں بے حد سکون ملتا ہے اور میں محسوس کرتا ہوں کہ میرے دل سے بہت سے ایسے بوجھ ہٹ گئے ہیں جو غیر ضروری تھے۔

خیر پچھلے سال یعنی 2002ء میں جب میں مزار اقبالؒ سے واپس لوٹ کر مینار پاکستان کے احاطے میں داخل ہوا تو میں نے ایک جگہ چند لوگوں کا مجمع دیکھا، جہاں سے شور اور لڑائی کی آوازیں بلند ہو رہی تھی۔ میں ان لوگوں کے قریب سے گزرا تو مجھے مارے حیرت کے رک جانا پڑا۔ میں نے دیکھا کہ کچھ لوگوں نے ایک بارہ تیرہ سال کے لڑکے کو گریبان سے پکڑ رکھا تھا اور اُسے بری طرح سے پیٹ رہے تھے۔ جب کہ مار کھانے والا لڑکا بڑی بے پرواہی سے مار کھا رہا تھا اور اسے مار کھانے کی کوئی فکر نہ تھی...... وہ تو ایک ہی رٹ لگائے ہوئے تھا کہ مجھے میرا نشہ واپس کرو۔ نشے کی بات سن کر میرے قدم رک گئے۔ لڑکے کو مارنے والے بھی نوجوان ہی تھے۔ ان میں ایک نوجوان کے ہاتھ میں پلاسٹک کی دو بوتلیں تھیں۔ وہ کم عمر لڑکے کو پیٹ بھی رہا تھا اور ساتھ کے ساتھ ان بوتلوں سے کوئی مواد بھی زمین پر پھینک کر گویا ضائع کر رہا تھا۔ میں نے زمین پر گرنے والے مواد کو غور سے دیکھا تو وہ مشہور زمانہ سلوشن یعنی "صمد بانڈ" تھی۔ مجھے یہ سوچ کر حیرت ہوئی کہ صمد بانڈ تو ٹوٹی ہوئی چیزوں کو جوڑنے کیلیے ہوتی ہے۔ اور یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ یہ نشے کی چیز ہو۔ مجھے اس نوجوان پر بہت غصہ آیا جو نو عمر لڑکے کو پیٹ رہا تھا۔ میں نے آگے بڑھ کر اس سے کہا......... "ارے بھیا، یہ تو صمد بانڈ ہے۔ ایک بائینڈنگ سلوشن....... اس سے بھلا کہاں نشہ ہوتا ہے تم اس بے چارے کو خواہ مخواہ پیٹ رہے ہو۔" لیکن وہاں کھڑے لوگوں کی بات سن کر میرے چھکے چھوٹ گئے۔ مجھے لوگوں نے بتایا کہ یہ ہے تو صمد بانڈ ہی لیکن اس کے سونگھنے یا اسے چوسنے سے بے حد خطرناک قسم کا نشہ ہوتا ہے۔ جو اب تک کے ایجاد ہونے والے نشوں میں سب سے زیادہ جان لیوا ہے۔ یہ سب سن کر میری حیرت کی انتہا نہ رہی۔ اور تب میں نے فیصلہ کیا کہ اس موضوع پر مزید تحقیق کے بعد اس نشہ کو بھی اپنی کتاب میں جگہ دوں گا۔ کیونکہ یہ نشہ بھی میرے ملک کے نادان، نو عمر لڑکے استعمال کر رہے ہیں۔ اور پوری کوشش کرونگا کہ حکومت کے ساتھ ساتھ میڈیکل ڈاکٹرز کی بھی اس طرف توجہ مبذول کراؤں۔

"صمد بانڈ" تو ایک سلوشن کا محض پروڈکٹ نیم ہے۔ ٹوٹی ہوئی چیزوں کو جوڑنے والی سلوشنز تو بے شمار قسم کی ہوتی ہیں۔ وہ لڑکا جسے میں نے منٹو پارک (مینار پاکستان) میں دیکھا .... صمد بانڈ سے ملتی جلتی کسی اور سلوشن کو استعمال کر رہا تھا۔ بعد میں معلومات لینے پر مجھے پتہ چلا کہ صمد بانڈ بہت مہنگی ہے۔ چنانچہ یہ لڑکے لاہور کے مضافات میں موجود جوتوں کے کارخانوں سے ان کا بچ رہنے والا سلوشن حاصل کرتے ہیں۔ جو اکثر کارخانوں سے باہر کوڑے کرکٹ کے ڈھیر سے مل جاتا ہے۔

ایسے تمام سلوشن جو صمد بانڈ کی طرح کے ہوتے ہیں۔ مختلف مقاصد کیلیے استعمال ہوتے ہیں۔ بعض لوگ سائیکلوں کے پنکچر لگانے میں بھی یہی بانڈ استعمال کرتے ہیں۔ اس قسم کی ہر سلوشن کو پٹرول ڈال کر تیار کیا جاتا ہے۔ اور اس کے مواد میں سب سے زیادہ مقدار پٹرول کی ہوتی

ہے۔ اب حیرت کی بات تو یہ ہے کہ سلوشن کے نشہ باز "پٹرول" استعمال کرتے ہیں۔ جو دنیا کی سب سے زیادہ Inflamable یعنی آگ پکڑنے والی چیز ہے۔

سپرٹ کا تو سنا تھا کہ وہ نشہ کے طور پر استعمال ہوتی ہے۔ لیکن پٹرول یعنی بانڈ کا معاملہ تو میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ ایسی ظالم چیز جسے آگ "بھڑک" سے لگ جاتی ہے۔ ہمارے ملک، خصوصاً لاہور کے نوعمر لڑکے نشہ کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ میرے لیے یہ حقیقت بہت دردناک تھی۔ اور اسی لیے میں چاہتا ہوں کہ حکومت پاکستان اب مزید کسی غفلت کا ثبوت نہ دے اور قوم کو بچالے۔

بخدا اگر نشہ بازی کی یہی حالت رہی تو شاید ہماری نسل ہی باقی نہ رہے۔ اور یہ سب کچھ یہود و ہنود چاہتے ہیں۔ میں اسے نشہ کا مرض کہنے کی بجائے اجتماعی خودکشی کا نام دونگا۔ اجتماعی خودکشی؟؟؟؟؟؟ آخر کیوں؟ آخر کیوں پاک وطن کے چھیلے گھبرو اجتماعی خودکشی کرنا چاہتے ہیں۔ صرف اور صرف حکومت کی عدم توجہی کی وجہ سے......

پاکستان وہ واحد ملک ہے جہاں کے حکمران اپنی آنے والی قوم کو بری طرح سے نظر انداز کیے ہوئے ہے۔ ہمارے حکمرانوں کو ذرا سا بھی احساس نہیں کہ قوم کا مستقبل کیا ہے۔ وہ تمام کا تمام طبقہ جس نے آنے والے وقت میں اس پاک دھرتی کو سنبھالنا ہے، یا تو نشے کا عادی ہوتا جا رہا ہے اور یا کلاشنکوف اٹھا چکا ہے۔ میں سوچتا ہوں آخر اس ملک کا کیا ہوگا؟۔

میں پہلے بھی ذکر کر چکا ہوں کہ پشاور کے باڑے میں ہر قسم کی قاتل منشیات کھلے عام لاکھوں منوں کی مقدار میں موجود ہیں۔ اور یہیں سے پوری دنیا کو بھیجی جا رہی ہیں۔ اس تمام کاروبار کی پشت پر بڑے بڑے لوگ ہیں۔ اور پاک وطن کے حکمرانوں کو دن بہ دن اپنی تباہ ہوتی ہوئی نسل کا کوئی خیال نہیں۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ ہمارے دانشور اس طرف متوجہ ہوں اور اخبارات کے علاوہ ہر ذریعہ ابلاغ پر اس مسئلہ کو اٹھایا جائے۔ انسداد منشیات کیلیے ایک باقائدہ الگ سے وزارت قائم کی جائے۔ اور نارکوٹکس کنٹرول بورڈ کو رشوت خور افسران سے خالی کر کے پوری طاقت کے ساتھ منشیات کے تمام اڈوں اور ٹھکانوں کو بند کیا جائے۔

☆☆☆☆☆☆

باب:6

انسان نشہ کیوں کرتا ہے؟

سب سے پہلے تو ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ کیا انسان کے علاوہ کوئی اور مخلوق بھی ہے جو نشہ کرتی ہو؟۔ یا یہ صرف اولادِ آدم ہی کا المیہ ہے۔ زمین پر زندگی کی تاریخ لگ بھگ دو کروڑ سال پرانی ہے۔ سمندری زندگی کے بعد خشکی پر زندگی...... تک کا سفر بھی کئی لاکھ سال پر پھیلا ہوا ہے۔ لیکن یہ سب، زندگی کی تاریخ کے اعداد و شمار ہیں۔ انسان کی شعوری پیدائش کا واقعہ جسے شجرِ ممنوعہ کے ساتھ منسوب کیا جاتا ہے...... آج سے محض 10000 سال پہلے رونما ہوا۔ "جنسی" معرفت کو انسان کی پہلی باقائدہ ٹینشن کہا جا سکتا ہے۔ کیونکہ تمام قدیم کتابوں میں انسان کا پہلا گناہ "جنسی معرفت" کو ہی کہا گیا ہے۔ اسی واقعہ پر تبصرہ کرتے ہوئے حضرت علامہ اقبالؒ.... The Reconstruction of religious thought ....in Islam. میں تحریر فرماتے ہیں۔

> "بہر حال ادبِ قدیم کا جائزہ لیجیے تو ہبوطِ آدم کے قصے کی ایک نہیں کئی شکلیں ملیں گی۔ رہا یہ امر کہ اس روایت کا ارتقاء کس طرح ہوا، سو یہاں اس کی تفصیل ممکن نہیں۔ ہم ان مراحل کی حد بندی بھی نہیں کر سکتے جن سے گزر کر اس نے مختلف شکلیں اختیار کیں۔ بعینہٖ ہم ان مقاصد سے بھی بے خبر ہیں جو بہ تدریج ان گوناگوں تبدیلیوں کا سبب بنے۔ البتہ جہاں تک اس روایت کی سامی شکل کا تعلق ہے، ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس میں غالباً شروع شروع کے انسان کی یہ خواہش کام کر رہی تھی کہ ایک ایسے ماحول میں جس سے وہ قطعاً نامانوس تھا، جس میں موت ارزاں اور بیماریاں عام تھیں اور جہاں اس کو اپنا آپ برقرار رکھنے میں قدم قدم پر رکاوٹوں کا سامنا کرنا پڑتا تھا، اپنی زبوں حالی اور دکھ درد کا اظہار کر سکے۔ وہ اس قابل تو تھا نہیں کہ قوائے فطرت کی تسخیر کرے، لہٰذا زندگی کے بارے میں اس نے قدرتاً ایک ایسا نظریہ اختیار کر لیا جس پر یاس اور قنوط کا غلبہ تھا۔ چنانچہ قدیم "بابل" کے ایک کتبے میں سانپ (لنگ) اور درخت اور............ عورت، (مرد کو سیب یعنی علامتِ بکر نذر کرتے ہوئے)، سب ہی موجود ہیں۔ یہاں یہ کہنا لاحاصل ہوگا کہ اس قصے کا اشارہ کس طرف ہے۔ مسرت اور سعادت کی ایک مفروضہ حالت سے انسان کے اخراج کی طرف مرد و زن کے سب سے پہلے جنسی فعل کی پاداش میں۔ لیکن جونہی ہم اس روایت کا مقابلہ جو قرآن مجید میں بیان ہوئی، "کتابِ پیدائش" کی روایت سے کرتے ہیں.... تو صاف نظر آنے لگتا ہے کہ اول الذکر کا انداز کس قدر مختلف ہے۔ لہٰذا قرآن مجید اور عہد نامہ عتیق کی روایات کا یہی فرق اس امر کی دلیل ہے کہ قرآن پاک کا اس قصے سے کچھ اور ہی مقصد ہے۔"

یہ فعل جسے یہاں "جنسی" کہا جا رہا ہے۔ فی الحقیقت انسان کی پہلی ٹینشن تھی۔ اس سے پہلے انسان ہر قسم کی ٹینشن سے یکسر آزاد تھا..... بالکل ایک جانور کی طرح جسے قطعاً کوئی ٹینشن نہیں ہوتی۔ اسی دور کو حضرت علامہؒ نے خوشی اور مسرت کی مفروضہ حالت کہہ کر پکارا ہے۔ اور اسی دور کو مختلف نظام ہائے فکر نے مختلف انداز میں لیکن ایک ہی کہانی کے ساتھ پیش کیا ہے۔ کیا انسان اس پہلی ٹینشن کے ادراک سے پہلے جنسی فعل سرانجام نہیں دیتا تھا..... نہیں! ..... جنسی فعل تو ابتدائے آفرینش سے ہی مخلوقات کا خاصہ تھا۔ دراصل انسان آج سے دس ہزار

سال پہلے ....پہلی مرتبہ اس قابل ہوا۔ کہ اپنے دماغ کو استعمال کر سکے ۔ دماغ کو استعمال کر سکنے کی صلاحیت بھی انسان کے پاس ایکدم سے نہیں آئی تھی ۔ یہ بھی درحقیقت ایک طویل قدرتی عمل کا نتیجہ تھا۔ اور پھر وہ پہلا شخص جسے عقل کی روشنی عطا ہوئی اور جنہیں ہم حضرت آدمؑ کے نام سے جانتے ہیں۔ اچھی طرح سے جانتا تھا کہ انسان کے لیے ایک روشن ترین مستقبل پڑا ہے۔ وہ پوری انسانیت کی آمد اور تخلیق کا مقصد جان گیا۔ اور یہی علم جو اسے عطا ہوا پہلی "وحی" تھی۔

عقل کا کام یہ ہے کہ وہ دو باہم متصادم حقیقتوں کے مابین فرق کر سکے۔ یہ کام اکیلے دماغ کے بس کی بات نہ تھی ۔ یہی وجہ ہے کہ عقل کو حضرت علامہ اقبالؒ نے دماغ کی راہنما لکھا اور فرمایا....."کہ عقل کا وظیفہ تو یہ ہے کہ وہ لگاتار زندگی کے آگے سے آگے بڑھتے ہوئے سفر میں راہنمائی کا نقطہ، نور کا مہیا کرے"۔ اور یہی حقیقت ہے۔ چنانچہ یہی عقل تھی جس نے سب سے پہلے انسان کو اس کے مسائل کا حل بتانا شروع کیا ....یہ خالص انسانی عمل تھا۔ جسے سب سے پہلے آدمؑ نے اختیار کیا....انہیں زندگی کے آگے سے آگے بڑھتے ہوئے سفر میں راہنمائی کیلیے عقل کی دولت عطا کی گئی۔ اور انہوں نے سب سے پہلے انسانوں کو ان کے مسائل کا حل بتانا شروع کیا۔ یہی آدمؑ کی پہلی تبلیغ تھی۔

اب سوچنے کی بات یہ ہے کہ وہ گوناں گوں مسائل کیا تھے .... جن کیلیے انسان کو آسمانی راہنمائی کی ضرورت تھی۔ ظاہر ہے خورد و نوش یا رہن سہن کے مسائل انسان کے لیے معمہ نہ تھے کیونکہ ان مسائل کے ساتھ تو وہ ہزاروں سال سے دوچار تھا اور ان کے تمام حل اس کی فطرت میں رکھ دیے گئے تھے۔ مسائل تو تھے وہ درد و آلام اور رنج و غم جو اول اول انسان کے سامنے آئے اور جن سے نمٹنے کا اس کے پاس کوئی طریقہ نہ تھا۔ کیونکہ جب وہ جانوروں کے درجہ سے پہلی مرتبہ بلند ہوا.....تو اپنے بچے کی موت، یا جنس جیسے نازک مسائل کے حل کیلیے

پریشان رہنے لگا....یہی انسان کی اولین ٹینشن تھی۔

ایک بات یاد رکھیے...انسان کو اپنے جسمانی مسائل کی کوئی ٹینشن نہ تھی، اسے ناگہانی موت کے ادراک نے خوفزدہ کر دیا تھا۔ وہ زیادہ سے زیادہ زندہ رہنا چاہتا تھا۔ زلزلے طوفان، بجلیاں اور طرح طرح کی بیماریاں......جو عقل کی دولت ملنے کے بعد اس کیلیے بالکل نئے مسائل تھے......اُسے ہر دم موت سے خوفزدہ رکھتے تھے۔ چنانچہ اس نے اس مسئلے کا حل یہ نکالا کہ زیادہ سے زیادہ زندہ رہنے کیلیے زیادہ سے زیادہ اولاد پیدا کرنے لگا۔ اسے اپنی موت کا ایک ہی علاج نظر آیا اور وہ یہ کہ وہ اپنی نسل کی صورت میں زیادہ سے زیادہ عرصہ تک زندہ رہ سکتا ہے۔ چنانچہ اس نے فطرت سے ایک قدم آگے بڑھ کر اولاد پیدا کرنے کی صلاحیت حاصل کرنا چاہی، اور وہ اس طرح کہ اس نے بغیر ضرورت کے جنسی عمل کا آغاز کر دیا...اس سے پہلے وہ عام جانوروں کی طرح قدرتی طریقے سے اولاد پیدا کرتا تھا لیکن شعور کے اضافہ کے بعد اس نے اپنی پہلی روش ترک کر دی۔ اب وہ بلا ضرورت اور بغیر قدرتی اوقات کے جنسی عمل دوہرانے لگا۔

کچھ ہی وقت کے بعد اسے احساس ہوا کہ موت سے نمٹنے کا یہ علاج درست نہیں تھا۔ اب وہ اپنی غلطی پر پچھتایا.....اس نے "بلا اوقات جنسی عمل" کو اپنی غلطی تصور کیا۔ وہ جانتا تھا کہ کوئی بھی مخلوق اسطرح نہیں کرتی۔ چنانچہ اس نے جنسی عمل کو اپنا پہلا گناہ گردانا۔ یہ انسان کے شعور کا تحفہ ملنے کے بعد پہلی آزمائش تھی۔ اور یہی اس کی پہلی ٹینشن تھی۔ اس زمانہ تک "انگور" اپنی نشلی خاصیت کا مظاہرہ کر چکے تھے۔ شروع زمانے میں انگور کی شراب بنانا لوگوں کیلیے ایسے تھا، جیسے فی زمانہ کوئی بھی کھانے پینے کی گھریلو چیز تیار کرنا۔ یہ کوئی مشکل کام نہ تھا۔ گویا انسان نے اپنی پہلی ٹینشن کے خاتمہ کیلیے بھی غیر قدرتی طریقہ یعنی نشہ کا سہارا لینا شروع کیا۔ بائبل کے بعض بیانات کو دیکھ کر تو یوں لگتا ہے جیسے اس زمانہ میں شراب کو ایک

مقدس مشروب کا درجہ حاصل تھا۔ بائبل میں بعض بڑے بڑے انبیاءؑ .... کی شراب نوشی کا ذکر ملتا ہے، جسے میں پچھلے ابواب میں بڑی تفصیل کے ساتھ بیان کر آیا ہوں۔

اب ذرا ہم اس بات پر غور کرتے ہیں کہ یہ ٹینشن کیا چیز ہے، جس کی وجہ سے لوگوں کو نشہ یا شراب نوشی کا بہانہ مل جاتا ہے۔ اور میرے خیال سے یہ ہماری کتاب کا سب سے اہم نقطہ ہے۔ ایک مشہور شعر ہے.....

؎ وہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات

بظاہر اس شعر کو اہل علم حضرات توحید کے موضوع کے ساتھ مخصوص کرتے ہیں ....اور یہ بات درست بھی ہے لیکن درحقیقت یہ شعر ہمارے موضوعِ حاضر یعنی ''ٹینشن'' کو سمجھانے میں بہت کام آسکتا ہے۔ ٹینشن، ڈپریشن اور فریسٹریشن فی الحقیقت وہ خوف ہیں جو انسان کو دامنگیر ہیں اور جن کے تسلط سے نکلنے کی خاطر انسان اپنی ساری زندگی ڈپریشنز کا شکار رہتا ہے۔ ہم اس اہم بات کو سمجھنے کیلیے ان مسائل کی فہرست پر طائرانہ نظر ڈالتے ہیں، جن کی بدولت ڈپریشن ہمارے نزدیک آتی ہے۔ مثلاً ہم دیکھتے ہیں کہ ہمیں کاروبار کی ٹینشن ہے، ہمیں مال کی ٹینشن ہے۔ ہمیں مکان، دولت، جائیداد، اقتدار، شہرت، خاندان، قوم، وطن اور معاشرتی سٹیٹس کے علاوہ اولاد خصوصاً بچوں کی شادی اور کاروبار کی ٹینشن رہتی ہے۔ اور جب گہری نظر سے مشاہدہ کرتے ہیں.... تو ہمیں صاف دکھائی دیتا ہے کہ یہ تمام ذہنی دباؤ...... ہمارے ذہن کے بت خانے میں سجے ہوئے بت ہیں۔ یہ سب مٹی کے اصنام ہیں۔ ان سب کا تعلق زمینی معاملات سے ہے۔ جنہیں حضرت علامہ اقبالؒ.... زمین ہوگی کہہ کر پکارتے ہیں۔ وہ لوگ جو ان مسائل میں سرتاسر غرق ہیں، گویا وہ زمینی معاملات میں گردن تک دھنسے ہوئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم نے ان تمام اشیاء کو.... ذالک متاعُ الحیاۃ الدنیا

...کہہ کر پکارا ہے۔ اور قرآنِ حکیم ایسے لوگوں کیلیے جو متاع حیات دنیا کے شوق میں بری طرح مبتلا ہیں........ فخسفنا..... کے الفاظ استعمال کرتا ہے۔ یعنی زمین میں دھنسے ہوئے۔ اب ہم جانتے ہیں کہ اس مختصر سی دنیاوی زندگی میں ایسے تمام معاملات جن کا تعلق سفال یعنی مٹی سے ہے۔ ہمارے اذہان کیلیے ایک مستقل دردسر کی حیثیت رکھتے ہیں۔ انہی کو ہم ٹینشن کہتے ہیں۔ یہ مستقل سردرد ہمارے ذہن کا حصہ بن چکا ہے۔ یہی وہ بت ہیں جنہیں گرا دینے کا حکم ہے۔ قرانِ حکیم نے ایک جگہ اولاد سے محبت کو شرک کے مترادف قرار دیا ہے۔ مطلب صاف ظاہر ہے کہ زمینی معاملات کی پریشانی مول لینا..... بالکل بے وقوفی کی بات ہے۔ سوچو جب تم نہ تھے تو زمینی معاملات کا سلسلہ کیسے چلتا تھا۔ اور جب تم نہ ہو گے تو کیا زمینی معاملات کا سلسلہ رک جائے گا۔ ہرگز نہیں..... وہ اولاد جس کی بہتری کیلیے انسان اپنی بہترین زندگی کو داؤ پر لگا دیتا ہے۔ والدین کے مرنے کے بعد کس حد تک انہیں یاد کرتی ہے؟۔ مثلاً ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ہم اپنے ماں باپ جو فوت ہو گئے ہیں انہیں کتنا یاد کرتے ہیں۔ کوئی کسی کا اتنا ہمدرد نہیں ہو سکتا جتنی کہ پروردگار عالم کی ذات ہے۔ چنانچہ وہ تمام بوجھ جو ہمارے اذہان پر مستقل سوار رہتے ہیں اور جنہیں ہم ڈپریشنز کے نام سے جانتے ہیں۔ فی الحقیقت جھوٹے بت ہیں۔ شیطان کے بنائے ہوئے مٹی کے اصنام ہیں۔ اور یہ جب تک ہمارے ذہنوں میں موجود رہتے ہیں ہم اپنی زندگی کی حقیقی خوشی سے لطف اندوز نہیں ہو سکتے۔ وہ وقت جو ہمیں زندگی کی حقیقی خوشی سے لطف اندوز ہونے کیلیے عطا کیا گیا ہے..... ہم مال و دولت جمع کرنے میں ضائع کر دیتے ہیں۔ ہم اپنے لیے جون کے دوپہر کی گرمی برداشت کر لیتے ہیں لیکن اپنی اولاد کیلیے ''اے سی'' خریدنا چاہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو جو مال جمع کرتے ہیں سخت عذاب کی وعید سناتا ہے ...قرآنِ حکیم میں ارشاد ہے:۔

وَیلٌ لِّکُلِّ ھُمَزَۃٍ لُّمَزَۃِ نِ ۝ الَّذِی جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَہٗ ۝

ترجمہ:۔ بڑی جہنم ہے ان لوگوں کیلیے جو طعن آمیز اشارتیں اور چغل خوری کرتے ہیں۔ اوران لوگوں کے لیے جو مال جمع کرتے اور اسے گنتے رہتے ہیں۔

ایک لمحے کیلیے غور کیجیے..... اپنی روزمرہ زندگی پر غور کیجیے..... کیا ہم ہمیشہ خوفزدہ نہیں رہتے۔ کیا ہم ہر لحہ کسی نہ کسی چیز سے ڈرتے نہیں رہتے۔ شاید اس مادی دور میں پوری دنیا میں کوئی شخص ایسا نہ ہو جو ہر گھڑی کسی نہ کسی خوف میں مبتلا نہ ہو۔ ہم ہر آن خود کو غیر محفوظ تصور کرتے ہیں۔ ہم ہر گھڑی اپنے سامان کو غیر محفوظ سمجھتے ہیں۔ ہمیں چوبیسوں گھنٹے یہ دھڑکا لگا رہتا ہے کہ کچھ ہو نہ جائے۔ بقولِ شاعر:۔

؎ ارادے باندھتا ہوں سوچتا ہوں توڑ دیتا ہوں
کہیں ایسا نہ ہو جائے کہیں ویسا نہ ہو جائے

یہ ہر وقت کا دھڑکا کیا ہے۔ میری دانست میں تو تمام برائیوں کی جڑ..... یہ کم بخت خوف ہی ہے۔ اگر ایک دکاندار بازار میں اپنے گاہک کے سامنے جھوٹ بولتا ہے تو محض اسلیے کہ کہیں اس کا گاہک سچ بولنے پر اسے چھوڑ کر کسی اور دُکاندار کے پاس نہ چلا جائے۔ اگر کوئی شخص مال جمع کرتا ہے تو محض کل آنے والے کسی ان دیکھے دن کے خوف سے..... وہ دن جو ابھی طلوع ہی نہیں ہوا اور جو ہو سکتا ہے کہ اس کی زندگی آئے ہی نہ..... اس دن کے خوف سے۔ کیا یہ عجب بات نہیں۔ ایک شخص اپنے مرنے کے بعد اپنی اولاد کیلیے مال ذخیرہ کرنا چاہتا ہے، محض اس لیے کہ کہیں اس کی نسل بھوکی مر کر فنا نہ ہو جائے اور وہ بے نام ونشان رہ جائے۔ مشہور مقولہ ہے کہ......."حملہ بہادری کی نہیں بلکہ خوف کی وجہ سے کیا جاتا ہے"۔ اور یہ سچ بھی ہے، حملہ کرنے والے کو خوف ہوتا ہے کہ مبادا مدِ مقابل اس پر حملہ کردے۔ خصوصاً جانوروں میں تو ہم اسی فطرت کا روز مشاہدہ کرتے ہیں۔ آپ جتنا بھی غور کرتے جائیے آپ کو صاف دکھائی دیگا کہ ہماری زندگی کا ہر المیہ بنیادی طور پر خوف ہی ہے..... بے جا خوف۔ ہم سب ڈرے ہوئے ہیں۔ ہمارے بادشاہ، ہماری عوام، ہمارے راہنما سب ڈرے ہوئے ہیں۔ میں صرف مسلمانوں کی بات نہیں کر رہا۔ میں تو On the whole سب انسانوں کی بات کر رہا ہوں۔ ہر کوئی خوفزدہ ہے..... ہم ہر وقت چونکے چونکے سے رہتے ہیں۔ ذرا ذرا سی بات پر ہم ایک جھٹکے سے مڑ کر دیکھتے ہیں۔

اور صرف یہی خوف نہیں جو میں نے اوپر گنوائے ہیں۔ بلکہ ہم انسانوں کی پوری زندگی سراپا خوف ہے، سراپا ڈر ہے۔ ہم بیرونی ماحول کے خوفوں کی بات سے ہٹ کر دیکھ لیتے ہیں۔ آپ غور کیجیے کیا ہمیں ہر وقت یہ دھڑکا نہیں لگا رہتا کہ ہم کہیں مر ہی نہ جائیں..... ذرا کسی سفر پر روانہ ہوتے وقت اپنی قلبی کیفیت کا جائزہ لیجیے گا۔ گاڑی میں بیٹھے بیٹھے..... کیا آپ یہ کبھی نہیں سوچتے کہ مبادا ایکسیڈنٹ ہو جائے۔ اور پھر یہیں پر بس نہیں...... سینے کے اندر چھپے ڈر اور خوف کا تو ٹھکانہ ہی نہیں...... طرح طرح کی بیماریوں کے لگ جانے کا خوف، ہارٹ اٹیک، کینسر، شوگر، اپینڈکس اور نہ جانے کیا کیا۔ ہماری عورتیں (چاہے وہ جس بھی معاشرے کی فرد ہو) جب حاملہ ہوتی ہیں تو پورے 9 مہینے اس خوف میں مبتلا رہتی ہیں کہ وہ اس ڈلیوری کے وقت کہیں مر ہی نہ جائیں۔ ہم ذرا سا کسی ویران مقام پر چلے جائیں تو فوراً چوکنے ہو جاتے..... ہم سوچتے ہیں کہ یہاں خطرہ ہے۔ ہم کسی پتھر، کسی پتھریلی زمین، کسی سبزے پر جب بیٹھتے ہیں تو ہمارے دل میں ایک احتیاط جاگزیں رہتی ہے۔ کہیں کوئی سانپ وغیرہ نہ نکل آئے۔ اب میں کون کون سے خوف گنواؤں۔ ہماری زندگیاں تو سراپا ڈر ہیں۔ الغرض ہم ہر وقت ڈرے ڈرے سے رہتے ہیں۔ آپ سوچ رہے ہونگے کہ وہ لوگ جو جنگلوں میں دن، رات گزارتے ہیں، تپسیا کرتے ہیں، دنیا تیاگ دیتے ہیں، ویرانوں میں گھومتے ہیں، جڑی بوٹیاں تلاش کرتے ہیں، سنیاس لیتے ہیں یا سری رام چندر جی کی طرح بن باس لے لیتے ہیں۔ وہ تو نہیں ڈرتے۔ آپ اب مہاتما بدھ کے بارے میں سوچ رہے ہونگے جنہوں

نے ساری زندگی جنگل میں تنہا گزار دی تھی۔ وہ سادھو سنت، وہ سلوک اور روحانیات کے مسافر جو سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر خطرات سے پر زندگی کی طرف نکل جاتے، وہ تو نہیں ڈرتے۔ لیکن افسوس آپ نے کبھی گہری نظر سے غور و فکر نہیں کیا۔ وہ لوگ ایسی جگہوں پر کیوں جاتے ہیں ...... صرف اپنا اندرونی خوف دور کرنے لیے۔ ہاں وہ پہلے پہل بری طرح سے خوفزدہ لوگ ہوتے ہیں، انکا یہ سنیاس اسی لیے ہوتا ہے کہ وہ اپنے اندر خوفوں سے تھک جاتے ہیں۔ وہ اس دنیا کے خطرات کے بارے میں سوچ سوچ کر اکتا جاتے ہیں۔ وہ اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ تمام خوف دور ہونے چاہیں چنانچہ وہ جنگل کی طرف نکل جاتے۔ پہلے پہل خوب ڈرتے ہیں لیکن آہستہ آہستہ مشق مسلسل سے ان کا تجربہ ہو جاتا ہے اور وہ ان بے جا خطرات کے خوف سے نکل آتے ہیں۔ بعض لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو پہلے سے خوف زدہ نہیں ہوتے اور معاشرے میں رہ کر ہی اپنے خوفوں پر قابو پا چکے ہوتے ہیں لیکن اپنے اندر کے بہادر انسان کو جسے انہوں نے اپنی ذہنی اور اکتسابی صلاحیتوں پر دان چڑھایا مزید شکتی مان بنا دینے کی غرض سے جنگلوں میں جا نکلتے ہیں۔ ہو سکتا ہے مہاتما بدھ وہی ہوں۔

یہی مثال ان لوگوں کی ہے جو لڑتے ہیں۔ محاذ جنگ پر دشمن کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر گولیوں کی بارش میں کھڑے رہتے ہیں۔ وہ بھی پیدائشی نڈر نہیں ہوتے۔ انہیں بھی دلیری کے اس مقام تک پہنچنے کیلیے بہت سی مشقوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ الغرض انسان اس وقت تک مکمل ہو ہی نہیں سکتا جب تک وہ اپنے آپ پر سے موت کا خوف اتار کر نہ پھینک دے۔ کیونکہ ہر خوف بنیادی طور پر ''موت'' کا ہی خوف ہوتا ہے۔

ہاں..... یہ بات سو فیصد درست ہے کہ ہر خوف بنیادی طور پر موت کا ہی خوف ہوتا ہے۔ وہ شخص اس دنیاوی زندگی میں مکمل ہو جاتا ہے جس کے دل سے ہر ڈر نکل کر ہمیشہ ہمیشہ کیلیے بھاگ جاتا ہے۔ اس وقت گویا اسے خدا کی معرفت مل جاتی ہے۔ اور آپ خود اندازہ

کیجیے کہ ایک انسان کے دل سے اگر ہر قسم کا خوف نکل جائے تو وہ خود کو کتنا مضبوط تصور کرے گا ..... ہندی زبان میں اسی کو ''شکتی'' کہا جاتا ہے۔ یوگی اسی کی مشق کرتے ہیں۔ گوتم بدھ کے تمام خوف جس دم دور ہو گئے تو اسے گویا ''نروان'' عطا کر دیا گیا۔ اور ہاں زندگی بھر ہر قسم کے خوف سے نجات حاصل کرنے کی وہ پریکٹس جو گوتم بدھ نے کی، اگر کامیاب ہوئی تو اس وقت جب وہ اپنی تمام زندگی گزار چکا تھا اور اس کا وقت وصال آ پہنچا تھا..... اور نروان یا عرفان کا وہ مقام جو اسے عطا ہوا اس کی آخری منزل تھی لیکن کیا کہنے..... رسالتماب ﷺ کی ذات مبارک کے آپ کو معرفت کا وہ مقام ملا تو آپکی اصل تبلیغی زندگی کا عین اس وقت آغاز ہو گیا..... میں اُس مراقبہ کی بات کر رہا ہوں جو آپ غار حرا، میں جا کر فرمایا کرتے تھے۔ یہ ہے رسالتماب ﷺ کی شان۔ جہاں تمام برگزیدہ انسانوں کی پہنچ کا خاتمہ ہو جاتا ہے وہاں مکے کے ایک درِ یتیم کی معرفت کا آغاز ہوتا ہے۔ انسان صرف اور صرف وہی ہے جو اپنے اندر پیدا ہونے والے ہر خوف پر مکمل طور پر قابو پا لیتا ہے..... خوفزدہ رہنے والے انسان نہیں ہو سکتے جانور ہوتے ہیں۔ ہم جانوروں کو دیکھتے ہیں کہ وہ ہمہ وقت موت کے خوف سے اپنے کان کھلے رکھتے ہیں۔ کوئی بھی چوپایہ ذرا سی آہٹ پر ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑا ہوتا ہے۔ کتا ذرا ذرا سی حرکت پر اپنے کان کھڑے کر لیتا ہے۔ بچھو موت کے خوف سے بغیر تحقیق کیے کاٹ لیتا ہے، اور سانپ ...... سانپ ہمیشہ اپنی موت کے خوف سے ڈستا ہے، ہر جانور ہمہ وقت خوفزدہ رہتا ہے۔ بالفاظ دیگر خوف فطری عمل ہے۔ لیکن انسان کے ذمہ یہی ایک ذمہ داری ہی تو پروردگار عالم نے لگائی ہے کہ وہ ان تمام صفات سے جو جانوروں میں پائی جاتی ہیں خود کو بچائے۔ یہی ارتقاء ہے اور یہی فلاح کا راستہ ہے...... قرآن حکیم کا ارشاد کہ..... لا تحزن یا لا تخف..... اسی درس کے لیے ہی تو وارد ہوا۔ لا تحزن، لا تخف... اے نبی تو کچھ غم، خوف نہ کر۔ اور پھر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان کہ انسانوں کی فطرت اللہ کی فطرت پر بنائی گئی ہے۔ مزید اس بات کا ثبوت

ہے۔ ظاہر اللہ تو کسی چیز سے نہیں ڈرتا ہے۔

ڈرنا تو جانوروں کی فطرت ہے۔ اور وہ انسان جو ڈرتے ہیں، وہ جانوروں کی طرح ہیں۔ انسان صرف وہی ہے جو نہیں ڈرتا...... انسان کے دل میں دنیا کی کسی چیز کا خوف نہیں ہوتا.... ہاں اس کے دل میں ''خشیتِ الٰہی'' ہوتا ہے... یعنی صرف خوف خدا۔ اور اس خشیت یا خوف کو خوف تو کہا ہی نہیں جاتا، اسے تو قرآن کی زبان میں تقویٰ کہا جاتا ہے.... اب اگر آپ اس مشہور شعر کو ایک بار پھر دیکھ لیں تو میری ساری بات واضح ہو جائے گی اور تب میں اپنے مضمون کا سلسلہ ایک بار پھر اپنے اصل موضوع کے ساتھ جوڑ سکوں گا۔ وہ شعر یہ تھا:۔

وہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات

مطلب اس کا یہ ہوا کہ وہ ایک خوف یعنی خشیتِ الٰہی یا تقویٰ جو ہم انسانوں کو مشکل دکھائی دیتا ہے۔ درحقیقت یہی ہے کہ ہم دنیا بھر کی ہر ٹینشن سے نجات پا لیں۔ ہم اپنے ہر معاملے میں یہ سوچیں کہ اس عارضی زندگی میں ہم جتنے بھی پریشان ہوں گے یہ تمام پریشانی محض سفلی معاملات کیلیے ہوگی۔ جو بھی معاملہ ہوگا۔ مٹی کے سات وابستہ معاملہ ہوگا اور ہم..... قرآن حکیم کی زبان میں... مخسفنا...... نہیں ہونا چاہتے۔ یعنی زمین میں دھنسے ہوئے۔ ہم کیوں پریشان ہوں کہ ہمارے بچوں کی روزی کہاں سے آئیگی۔ دوسرے جانداروں کے بچوں کی روزی کہاں سے آتی ہے؟۔ ہم کیوں مال و دولت جمع کریں، کیا ہم نے ابدالآباد تک یہاں رہنا ہے۔ ہمیں ہر ٹینشن، ہر ڈپریشن اور ہر فرسٹریشن سے خندہ پیشانی کے ساتھ گزر جانا چاہیے۔ اور یہ سوچنا چاہیے کہ یہ سب کچھ وقتی ہے۔ حقیقی زندگی اگلی زندگی ہے جو بہت طویل ہے اور جس کیلیے زادِ راہ لینا بہت ضروری ہے۔ ہم اگر اس دنیا کیلیے جسے سرائے سے تشبیہ دی جاتی ہے..... مال و متاع اکٹھا کر بھی لیں تو اسے کھائے گا کون.... ظاہر ہے ہم تو نہیں ہو سکے۔

تصریحات بالا سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ انسانی ذہن اگر غلط مسائل کی آماجگاہ ہوگا تو ڈپریس رہے گا اور اگر اللہ کی فطرت پر بے پرواہ ہو جائے گا تو اسے اطمینان قلب عطا کر دیا جائے گا۔ اسی کو اللہ کی معرفت کہتے ہیں۔

نشہ انسان کیوں کرتا ہے؟۔ محض اس لیے کہ اس سے ذہن کا ہر ڈپریشن دور ہو جائے۔ لیکن یہ ایک ایسا جھوٹ ہے.... جس کے پیر بھی ہیں، سر بھی اور کالی ماتا کی طرح کئی ہاتھ بھی..... یہ آتا ہے اور کسی آکٹوپس کی طرح انسان کے سر پر سوار ہو جاتا ہے۔ یہ اطمینان کی کیفیت عطا نہیں کرتا بلکہ اور زیادہ بے چین کر دیتا ہے۔ میرا مذکورہ بالا مضمون ان لوگوں کے کسی کام تو شاید نہ آسکے جو نشے کے قدیمی مریض ہیں لیکن میں توقع کر سکتا ہوں کہ وہ لوگ جو ابھی اس دلدل میں نئے نئے مبتلا ہوئے ہیں۔ یہ سوچ کر کہ دنیا کی ہر ٹینشن شیطان کی عطا کردہ ہوتی ہے.... کیونکہ وہ وسواسِ الخناس ہے۔ اور شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ انسان اسی زمین میں...... مر مٹ..... کر ختم ہو جائے۔ اور معراج انسانیت کے اس مقام پر فائز نہ ہو سکے جو اللہ نے روز اوّل اسے مرحمت فرمایا تھا۔

نشہ کرنے سے پہلے نیا نیا نشئی یہی وجہ بتاتا ہے کہ اسے پریشانی اور ڈپریشن چین نہیں لینے دیتا... اور اس لیے وہ نشہ کرتا ہے۔ بقول شاعر:۔

مجھے پینے کا شوق نہیں پیتا ہوں غم بھلانے کو

میری دانست میں نشہ کرنے کی یہ سب سے غیر معقول وجہ ہے۔ نشے کے مرض میں مبتلا ہونے کی وجوہات اور بھی بہت ہیں لیکن نشہ بازوں کی اکثریت اسی ایک بہانے کا سہارا لیتی ہے کہ وہ بہت ٹینس ہیں، بے حد دکھی ہیں اور وغیرہ وغیرہ۔ لیکن بہت سے لوگوں کا یہ بہانہ غلط بھی نہیں ہوتا۔

ماہرین کا خیال ہے کہ نشے کا مرض ذیابیطس کی طرح ہے۔ اس کا شکار ہونے کیلیے کسی خاص قسم

کی شخصیت ضروری نہیں.... کوئی بھی شخص کسی بھی وقت اسکا عادی ہوسکتا ہے۔ البتہ وہ لوگ جو بنیادی طور بے پرواہ قسم کے ہوتے ہیں، ان کے عادی بننے کے امکانات نسبتاً کم ہوتے ہیں۔ نشہ انسانیت کیلیے بے حد مہلک ہے چنانچہ اس بات کا خیال کہ حتی الامکان اس سے بچا جائے صرف حکومت کی ہی نہیں بلکہ ہر فرد معاشرہ کی انفرادی ذمہ داری ہے۔ ایسے نوجوان جو موذی قسم کی منشیات کا شکار ہیں، اور قریب قریب تباہ ہو چکے ہیں...... وہ اپنی اس تکلیف کو عقلی طور پر سمجھ چکے ہوتے ہیں لیکن اس وقت جب ان کے بچاؤ کے زیادہ تر راستے مسدود ہو چکے ہوتے ہیں۔ وہ روتے ہیں، پچھتاتے ہیں لیکن اپنی ہی مدد کیلیے کچھ کر سکنے سے معذور ہوتے ہیں..... چنانچہ جلد ہی ان کی طبیعت میں چڑچڑاپن آجاتا ہے اور وہ اپنی ذات سے شدید نفرت کرنے لگتے ہیں۔ ایک موذی نشہ کے عادی کیلیے اگر پہلے غم تھا یا نہیں لیکن عادی ہونے کے بعد تو اس کے لیے ایک مستقل روگ پل کر جوان ہو چکا ہوتا ہے اور پھر اپنے غم کو بھلانے کا اس کے پاس ماسوائے نشہ کرنے کے اور کوئی چارہ نہیں رہ جاتا۔

میں مسلسل ایک ہی بات پر زور دے رہا ہوں اور وہ یہ ہے کہ نشہ کرنے کی بنیادی وجہ ہے... "ٹینشن"۔ یا عام زبان میں کہیں تو "غم"۔ لیکن غم کیا ہے؟۔ اور وہ کون سا غم ہے جو ایک جیتے جاگتے صحت مند انسان کو نشہ کرنے پر مجبور کر دیتا ہے۔ میری دانست میں غموں کی وہ فہرست جو کسی انسان کو نشے کی طرف مائل کرتی ہے اگرچہ طویل ہے لیکن سر فہرست ہے "شخصیت کی کمزوری کا غم"۔ غالباً آپ اس بات کو سمجھنے میں مشکل محسوس کرتے ہیں... اسے ہم عام فہم زبان میں "احساسِ کمتری" کہہ سکتے ہیں۔ یہ احساسِ کمتری بڑی ظالم چیز ہے۔ انسان کا کوئی دشمن بھی اس سے زیادہ خطرناک نہیں...... میں نے اس کتاب کی تیاری کے دوران سینکڑوں نشہ بازوں کا بغور جائزہ لیا اور میں پوری طرح اس نتیجہ پر پہنچا کہ 99 فیصد نشہ باز اپنی ذات میں موجود بے پناہ احساسِ کمتری سے نجات کی خاطر نشہ کی جانب مائل ہوئے۔ یہ احساسِ کمتری فی الحقیقت کسی بھی انسان کے بچپن میں اس کی ذات کا حصہ بن جاتا ہے۔ وہ محرومیاں جو ایک معصوم بچے کے نصیب میں پائی جاتی ہیں..... بڑے ہو کر احساسِ کمتری میں بدل جاتی ہیں۔ آج یہ مضمون تحریر کرتے وقت مجھے بے ساختہ رسول کریم ﷺ کی ایک مبارک حدیث یاد آرہی ہے۔ آپ نے فرمایا تھا.... کہ جب اپنا مکان بنانے لگو تو گھر کی دیوار اتنی اونچی نہ رکھو جو تمہارے پڑوسی کی ہوا روک لے۔ اور یہ بھی ارشاد فرمایا کہ.... اگر اپنے گھر میں کوئی عمدہ کھانا پکاؤ تو کوشش کرو کہ اس کی خوشبو پڑوسیوں کے گھر تک نہ جائے، کیونکہ اس خوشبو سے غریب پڑوسیوں کے بچے محرومی کا شکار ہو سکتے ہیں۔ سبحان اللہ۔ اور اسی مقام پر یہ شعر بھی ہماری بات کو سمجھانے میں مددگار ہو سکتا ہے۔

وہ اکثر دن میں اس ڈر سے سلا دیتی ہے بچوں کو
گلی میں پھر کھلونے بیچنے والا نہ آجائے

گلی میں کھلونے بیچنے کیلیے آنے والا Hocker جس بچے کی ماں کو مجبور کر دے کہ وہ اپنے بچے کو دن میں بھی سلا دے.... اس ماں اور اس کے بچے سے زیادہ محرومی کی مثال کون سی دی جا سکتی ہے۔ ایسی محرومیوں میں پرورش پانے والے بچے جب اپنے ہم عمروں کو دیکھتے ہیں کہ وہ اعلیٰ معیارِ زندگی کے ساتھ ساتھ مرغن غذاؤں اور بیش قیمت کھلونوں کے ساتھ کھیلتے ہیں تو ان کیلیے اس طرح کا معیارِ زندگی چیلنج بن جاتا ہے۔ اور بڑے ہونے کے ساتھ ساتھ ان کے سینے میں پرورش پانے والا یہ عزم بھی جوان ہو جاتا ہے کہ وہ بڑے ہو کر اپنے لیے وہ تمام سہولتیں حاصل کر کے رہیں گے جو انہیں بچپن میں حاصل نہیں ہو سکیں۔ یہی وہ تگ و دو ہوتی ہے جو انہیں مجبور کرتی ہے کہ وہ ہر جائز و ناجائز کام میں ہاتھ ڈالیں لیکن اپنے لیے وہ معیارِ زندگی ضرور حاصل کریں جو انہیں بچپن میں میسر نہیں آسکا۔ یہی خواہش انہیں غلط راستوں پر لے کر چل پڑتی ہے۔ ضروری تو نہیں کہ انہیں وہ وسائل بھی میسر آجائیں جو ان کی مطلوبہ

تمناؤں کے لیے ضروری تھے۔ عموماً ہوتا یہی ہے کہ انہیں وہ وسائل میسر نہیں آ سکتے اور وہ مایوس ہو کر اپنے آپ سے نفرت کرنے لگتے ہیں۔ اس مایوسی کے دورے میں نشے سے زیادہ کوئی چیز نہیں جو انہیں پناہ دے سکے۔ آپ مشرق سے مغرب تک گھوم جایئے آپ کو ہر ملک اور ہر شہر کا نشہ باز بنیادی طور پر احساسِ کمتری میں شخص نظر آئے گا۔ الغرض یہ احساسِ کمتری ہی ہے جو کسی نوجوان کو عین شباب کے عالم میں دنیا سے مایوس اور دور کر سکتا ہے۔ یا تو انہیں اپنا گوہر مراد مل جاتا.........لیکن ایسا تو ہو نہ سکا اور اب ان کے لیے سب کے سامنے رہنے کا کوئی چارہ نہ تھا۔ تو وہ کیا کرتے؟ حل تو یہ تھا کہ انہیں بچپن میں ہی احساسِ کمتری سے بچا کر رکھا جاتا۔ ان کو ایسا ماحول مہیا کیا جاتا جہاں ان کیلیے محرومی کی کوئی بات نہ ہوتی۔ یہ بنیادی طور پر حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے مستقبل کے نوجوانوں کو......یعنی اپنے بچوں کو ان کی ابتدائی تعلیم کے دوران ہی مایوسی کے گھٹا ٹوپ اندھیرے سے بچا لے۔

میں نے سو سے زیادہ ایسے نوجوانوں کا انٹرویو کیا ہے......جو نشے کی لت میں مبتلا تھے، میں نے ہر ایک کا بغور مشاہدہ کیا...ان میں اکثر تو ایسے غریب گھرانوں کے چشم و چراغ تھے....جن کو دو وقت کی روٹی بھی پیٹ بھر کر دستیاب نہ تھی۔ وہ سکول نہ جا سکے.....ان کے ماں باپ نے انہیں انکے انتہائی بچپن میں ہی کسی ورکشاپ یا ہوٹل پر اس لیے بھیج دیا تھا، تا کہ وہ ان کیلیے کما کر لا سکیں۔ وہ اعلیٰ اخلاقیات کو کہاں سے سیکھتے......بقول شاعر:۔

مرے اجداد نے تہذیب نہ سیکھی ہو گی
مرے ماحول میں انسان نہ رہتے ہوں گے

یہ ہے احساسِ کمتری، دنیا کا خطرناک ترین مرض۔ اس مرض کا شکار مریض زندگی میں مختلف قسم کے طرز ہائے عمل کا مظاہرہ کرتا ہے۔ بعض لوگ تو معاشرے سے انتقام لینے کا وطیرہ اپنا لیتے ہیں اور بعض مایوسی کے اتھاہ دلدل میں اوندھے منہ جا گرتے ہیں۔ آپ دیکھیں

ایسے لوگ جن کا قد چھوٹا رہ جاتا ہے۔ اتنا چھوٹا کہ انہیں بچپن میں اپنے ہم جولوں کے مذاق کا نشانہ بننا پڑتا ہے۔ یا پھر وہ بچے جن کی ذہنی گروتھ دوسروں کے مقابلے میں کم ہوتی ہے ...احساسِ کمتری کے سب سے زیادہ مریض ہوتے ہیں۔ دراصل احساسِ کمتری کا مریض ہونے کیلیے غریب ہونا ضروری نہیں۔ کسی جسمانی نقص میں مبتلا ہو کر احساسِ کمتری کا شکار ہونے والوں میں زیادہ تر بچے دولتمند گھرانوں سے ہوتے ہیں۔ معاشرتی سٹیٹس اور طبقاتی نظام کی ناہمواریوں نے انسانیت کے وقار کو پارہ پارہ کر دیا ہے۔ احساسِ کمتری میں مبتلا شخص کسی صورت "حسد" جیسے موذی گناہ سے بچ نہیں سکتا۔ حسد اسے اکساتا ہے کہ وہ دوسروں کو دکھ پہنچائے، اذیت اور تکلیف پہنچائے۔ بس اسی سے اس کی تسکین ہوتی ہے۔ دنیا بھر کے تمام جرائم کی پشت پر ہمیشہ احساسِ کمتری کا ہاتھ ہوتا ہے۔

اور جنسی غیر اطمینان کسی بھی مرد یا عورت کی زندگی پر سب سے زیادہ اثر انداز ہوتا ہے۔ وہ وجوہات.........جو احساسِ کمتری پیدا کرتی ہیں ان میں جنسی عدم توازن پہلے نمبر ہے۔ ایک نوعمر لڑکے کیلیے جس قدر اہم مسئلہ جنسی ہو سکتا ہے اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ اور یہی عمر ہے جب کوئی نوجوان پہلی مرتبہ نشہ کی طرف مائل ہوتا ہے۔ الغرض یہ احساسِ کمتری ہی ہے ......جس کی تسکین کی خاطر کوئی نوجوان نشہ کرتا ہے۔ لیکن جب وہ ایک مرتبہ اس لت مبتلا ہو جاتا ہے تو پھر اس کیلیے اس مرض سے نکلنا کسی دلدل سے نکلنے کے مترادف ہے۔ چنانچہ یہ والدین کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے چشم و چراغ کو اور کچھ نہ دے سکیں تو خیر..............لیکن کم از کم اتنا ضرور خیال رکھیں کہ وہ احساسِ کمتری میں مبتلا نہ ہونے پائے۔ آپ مالی طور پر کمزور ہیں تو اپنے بچے کو ہرگز "مالداروں" کے سکول میں داخل نہ کروائیں......کیونکہ وہاں آپ کا بچہ ضرور احساسِ کمتری میں مبتلا ہو جائے گا۔

عموماً یہ کہا جاتا ہے کہ بچے کو برے ماحول کے نزدیک نہ جانے دیا

جائے۔ اسے اوباشوں کی محفل سے دور رکھا جائے تو وہ نشہ سے بچ سکتا ہے۔ لیکن اس بات پر کوئی بھی غور نہیں کرتا کہ بچہ یا لڑکا وہیں جانا پسند کرتا ہے جہاں اسے اپنے قلبی مسائل کا حل دکھائی دیتا ہے۔ اگر آپ کا بچہ محرومی کا شکار ہے تو آپ جسقدر بھی چاہیں اسے برے ماحول سے باز نہیں رکھ سکتے۔ یہ ایک اٹل حقیقت ہے۔

نشے کی لت میں مبتلا ہونے والوں میں ایک بڑی تعداد ان نوجوانوں کی ہے جن کے والدین خصوصاً "باپ" بہت زیادہ سخت مزاج ہوتے ہیں۔ ایسے بچے کو پناہ چاہیے اور نشہ اس کیلیے بظاہر بہترین پناہ مہیا کرتا ہے۔ پھر وہ بچے جنہیں ماں میں کی طرف سے بے جا لاڈ پیار ملتا ہے اسطرح کی برائیوں میں مبتلا ہونے سے نہیں بچ سکتے۔ پاکستان میں موجود ماہرینِ نفسیات جو منشیات کا علاج کرتے ہیں...... یہ کہتے ہیں کہ نشہ پر لگنے والے نوجوانوں میں سب سے زیادہ تعداد ان کی ہے جو سب سے پہلے شوقیہ طور پر نشہ کرتے ہیں۔ لیکن میں ان کی رائے سے اختلاف رکھتا ہوں۔ بے شک بعض طبائع میں یہ بات پائی جاتی ہے کہ وہ ہر اس کام کو شوق سے کرنا چاہتے ہیں جس میں تجسس ہو۔ لیکن ہمیں اس شوق کی اصل کو دیکھنا ہوگا...... میں نے ایک پڑھے لکھے نشہ باز سے اس کے نشہ کرنے کے اسباب دریافت کیے تو اس نے یہ شعر پڑھا:۔

؎ جرم بھی کام ہے جسارت کا
بزدلوں سے خطا نہیں ہوتی

میں یہ شعر سن کر حیران رہ گیا...... شوق کی کیا بات ہے۔ لیکن نشے کا شوق ہی کیوں؟ بات شوق کی نہیں...... اصل بات ہے تجسس کی۔ یہ کسی چیز کا تجسس ہی ہے جسے ہم شوق کہتے ہیں۔ اس کے ثبوت میں آپ ان لوگوں کو دیکھیے جو شوق کے ہاتھوں مجبور ہو کر پہاڑوں پر چڑھتے ہیں، سمندروں کی تہہ میں اتر جاتے ہیں اور نہ جانے کیا کیا کرتے ہیں۔ کیا

یہ سب کچھ تجسس کے ہاتھوں نہیں ہوتا...... بلکہ ہم تو انہیں کہتے ہی "مہم جو" ہیں۔ چنانچہ شوق اصل میں تجسس ہی کو کہتے ہیں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ تجسس پسند انسان دوسرے بہت سی قسم کے تجسس چھوڑ کر نشہ جیسی ضرر رساں چیز کی طرف مائل کیوں ہوتا ہے۔ اس کا جواب بہت سادہ ہے...... یہ جو ہم اپنے بچوں کو ذرا ذرا سی بات پر ٹوکتے ہیں، ایسے نہ کرو، یوں نہ کرو...... چھری سے ہاتھ کٹ جائے گا۔ ماچس سے ہاتھ جل جائے گا، میز سے گر جاؤ گے، تیز مت دوڑو، اکیلے باہر نہ نکلو، وغیرہ وغیرہ۔ اس طرح ہمارے بچے اپنی بہت سی خواہشات پوری کرنے سے محروم رہ جاتے ہیں۔ ان کا معصوم ذہن یہ سوچتا ہے کہ آخر انہیں ہر بات پر ٹوکا کیوں جاتا ہے، انہیں ہر بات سے منع کیوں کیا جاتا ہے۔ اور اس طرح ان کے ذہن میں بغاوت کی بنیاد پڑ جاتی ہے۔ وہ فرض کر لیتے ہیں کہ ہمارے والدین کا تو کام ہی منع کرنا ہے۔ ہر جائز و ناجائز کام سے منع کرنا۔ چنانچہ وہ اپنی تمام خواہشات چھپ کر پوری کرنا چاہتے ہیں۔ وہ بڑوں سے چھپ کر بڑوں والے کام کرنے لگتے ہیں۔ مثلاً کوڑے کرکٹ سے سگریٹ کے ادھ جلے ٹکڑے اٹھا کر سلگانا، یا بجلی کے ساتھ کھیلنا وغیرہ وغیرہ۔ اور پھر جب وہ دوسروں سے چوری چوری یہ سب کچھ کر لیتے ہیں۔ اور اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ اس طرح کرنے سے کوئی نقصان نہیں ہوتا تو وہ آئندہ وہی حرکت کرتے ہوئے ذرا بھی نہیں جھجھکتے البتہ جب بھی وہ اپنے تئیں کوئی خفیہ کام کرتے ہیں...... تو ان کی طبیعت میں بے پناہ تجسس ہوتا ہے۔ اور اس طریقے سے اپنے تجسس کو پورا کرنا ان کی عادت بن جاتی ہے...... وہ ذرا بڑے ہوتے ہیں تو ماں باپ سے چھپ کر باقاعدہ سگریٹ پینے لگتے ہیں۔ اس طرح انہیں احساس تکمیل ہوتا ہے...... جو احساسِ محرومی کے الٹ ہے۔ ایک نوعمر لڑکے کا کچا ذہن اس بات کو صحیح طریقے سے سمجھنے سے قاصر ہوتا ہے کہ سگریٹ اس کیلیے کتنی نقصان دہ ہو سکتی ہے۔ انہیں تو بس صرف خود کو بڑا سمجھنے میں لطف آتا ہے۔ اگر ان کو بچپن میں ہر کام پر ٹوکا نہ جاتا اور انہیں ان کا بچپن کھلے دل

سے گزارنے دیا جاتا، انہیں بار بار یہ احساس نہ دلایا جاتا کہ تم ابھی چھوٹے ہو...... بڑے ہونا تو سب کام کرلینا۔ بلکہ اسے ہر کام کرنے کی اجازت دی جاتی تا کہ اس میں خود اعتمادی پیدا ہو.......... تو یقیناً ان کے دل میں وقت سے پہلے بڑا ہونے کی خواہش اتنی شدید نہ ہوتی۔

آخر ایک بچے کے دل میں اپنی عمر سے پہلے بڑا ہونے کی خواہش کیونکر ہوتی ہے۔

اسے اپنے بچپن میں مزہ کیوں نہیں آتا...... وہ کیوں چاہتا ہے کہ وہ بڑوں والے کام کرے۔ محض اس لیے کہ اس کو ہر بات پر بچہ سمجھا جاتا ہے۔ حالانکہ ضروری تو نہیں کہ وہ ہر معاملے میں ایک دودھ پیتے بچے جیسے طرزِ عمل کا مظاہرہ کرے۔ بہت سے کام ایسے ہیں جو اگر بغیر روک ٹوک کے بچے کو کرنے دیے جائیں تو اس کی شخصیت میں اعتماد بڑھتا ہے۔ اور یہ تو ایک اٹل حقیقت ہے کہ اعتماد کی بڑھوتری سے احساسِ کمتری فنا ہو جاتا ہے..... لہٰذا آپ اگر چاہتے ہیں کہ آپ کے بچے میں احساسِ کمتری نہ ہو اور وہ بڑا ہو کر نشہ باز نہ بنے تو پوری کوشش کریں کہ اس کا اعتماد بحال رہے..... بفرضِ محال آپ کا بچہ کسی کام کو کرتے ہوئے نقصان کر دیتا ہے مثلاً کچھ توڑ دیتا ہے، تو اس بات پر آپ اسے ڈانٹنے کی بجائے یا مارنے کی بجائے اسے پیار سے سمجھائیں..... اسے وہی کام کرنے کا ایک بار پھر موقع فراہم کریں، اسے بار بار موقع فراہم کریں، بالآخر وہ اس کام کو کرنے کا اہل ہو جائے گا۔ مثال کے طور پر آپ کا بچہ ماچس کی ڈبیا سے کھیل رہا ہے۔ وہ بار بار ماچس کی ڈبیا سے تمام دیا سلائیاں نکال کر زمین پر پھینک دیتا ہے ..... اس بات سے آپ چیں بہ جبیں نہ ہوں۔ اسے منع بھی نہ کریں اور نہ ہی اسے ڈانٹیں بلکہ اسے انتہائی پیار کے ساتھ کہیں کہ وہ تمام دیا سلائیاں دوبارہ ماچس کی ڈبیا میں ڈالے۔ اسے جب تک آپ کی بات سمجھ میں نہ آئے آپ اسے یہی کہتے رہیں..... بالآخر وہ آپ کی بات سمجھ جائے گا۔ اسطرح اسے اعتماد حاصل ہوگا، اور وہ آئندہ جب ماچس کی ڈبیا سے دیا سلائیاں نکالے گا تو یہی عمل خود بخود دہرائے گا۔ آپ کا برویہ اپنے بچے کے ساتھ اسی طرح کا ہونا

چاہیے۔ اس طرح آپ کا بچہ اعتماد کی دولت سے مالا مال ہوتا چلا جائے گا۔ اسے نہ تو کوئی احساسِ کمتری ہوگا اور نہ ہی کسی قسم کا احساسِ محرومی..... اس کی تجسس پسند انسانی فطرت اپنی تسکین کیلیے سگریٹ کا راستہ اختیار نہیں کریگی۔ وہ اپنے تجسس کو حصولِ علم کیلیے کام لائے گا۔ اور کبھی بھی کسی طور بھی نشہ کی طرف نہ جائے گا۔

حقیقت یہی ہے کہ کوئی بھی انسان...... اور انسان پر ہی کیا موقوف کوئی بھی ذی روح خود بخود اپنی مرضی سے موت کی طرف نہیں جاتا۔ آپ خود تحقیق کر کے دیکھ لیں آپ کو ہر وہی بچہ نشہ کی لت میں ضرور مبتلا ملے گا..... جس کے اعتماد کو اس کے بچپن میں مجروح کیا گیا تھا۔ وہ اگر کسی وقت میں شوقیہ بھی نشہ کرنے لگا تھا تو اس کے پیچھے یہی چیز تھی..... خود اعتمادی کی کمی اور احساسِ محرومی۔

انسان نشہ کیوں کرتا ہے؟..... اگرچہ اس سوال کے بہت سے جوابات دیے جاتے ہیں۔ لیکن حقیقت میں اس کے صرف 2 جواب ہیں۔ یعنی بنیادی طور پر نشہ کی لت میں مبتلا ہونے کی دو وجوہات ہو سکتی ہیں۔

(1)..........شوقیہ نشہ پر لگنا

(2)..........ذہنی دباؤ (ڈپریشن) کی وجہ سے نشہ کے سکون میں پناہ لینا۔

جبکہ ہم تصریحات بالا میں یہ ثابت کر چکے ہیں کہ ”شوقیہ“ نشہ پر لگنے والی بات درست نہیں........ کیونکہ وہ تجسس جسے شوق سمجھا جا رہا ہے..... فی الحقیقت محرومی کی بدولت پیدا ہوا تھا۔ اس بات کا ثبوت حاصل کرنے کیلیے میں نے 21 جنوری 2003 کے روز یہ تجربہ کیا..... جسے میں ذیل درج کرتا ہوں:۔

میں نے 8 سال کی عمر کے دو بچوں کا انتخاب کیا جن کے نام علی الترتیب ... ”علی“ .... اور ”شبیر“ .... تھے۔ علی ایک پڑھے لکھے خاندان کا پیارا سا بچہ ہے اور تھرڈ کلاس میں

پڑھتا ہے۔ جبکہ شبیر بھی تھری کلاس میں ہی پڑھتا ہے لیکن اس کا باپ ایک تلخ مزاج اور گنوار شخص ہے۔

میں نے علی اور شبیر کو ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت اپنے گھر بلایا۔ انہیں بہلانے کیلیے ان کی عمروں کے مطابق کھلونے دیے...... اور ان دونوں کو میں نے ایک الگ کمرے میں اکیلا چھوڑ دیا۔ اب میں ان کی حرکات کا ایک ایسی جگہ سے مشاہدہ کر رہا تھا، جہاں سے وہ مجھے نہ دیکھ سکتے تھے۔ کمرے میں ان کی ضرورت کی ہر چیز رکھی گئی تھی...... مثلاً ٹی وی، وی سی آر، کتابیں اور کھلونے... اور ایک طرف سامنے کی میز پر میں نے سگریٹ کا ایک کھلا پیکٹ اور لائیٹر بھی رکھ دیئے تھے۔ میں انکی تجسس پسندی کا جائزہ لینا چاہتا تھا...... میں نے دیکھا کہ کچھ دیر تک تو علی اور شبیر ایک دوسرے کے ساتھ ادھر ادھر کی باتیں کرتے رہے۔ اور تھوڑے وقت بعد انہوں نے اپنی تجسس پسند فطرت کے ہاتھوں مجبور ہو کر کمرے میں رکھی چیزوں میں دلچسپی لینی شروع کر دی۔ علی...... ایک پر اعتماد بچہ ہے۔ اس نے بڑی بے خوفی کے ساتھ تپائی پر رکھا زمین کا گلوب اٹھا لیا اور اس پر دنیا کا نقشہ دیکھنے اور اسے سمجھنے کی کوشش کرنے لگا۔ اس نے شبیر کو بھی اپنے ساتھ لگانے کی کوشش کی۔ ...... لیکن شبیر جو کافی دیر سے میز پر رکھے لائیٹر کو دلچسپی کے ساتھ دیکھ رہا تھا...... پوری طرح علی کی طرف متوجہ نہ ہو سکا۔ شبیر چاہتا تھا کہ لائیٹر اٹھائے اور اس کے ساتھ کھیلے لیکن اس کی طبیعت میں پائی جانے والی جھجک صاف دیکھی جا سکتی تھی بالآخر شبیر نے لائیٹر اٹھا لیا اور اس کے ساتھ کھیلنا شروع کر دیا۔ شبیر کی آنکھوں میں پائی جانے والی چمک دیکھ میں نے اندازہ لگا لیا کہ وہ ضرور سگریٹ میں بھی دلچسپی لیگا۔ اور پھر وہی ہوا ...... چند لمحے بعد میں نے دیکھا کہ شبیر لائیٹر کی مدد سے سگریٹ سلگانے کی کوشش کر رہا تھا اور علی اسے بار بار منع کرتے ہوئے یہ کہہ رہا تھا کہ بے وقوفی مت کرو...... سگریٹ کوئی اچھی چیز نہیں، تم سگریٹ پیو گے تو تمہارے منہ سے بدبو آئے گی۔ اور پھر بالآخر شبیر نے علی کی بات نہ

مانی اور سگریٹ سلگا لی۔ اب اس کے چہرے پر تجسس کے ساتھ ساتھ اعتماد کی ایک انوکھی لہر تھی۔ وہ خود کو ایک بڑا مرد تصور کر رہا تھا...... غالباً اپنے باپ جیسا۔

یہی...... بالکل یہی...... میں یہی بات سمجھانے کی کوشش کر رہا ہوں کہ ایسے نوجوان جن کی طبیعت میں اعتماد کی کمی ہوتی ہے۔ وہ اپنے فطری تجسس کو ان کاموں میں صرف کرتے ہیں جن سے انہیں منع کیا گیا ہو، اور ایسے نوجوان جو پر اعتماد ہوتے ہیں اپنی تجسس پسند فطرت کو ان کاموں میں صرف کرتے ہیں...... جن میں واقعتاً تجسس کی تسکین ہوتی ہے۔ مثلاً حصولِ علم یا مہم جوئی وغیرہ۔ چنانچہ میرا یہ کہنا کہ نشے کی لت میں شوقیہ طور پر کوئی بھی داخل نہیں ہوتا غلط نہیں۔ جس بچے کو زمین کا گلوب سمجھنے کا شوق ہو، وہ سگریٹ کی طرف مائل نہیں ہوتا۔ اور جس بچے کو یہ باور کروایا جائے کہ وہ کچھ نہیں کر سکتا کیونکہ ابھی وہ بہت چھوٹا ہے تو وہ خود کو بڑا ثابت کرنے والے کام کرنے لگتا ہے، اور یوں ان چیزوں میں پھنس جاتا ہے جو ابھی اس کیلیے نہ تھیں۔

اور اب جب میں ان وجوہات پر غور کرتا ہوں، جن کی بدولت نوجوان نشہ کرنے لگتے ہیں تو مجھے بہت زیادہ نہیں بلکہ ایک ہی وجہ دکھائی دیتی ہے ...... اور یہ وہی ایک ہے یعنی "ڈپریشن"...... کیونکہ دوسری بڑی وجہ یعنی شوقیہ نشہ کرنا تو فی الحقیقت ایک طرح سے ڈپریشن کا ہی حصہ ہے۔ شوقیہ نشہ وہی کرتا ہے جسے بچپن کی محرومیوں سے شکوہ ہو...... آپ اس حقیقت کو جس زاویہ سے بھی دیکھیں بات یہیں آ کر تمام ہوگی کہ نشہ شخصیت کے کسی نہ کسی خلا کو پر کرنے کی غرض سے کیا جاتا ہے۔ چنانچہ نشہ کا ایک تو قبل از وقت علاج یہ ہے کہ بچوں کی شخصیت میں کسی قسم کا خلا نہ رہنے دیا جائے...... انہیں احساسِ محرومی اور کمتری سے بچایا جائے۔ اور اگر بفرضِ محال کسی نوجوان کی شخصیت میں ایسا کوئی خلا رہ گیا ہے تو اسے پر کرنے کے دوسرے معروف طریقے اپنائے جائیں۔ یہ بلت درست ہے کہ ہر انسان کی شخصیت میں کوئی نہ کوئی کمی

تو ہوتی ہی ہے۔

شخصیت کا خلاء

رسولِ کریم ﷺ کی ذات مبارک کو "انسانِ کامل" کہا جاتا ہے۔ مطلب یہ کہ ایسی شخصیت جس کی تکمیل میں کوئی کمی نہ رہ گئی ہو۔ ایسا انسان جو مکمل طور پر، پورے کا پورا انسان ہو۔ بے شک رسالتمآب ﷺ مکمل ترین انسان تھے۔ اور انسانی ارتقاء پر نظر ڈالی جائے تو آپ پہلے مکمل ترین انسان دکھائی دیتے ہیں۔ میرا ماننا ہے کہ روزِ ازل فرشتوں کے سامنے جو ہستی پیش کی گئی کہ اس کا سجدہ کریں وہ آنحضور ﷺ کی ذاتِ مبارک تھی۔ کیونکہ رسالتمآب ﷺ کا ارشاد ہے کہ:۔ "سب روحوں سے پہلے میری روح تخلیق کی گئی" ......ظاہر ہے کہ یہ روزِ الست کی بات ہے جس دن اللہ نے سب روحوں کو جمع کیا تھا اور یقیناً یہی وہ دن تھا جب فرشتوں سے کہا گیا کہ انسان کو سجدہ کریں۔ فرشتوں کو اس کامل ہستی میں خود خدا دکھائی دیا تھا......اگر ایسا نہ ہوتا تو فرشتے کبھی سجدہ نہ کرتے کیونکہ یہ تو ممکن نہیں کہ فرشتے شرک جیسے خطرناک کام کو سرانجام دیتے۔ فرشتوں سے خالقِ کائنات نے اس روز فرمایا تھا کہ ......میں زمین میں اپنی صورت پر اور اپنی فطرت پر اپنا ایک خلیفہ بنانے لگا ہوں۔ اب ظاہر ہے اللہ کی صورت اور فطرت پر کوئی ایسا خلیفہ تو نہیں ہو سکتا جو زمین کی ارذل مخلوق یعنی چوپائیوں، حشرات یا درندوں جیسی صفات رکھتا ہو۔ یقیناً اللہ کا خلیفہ تو وہی ہو سکتا ہے......جو سفال پرستی سے مارا یعنی "سبحان" ہو۔ اور یہ کامل ترین انسان سب سے پہلے جب بشری وجود میں ڈھالا گیا تو آنحضور ﷺ کی ذاتِ مبارک تخلیق ہوئی۔

اس کے بعد ہم یہ دیکھتے ہیں کہ کیا وہ کاملیت جو رسالتمآب ﷺ کو عطا ہوئی ......آپ کی بعثت کے بعد کسی اور کو نصیب ہو سکتی ہے۔ اس کے جواب میں ہم قرآنِ حکیم کی ایک آیت کو ملاحظہ کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

"لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ" حَسَنَۃ٥

ترجمہ:۔ تحقیق تمہارے لیے اللہ کے رسول ﷺ کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے۔

ذرا غور کیجیے: ہمیں رسولِ کریم کی طرح زندگی گزارنے کی دعوت دی جا رہی ہے۔ اس کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے.....کہ ہم اگر چاہیں تو رسولِ کریم کی طرح زندگی گزار سکتے ہیں۔ بس شرط یہ ہے کہ ہمیں ان کے تمام اعمال اور طرزِ زندگی کو اپنانا ہوگا۔ ہم اگر اسطرح کرنے میں کامیاب ہو گئے تو ہم بھی انسان بن سکتے ہیں.....انسانِ کامل تو شاید ہم نہ بن سکیں لیکن کم از کم سنتِ رسول ﷺ پر عمل پیرا ہونے کی بدولت ہم انسان تو بن ہی جائیں گے۔

ہمیں اپنی ذات کی تکمیل کرنا ہے.....ہمیں اپنی ذات کے خلاؤں کو پر کرنا ہے۔ ہم پیدا ہوئے تھے تو ہم ننگے بدن تھے، پھر ہم نے لباس پہنا.....گویا اپنی شخصیت کو مکمل کرنے کے کام کا آغاز ہو گیا۔ کیونکہ ننگے بدن رہنا جانوروں کا شیوہ ہے، انسانوں کا نہیں۔ پھر ہم دوسرے جانوروں کی طرح بولنا نہیں جانتے تھے، اپنی ذات کی تکمیل کے اگلے مرحلے میں ہم نے بولنا شروع کیا۔ آداب سیکھے، معاشرتی زندگی کے طور اطوار، اونچ نیچ اور نہ جانے کیا کیا، ہمیں سیکھنا پڑا۔ اس طرح ہم مکمل ہوتے گئے۔ لیکن جب ہم عاقل، بالغ ہوئے تو ہمیں پہلی مرتبہ احساس ہوا کہ ہم ابھی نامکمل ہیں۔ ہم نے محسوس کیا کہ بعض لوگ ہم سے زیادہ مکمل ہیں۔ ان کے پاس صلاحیتیں زیادہ ہیں، علم زیادہ ہے، ذہانت زیادہ ہے......اور مواقع زیادہ ہیں۔ ہم پریشان ہو گئے۔ ہمیں ایسے لوگوں کے سامنے بارہا مرتبہ خفت اٹھانا پڑی، ہمیں بھری محفلوں میں شرمندہ ہونا پڑا۔ تب ہمیں معلوم ہوا کہ ہم میں بہت زیادہ کمی ہے۔ ہم ادھورے ہیں۔ اور اس طرح ہم نے اپنے آپ کو مزید مکمل کرنے کا فیصلہ کیا......ہم نے متبادل راستے اختیار کیے۔ ہمارے پاس ذہانت نہیں تھی تو ہم نے اس کے مدمقابل شدید محنت کا راستہ اپنایا اور

دوسرے لوگوں سے منوایا کہ ہم بہت محنتی ہیں۔ ہمارے پاس علم نہیں تھا تو ہم نے تجربے کا راستہ اختیار کیا اور دوسرے لوگوں سے منوایا کہ ہم وسیع تجربہ رکھتے ہیں۔ الغرض ہم نے کو خود مکمل کرنے کے لیے کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔

اس طرح ہوتا ہے۔ اور ہر انسان کے ساتھ ہوتا ہے۔ لیکن پھر یوں بھی ہوتا ہے کہ بعض لوگ متبادل راستہ اختیار کر سکنے کے بھی اہل نہیں ہوتے۔ وہ ہر جگہ خفت اٹھاتے اور شرمندہ ہوتے ہیں۔ ہم انہیں فاتر العقل اور غبی بھی نہیں کہہ سکتے بس دوسروں کی نسبت ذرا سے پیچھے ہوتے ہیں۔ اور اس طرح ان کے پیچھے رہ جانے کی وجہ یقیناً ان کا ماحول، گھریلو تربیت اور والدین کی مالی حالت ہوتی ہے۔ وہ بہت جلد خود کو دوسروں سے کمتر اور حقیر سمجھنے لگتے ہیں۔ اپنی شخصیت کی تکمیل کیلیے ان کے پاس قدرتی انتظام یعنی متبادل راستہ اختیار کرنے کی صلاحیت بھی نہیں ہوتی۔ اور ہوتی بھی ہے تو اس صلاحیت کو استعمال کرنے کا موقع ہی نہیں ہوتا۔ یوں وہ اپنے خلا کو محنت یا تجربہ یا کسی دوسرے ذریعے سے بھی پر نہیں کر پاتے...... اور بالکل ہی ادھورے رہ جاتے ہیں۔ یہی وہ نوجوان ہیں جو خطرناک منشیات کا راستہ اختیار کرتے ہیں۔

شخصیت کا خلا بہت بڑا المیہ ہے۔ وہ شخصیت جس میں کوئی خلا نہیں ہوتا اسے قرآن حکیم کی زبان میں...... "نفسِ مطمئنہ" کہا جاتا ہے۔ A satisfied mind خود کو ادھورا کیوں سمجھے گا۔ وہ اپنے آپ سے مطمئن ہے، اپنی زندگی سے خوش ہے، اسے کہیں بھی، کسی محفل میں بھی خفت نہیں ہوتی۔ اسے کسی پر رعب جمانے کیلیے غیر ضروری لوازمات کی ضرورت نہیں ہوتی۔ تو وہ نشہ کا سہارا کیوں لیگا۔ میں خود یہ سمجھتا ہوں کہ وہ لوگ جو چلو!...... نشہ تو نہیں کرتے لیکن بہت سے دیگر غیر ضروری بوجھ اٹھا لیتے ہیں۔ مثلاً اپنے نام نمود، خاندان، برادری یا ظاہری شان و شوکت کیلیے فضول خرچی کے عادی ہوتے ہیں۔ اپنے لباس پر ضرورت سے زیادہ روپیہ خرچ کرتے ہیں۔ وہ لوگ بھی ادھوری شخصیت کے مالک ہوتے ہیں اور اپنی تکمیل کی خاطر...... یہ سب کچھ کرتے ہیں۔ آپ ایک شخصیت کو ایک برتن کی طرح تصور کیجیے...... اور تصور کیجیے کہ اس برتن میں پانی ہے۔ اب وہ پانی شخصیت کی صحیح پوزیشن واضح کریگا۔ مثلاً برتن میں پانی بالکل کم ہے جو برتن کی تہہ تک ہی محدود ہے...... اور باقی برتن خالی ہے۔ اب اگر باقی کا خالی حصہ پر کرنے کیلیے برتن میں پانی ڈالنے کی بجائے اسے باہر ہی باہر سے کسی کاغذ یا کپڑے میں لپیٹ دیا جائے تاکہ اندر سے برتن کا خلاء دکھائی نہ دے تو اسکا مطلب کیا ہوگا؟ کیا اس طرح کرنے سے اندر کا خلا پُر ہو جائے گا۔ ظاہر ہے اس طرح اصل مقصد تو پورا نہ ہو سکے گا لیکن برتن کا خلاء بے شک دکھائی نہ دے گا۔ بالکل اسی طرح وہ لوگ جو نشہ نہیں کرتے لیکن ادھوری شخصیت کے مالک ہوتے ہیں اپنی ذات کا خلا پر کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ مثلاً آپ نے ایسے لوگ ضرور دیکھے ہونگے جو ہر سال نئے ماڈل کی گاڑی خریدتے ہیں یا وہ لوگ جو بہت زیادہ قیمتی لباس اس لیے پہنتے ہیں تاکہ ان کی شخصیت نکھر سکے...... یا اپنے مکان پر حد سے زیادہ خرچ کرنے والے لوگ۔ یہ سب...... کون ہیں؟۔ حقیقت میں یہ سب لوگ کچھ نہ کچھ چھپا رہے ہیں۔ اپنی ذات کے خلا، اور اپنی شخصیت کی کمزوریاں چھپا رہے ہیں۔ یہ مطمئن نہیں ہیں، بالکل ان نشہ بازوں کی طرح بیمار ہیں جو اپنی شخصیت کا خلا پر کرنے کیلیے نشہ کا سہارا لیتے ہیں۔ میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ کسی شخص کا لباس جتنا غیر ضروری قیمتی ہوگا اس کی Personality میں فی الحقیقت اتنی ہی کمی ہوگی...... اسی کمی کو ہی تو وہ لباس کی قیمت میں ضم کر دینا چاہتا ہے۔ بے شک آپ بڑی فراخ دلی کے ساتھ مشاہدہ کریں وہ لوگ جن کے اندر کچھ نہ کچھ ہوتا ہے، جو اعلیٰ انسانی صلاحیتوں کے مالک ہوتے ہیں، جو عالم اور دانا ہوتے ہیں، جو بڑے بڑے مصور یا فنکار ہوتے ہیں، جو دانشور یا اہلِ ہنر ہوتے ہیں، اپنے لباس کے معاملے میں زیادہ تردد کے قائل نہیں ہوتے۔ انہیں معلوم ہوتا ہے کہ ان کی شخصیت لباس کی

وجہ سے نہیں پہچانی جائیگی بلکہ انہیں انکے فن، صلاحیت، ہنر اور دانش کی وجہ سے پہچانا جائے گا۔ -/5000 روپے کی مالیت کا سوٹ پہننے والا امیر زادہ فی الحقیقت ریت کے ایک بے جان ڈھیر سے زیادہ کچھ نہیں ہوتا۔ وہ اپنی دولت کے بل پر زندگی سے حقیقی سرور کشید نہیں کرسکتا۔ اسے جتنا بھی جینا ہے بے مزہ جینا ہے..... اور پھر ہمیشہ ہمیشہ کیلیے مرجاتا ہے۔ اس کے برعکس پھٹے پرانے لباس میں رہنے والا شاعر، فنکار، مصور یا لکھاری صدیوں تک نہ صرف اس دنیا میں زندہ رہتا ہے بلکہ آنے والی دنیا بھی اسی کی ہے۔ خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا لباس کبھی قیمتی نہ ہوتا تھا حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیلیے قیمتی لباس کا حصول کوئی مشکل بات نہ تھی۔ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی قیمتی لباس کی آرزو نہ کی، اور ہمیشہ کم قیمتی لباس کو پیوند لگا کر.......... لیکن صاف ستھری حالت میں استعمال کیا۔

شخصیت کا خلاء پر کرنے کے جو طریقے شیطانی ہیں..... نشہ بھی ان میں سے ایک ہے۔ نشہ ان طریقوں میں سب سے زیادہ بزدلانہ طریقہء کار ہے۔ اور جو اصول انسانی ذات کی کمزوریوں کو دور کرنے کیلیے مذہب نے فراہم کیے ہیں۔ وہ سچے، صاف ستھرے اور کھرے ہیں۔ ہم انہیں قرآن حکیم کی اصطلاح میں مستقل اقدار کہہ سکتے ہیں۔ ان پر عمل کرنے سے نفس کو اطمینان اور قلب کو راحت میسر آتی ہے۔ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

اَلا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ٥

ترجمہ:۔ بے شک اللہ کے ذکر سے قلوب کو راحت ملتی ہے۔

اللہ کا ذکر کیا ہے۔ یہ جو ہم سمجھتے ہیں کہ زبان سے محض اللہ ھُو..... اللہ ھُو کہہ دینے سے اللہ کا ذکر ہو جاتا ہے یہ بات مکمل طور پر درست نہیں۔ ذکر کی یہ شکل بھی یقیناً تسلیم شدہ ہے لیکن اصل ذکرِ الٰہی تو تقویٰ اختیار کرنا ہے..... اور تقویٰ انتہائی سادہ الفاظ میں متوازن زندگی

اپنانے کو کہا گیا ہے۔ آپ اپنی ذات یا شخصیت کی تکمیل کیلیے بہت زیادہ تردد نہ کیجیے؛ بس صرف اپنے روزمرہ کے معاملات کو درست کر دیجیے۔ کسی کے ساتھ دھوکہ نہ کیجیے، کسی کا حق نہ ماریے، کسی کے ساتھ جھوٹ نہ بولیے، کسی کے ساتھ وعدہ خلافی نہ کیجیے، کسی سے قرض لیکر ضرور واپس لوٹائیے، کسی کی امانت میں خیانت نہ کیجیے، کسی کے مال پر بُری نظر نہ رکھیے، کسی سے سہارے کی امید نہ رکھیے، کسی پر احسان کرکے بدلے کی توقع نہ کیجیے، اپنی اولاد کی تربیت میں اِن تمام باتوں کا خیال رکھیے، مال جمع کرنے میں اپنی مختصر زندگی کا بہترین وقت ضائع نہ کیجیے، ایک مکان سے زیادہ مکان نہ بنائیے، ضروریاتِ زندگی کی چیزیں وافر مقدار میں نہ خریدیے، اپنے اہلِ خانہ.... اہلِ محلہ حتّٰی کہ ساری دنیا کے ساتھ اپنے معاملات درست کیجیے۔

یہی ذکرِ الٰہی ہے، آپ اس طرح کی زندگی اختیار کرکے دیکھ لیجیے.... آپ کو قدم قدم پر محسوس ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کی نصرت اور امداد آپ کے ہمراہ ہے۔ آپ کو اپنا ہر قدم زندگی کی خوشحالیوں اور رفعتوں کی طرف جاتا ہو دکھائی دے گا۔ آپ کے راستے کی ہر مشکل خود بخود حل ہوتی چلی جائے گی۔ اور تمام عرصہ میں ایک مرتبہ بھی آپ کو ایسا محسوس نہ ہوگا کہ آپ ادھورے ہیں یا نامکمل ہیں۔ آپ کی شخصیت کے سارے خلاء خود بخود بھر جائیں گے۔ اور آپ اپنی زندگی کا حقیقی لطف اٹھاتے ہوئے بہ اطمینانِ قلب اس دنیا سے رخصت ہونگے۔ اب ایک بار پھر اس شعر کا جائزہ لیجیے جو میں نے اس گفتگو کے آغاز میں پیش کیا تھا۔

؎ وہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات

آج ہمارے اذہان مادی آلائشوں اور گندگیوں سے بھرے ہوئے ہیں۔ ہم اپنے پروردگار کی بجائے..... مٹی، لوہے، سونے، چاندی اور زر و جواہر کے بتوں کے سامنے سجدہ ریز ہیں۔ تبھی تو ہماری یہ حالت ہے کہ ہم سر سے پیر تک غیروں کے غلام ہو چکے ہیں۔

ہمارے شہر ہمارے نہیں رہے، ہمارے گاؤں ہمارے نہیں رہے، ہمارے نوجوان ہمارے نہیں رہے، ہمارے بچے ہمارے نہیں رہے حتّٰی کہ ہم خود اپنے نہیں رہے۔ ہمیں اپنی ذات کے خلاؤں کو پر کرنا ہوگا۔ ہمیں ایک بار پھر پلٹ کر قرآن حکیم کی جانب متوجہ ہونا پڑے گا.... جس میں ہمارے تمام مسائل کا حل اور ہمارے تمام دکھوں کا مداوا ہے۔

ایڈکشن (Adiction)

ماہر نفسیات محمد رفیع خاور نے اپنی کتاب.... "نشہ اور شخصیت" میں ایڈکشن کی مندرجہ ذیل تعریف بیان کی ہے۔

> "ایڈکشن (علّت) ایک ایسی حالت ہے جس میں کوئی شخص ذہنی اور سماجی حوالے سے موڈ، مزاج میں تبدیلی پیدا کرنے والی کسی چیز پر انحصار کرنے لگتا ہے۔ ایڈکشن سے طویل المدت تکالیف اور بے سکونی پیدا ہوتی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ذہنی خبط، مجبور کن اعمال اور استعمال پر قابو نہ رہنا لازم و ملزوم ہوتے ہیں۔ جب کوئی نشے میں مبتلا شخص کچھ دیر کیلیے نشہ نہ کرے تو وہ دوبارہ نشے کے بارے میں سوچنے لگتا ہے اور منصوبے بنانے لگتا ہے۔ اسے ذہنی خبط کہتے ہیں: نشے کا استعمال زندگی گزارنے کے عمل میں رکاوٹ پیدا کرنے لگتا ہے لیکن تکلیف دہ نتائج کے باوجود ایک شدید خواہش اور مجبور کن عمل نشے کے استعمال کی طرف لے جاتا رہتا ہے۔ نشے کا مریض نشے سے پیدا شدہ تکلیف کو دور کرنے کیلیے نشہ ہی استعمال کرتا ہے۔ اسے ایڈکشن کہتے ہیں۔"

موڈ اور مزاج میں تبدیلی لانے والے نشے کا انتخاب کرنا تو کسی بھی فرد کا اپنا انتخاب ہو سکتا ہے لیکن ایڈکشن ایک ایسی حالت ہے جس میں کسی شخص کی اپنی مرضی نہیں چلتی کہ وہ کتنا نشہ کتنی بار اور کیسے کرے۔ چنانچہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ ایڈکشن ایک مستقل روگ ہے اور اسے میڈیکل کی زبان میں ایک جسمانی، نفسیاتی اور سماجی بیماری کہا جاتا ہے۔ کسی نشہ باز کے ایڈکٹ ہونے کی صلاحیت اس کے اندر پائے جانے والے موروثی دفاعی نظام پر منحصر ہے۔ بعض لوگ بہت جلد نشہ کے ایڈکٹ ہو جاتے ہیں اور بعض لوگ عادی ہونے میں خاصا وقت لیتے ہیں۔

لوگ نشہ کرتے ہیں تو اس کی وجوہات جسمانی نہیں ہوتیں...... مثلاً کوئی شخص ملیریا یا ٹائیفائیڈ سے تنگ آ کر نشہ نہیں کرتا۔ لوگ نشہ پر لگتے ہیں تو ان کے نشہ کرنے کی وجوہات سماجی یا نفسیاتی ہو سکتی ہیں لیکن جب وہ ایک بار اس دلدل میں داخل ہو جاتے ہیں تو اس کے بعد ان کے نشہ کرنے کی وجوہات جسمانی بن جاتی ہیں...... اب ان کے جسم میں موجود خون کے خلیات کا یہ تقاضا ہوتا ہے کہ وہ نشہ کریں ورنہ ان کا جسم انہیں تنگ کرتا ہے، وہ عاجز آ جاتے ہیں..... اور پھر نشہ کرنے لگتے ہیں۔ گویا وہ جب نشہ شروع کرنے لگے تھے تو نشہ جسم کی ضرورت نہ تھا ...... کسی عادی نشہ باز کو ہم اس وقت ایڈکٹ کہہ سکتے ہیں جب نشہ اس کے جسم کی طلب بن جائے۔

ہر نشہ کرنے والا نشے کا مریض نہیں ہوتا۔ جس طرح ہر چینی کھانے والا شوگر کا مریض نہیں ہوتا۔ دراصل کسی عادی کو ہم اس وقت نشے کا مریض کہہ سکتے ہیں..... جب اس کے سماجی رویے عام انسانوں سے ہٹ کر ایک خاص انداز اختیار کر لیں۔ میں نے شروع میں کہا تھا کہ "ہپی تحریک" سے لیکر آج تک ہر ملک کے نشہ بازوں کے رویے کا مطالعہ کیا جائے تو ہمیں معلوم ہوگا کہ ہر جگہ کے نشہ باز بنیادی طور پر ایک جیسے طرزِ عمل کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ عادی نشہ باز چاہے امریکہ کا ہو یا اٹلی کا پاکستان کا ہو یا لندن کا...... اسکے سماجی رویے ایک جیسے ہونگے۔

وہ ایک طرح کا رہن سہن اختیار کریگا۔ اس کا اندازِ فکر، اسکا لب ولہجہ، اسکی چال ڈھال حتّٰی کہ اسکا چہرہ بشرہ بھی ایسی صورت اختیار کر جائے گا کہ آپ انکی مماثلت دیکھ کر حیران رہ جائیں گے۔ یہی وقت ہوگا جب ہم اسے "لیڈ کوڈ" یا عادی نشہ باز کہیں گے۔

اور یہی وہ مقام ہے جب ہم ایک نشہ باز کو قابلِ رحم سمجھتے ہیں۔ کیونکہ اس مقام پر ان کے جسم میں کیمیائی تبدیلیاں رونما ہو چکی ہوتی ہیں۔ نشہ ان کے جسم کا حصہ بن چکا ہوتا ہے، انکے سماجی رویے میں خفت اور ندامت کوٹ کوٹ کر بھر جاتی ہے۔ وہ کہیں جانے سے گھبراتے ہیں، محفلوں سے دور بھاگتے ہیں، کسی سے بات کرتے ہوئے آنکھ چراتے ہیں، اپنے جیسے نشہ بازوں کی محفل میں بیٹھنا اور انہیں کے ساتھ رہنا پسند کرتے ہیں۔ ان کیلیے نشہ کی مقدار اور وقت پر قابو پانا ممکن نہیں رہتا۔ وہ ہمہ وقت اپنے نشہ کی تلاش میں مصروف رہتے ہیں۔ نشہ کی خاطر وہ زندگی کے ہر رشتے ناطے کو ٹھکرا دیتے ہیں، انکی عام گفتگو صرف نشہ ہی سے متعلق ہوتی ہے، ایسے عالم میں نشہ انکے لیے زندگی کی راحت کی بجائے عذاب بن جاتا ہے۔ آہستہ آہستہ انکے بدن میں نشہ برداشت کرنے کی صلاحیت بڑھ جاتی ہے۔ وہ زیادہ سے زیادہ نشہ کرتے اور اسے برداشت کرتے چلے جاتے ہیں۔ بس پھر کیا ہوتا ہے انکی زندگی کا مقصد نشہ کی طلب، نشہ کی تلاش اور نشہ کیلیے پیسوں کا بندوبست......رہ جاتا ہے۔

کچھ عرصہ تک نشہ کا مریض یہ سمجھتا رہتا ہے کہ وہ ابھی نشہ کا مریض نہیں بنا۔ وہ اپنا کام کاج اور کاروبار جاری رکھتا ہے۔ حالانکہ حقیقتاً وہ بیماری کے ساتھ مطابقت پیدا کر رہا ہوتا ہے۔ اس کی غلط فہمی اسے مدہوش رکھتی ہے۔ آہستہ آہستہ اس کا بدن کام کاج کرنے کے قابل نہیں رہتا.....وہ بڑی بڑی باتیں کرتا ہے.....زمین، آسمان کے قلابے ملاتا ہے، وہی کام جو نشہ پر لگنے سے پہلے وہ گھنٹوں اور پہروں کے حساب سے کر لیتا تھا اب وہ چند منٹ کیلیے کرتے ہوئے بھی تھکتا ہے۔ لیکن وہ اپنی اس کمزوری کو تسلیم کرنے سے کتراتا ہے۔ اس کے سارے

اعضائے بدن زندگی کے حقیقی جوہر سے محروم ہو جاتے ہیں۔ اس کی طبیعت میں سُستی اور جسم میں لاغرپن بے حد بڑھ جاتا ہے۔ وہ ہر روز نئے سرے سے سوچتا ہے کہ.....کل سے اپنا پرانا کام کاج شروع کر دے گا۔ لیکن وہ کل کبھی نہیں آتی۔

ماہرین نفسیات کسی عادی نشہ باز کے لیے.......تین مرحلے بیان کرتے ہیں۔

(1) ابتدائی مرحلہ	برداشت اور انحصار کا بڑھنا
(2) درمیانی مرحلہ	نشے پر قابو کا آہستہ آہستہ خاتمہ
(3) دائمی مرحلہ	جسمانی، نفسیاتی، معاشرتی اور روحانی صحت کی تباہی

نشے کی بیماری میں مبتلا شخص اس لیے نشے کی بیماری سے انکار کرتا ہے کہ ابتدائی مرحلے میں کوئی جسمانی اور عملی مسائل پیدا نہیں ہوتے۔ درمیانی مرحلے میں مریض اپنے مسائل کو نشے کے استعمال کے ساتھ منسلک نہیں کر پاتا اور دائمی مرحلے میں سوچ اور قوتِ فیصلہ متاثر اور خراب ہو چکی ہوتی ہے۔

نشے کا مریض جوں جوں پرانا اور دائمی مریض ہوتا چلا جاتا ہے اس کی Dependency (انحصاریت) بڑھتی چلی جاتی ہے۔ اسے ہر مرتبہ پہلے سے زیادہ قیمت ادا کرنی پڑتی ہے۔ گھر والوں کی نظر میں، خاندان کی نظر میں، اہلِ محلّہ کی نظر میں اور عامۃ الناس کی نظر میں اس کی ساکھ انتہائی خراب ہو جانے کی بدولت اسے بے شمار پرتشدد واقعات جھیلنا پڑتے ہیں۔ اسکا پورا جذباتی ماحول تباہ و برباد ہو کر رہ جاتا ہے۔ ماہرین کی زبان میں اس قیمت کو جو وہ ادا کرتا ہے (Emotional Cost) یعنی جذباتی قیمت کہا جاتا ہے۔ مریض اس مقام پر قسمت کو برا بھلا کہتا ہے......وہ طرح طرح کے بہانے بناتا ہے، لوگوں کو بتاتا ہے کہ وہ بہت زیادہ مظلوم اور قابلِ رحم ہے۔ اس کے گھر میں فلاں تکلیف اور تھی جس کی وجہ سے اس نے نشے کا راستہ اختیار کیا، اسکا کاروبار تباہ ہو گیا تھا چنانچہ وہ بہت زیادہ دکھی ہے۔ وہ ہر ایک سے رحم کی

درخواست کرنا چاہتا ہے۔ لیکن اس کی زبان پر اعتبار کرنے والے وقت کے ساتھ ساتھ ختم ہوتے چلے جاتے ہیں۔ لوگ اسے منہ پر برا بھلا کہتے ہیں۔ اس کے ساتھ بات کرتے ہوئے حقارت اور نفرت کا اظہار کرتے ہیں اور انسان کی بجائے کسی رذیل ترین جانور سے بھی بدتر سمجھنے لگتے ہیں۔

گلیوں اور بازاروں میں بچے انہیں چھیڑتے اور تنگ کرتے ہیں۔ انہیں عام لوگ برے برے ناموں سے پکارتے ہیں۔ اپنے ہی ماں باپ ان سے اس قدر تنگ آ جاتے ہیں کہ انہیں عموماً گھر سے نکال دیا جاتا ہے.....وہ دربدر کی ٹھوکریں کھاتے ہیں، چوریاں کرتے ہیں اور شہر سے باہر یا بازار کے تھڑوں پر شب بسری کرتے ہیں۔ کبھی وہ اچھے بھلے انسان تھے۔ لیکن اب انکی حیثیت ایک گھٹیا جانور سے بھی بدتر ہو جاتی ہے۔ اور پھر کسی روز کسی گٹر یا گندی نالی میں انتہائی کسمپرسی کی حالت میں جان دے دیتے ہیں۔

ٹھہریے!.......آج جب میں یہ الفاظ تحریر کر رہا ہوں تو آج اکتوبر 2003 کی 2 تاریخ ہے۔ گذشتہ شب میرے ساتھ ایک ایسا دردناک واقعہ پیش آیا......کہ میں رات بھر سو نہ سکا اور اسی تکلیف کی وجہ سے شاید میں آج رات بھی نہ سو سکوں۔ ہوا یوں کہ پرسوں یعنی 30 ستمبر 2003 کے روز جب میں حسب معمول عصر کی نماز کے وقت اپنا کمپیوٹر Shut down کر کے دریائے جہلم کی سیر کیلیے نکلا تو میں نے سردار جعفر خان کے ٹیوب ویل کے پاس چند انجکشن لگانے والے نشہ بازوں کو دیکھا.....جو کسی زمین پر گرے ہوئے شخص کے پاس کھڑے اس کی حالت ملاحظہ کر رہے تھے۔ میں چونکہ آج کل نشہ اور نشہ بازوں کے بارے میں اپنے مشاہدات جمع کر رہا ہوں لہٰذا میں بھی انکے نزدیک چلا گیا۔ میرے ہمراہ میرے دونوں عزیز شاگرد اور ہمدم "حافظ ریاض" اور "قاسم یاد" بھی تھے۔ ہم لوگ نزدیک پہنچے تو دیکھا کہ ایک جواں سال نشہ باز بے ہوشی کے عالم میں کھیتوں کی ایک پگڈنڈی پر پڑا گہری سانسیں لے رہا

تھا۔ اس کے پہلو میں ایک اور نشہ باز بیٹھا اس کی پنڈلیاں دبا رہا تھا۔ میں نے وہاں کھڑے نشہ بازوں سے دریافت کیا کہ...."اسے کیا ہوا ہے؟"....انہوں نے بتایا کہ اس نے آج ضرورت سے زیادہ یعنی 3 انجکشن خود کو لگا لیے ہیں اور اب اس کی حالت نازک ہے۔ خیر یہ بات تو میرے لیے اچھنبے کی نہ تھی۔ کیونکہ نشہ بازوں کے ساتھ تو اسطرح ہوتا ہی رہتا ہے، انہوں نے بتایا کہ یہ شخص ان کے لیے اجنبی ہے اور نہ جانے کہاں سے آیا ہے۔ انہوں نے یہ بھی بتایا کہ یہ آج صبح 10 بجے سے اسی حالت میں پڑا ہے....اور اسی حالت میں اسکا پورا دن گزر گیا ہے۔ میں نے جھک کر اس کی نبض دیکھی تو مجھے یوں لگا جیسے یہ نوجوان تھوڑی دیر کا مہمان ہے.....کیونکہ اس کی نبضیں ڈوب رہیں تھیں۔ اب میرے اندر انسانی ہمدردی کے جذبے نے جوش مارا اور میں نے ان سے کہا کہ اسے ہسپتال لے جانا چاہیے۔ لیکن نشہ بازوں نے مجھے ایسا کرنے سے باز رہنے کی تلقین کی۔ انہوں نے کہا....."دیکھیے جی! خواہ مخواہ.....مصیبت مت مول لیجیے۔ خدا جانے یہ کون ہے اور اس طرح کے لوگ تو ہر روز مرتے رہتے ہیں۔ آپ کیوں اس چکر پڑتے ہیں"........لیکن مجھ سے اور میرے دوستوں سے رہا نہ گیا۔ چنانچہ ہم نے ایک موٹر سائیکل رکشہ کا بندوبست کیا اور اس اجنبی نوجوان کو شہر کے سرکاری ہسپتال میں پہنچا کر ہم تینوں اپنے اپنے گھروں کو لوٹ آئے.....یہ پرسوں کا واقعہ ہے۔ آج جمعۃ المبارک ہے اور اس روز بدھ کا دن تھا۔ لیکن.....بتانے والی بات یہ ہے کہ.....کل یعنی یکم اکتوبر کے روز جب میں یہاں اپنے کمپیوٹر پر بیٹھا زیرِ نظر کتاب پر کام کر رہا تھا تو.....میرے پہلو میں ٹیلیفون کی گھنٹی بجی۔

یہ SHO تھانہ خوشاب کا فون تھا۔ SHO صاحب مجھ سے کہنے لگے "...جناب....ادریس صاحب.....کل دریا کے کنارے سے بے ہوش نشہ باز کو اٹھوا کر آپ نے ہسپتال پہنچایا ہے۔" ظاہر ہے میں نے....ہاں ہی کہنا تھی۔ سو میں نے ہاں کہہ دی۔ تب SHO صاحب نے مجھے بتایا کہ وہ نشہ باز کل ہسپتال پہنچنے کے بعد "مر" گیا تھا۔ اور اب اس

کی لاش بے گور و کفن ہسپتال کے مردہ خانے میں پڑی سڑ رہی ہے۔ اس کی شناخت کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اور اس کے میڈیکل ٹیسٹ سے معلوم ہوا ہے کہ وہ...... کرسچین تھا۔ کیونکہ اسکا ختنہ نہیں تھا۔ اس کے علاوہ اسکے بھائیوں کا پتہ چلا ہے.... لیکن وہ لوگ اس کی لاش وصول نہیں کرنا چاہتے۔ اور ان کا کہنا ہے کہ بے شک اسے بے گور و کفن دفنا دیا جائے۔''

SHO صاحب نے مجھ سے کہا کہ....... ''آپ یہاں پولیس اسٹیشن آجائیں، یہاں سے آپ کو ہسپتال کے مردہ خانے لے جایا جائے گا۔ جہاں آپ اس لاش کو دیکھنے کے بعد اپنا بیان پولیس میں لکھوائیں گے.... اور اس کے بعد ہم اس شخص کو بلدیہ کے حوالے کر دیں گے۔'' ظاہر ہے مجھے اپنا کام چھوڑ کر ہسپتال جانا پڑا اور مردہ خانے میں اس نوجوان کی حالت دیکھ کر میری طبیعت بہت خراب ہوئی۔ ہسپتال کے عملے نے اسے مردہ خانے میں یوں پھینکا ہوا تھا جیسے وہ انسان کی لاش نہ ہو بلکہ کسی کتے کی لاش ہو۔ وہ انتہائی ڈراؤنے مردہ خانے میں ایک چبوترے پر آڑا ترچھا پڑا ہوا تھا..... میں نے اس کے چہرے سے کپڑا ہٹایا تو میری سسکی نکل گئی۔ کیونکہ اس کے ناک اور منہ میں ہزاروں کیڑے گھس چکے تھے۔ سفید رنگ کی جھاگ اس کی ناک سے نکل کر پورے چہرے پر پھیلی ہوئی تھی۔ اور بد بو..........؟۔ بد بو کا مت پوچھیے، وہاں ٹھہرنا ہی محال تھا۔ میں تو حیران تھا کہ یہ ہسپتال کا مردہ خانہ ہے یا قصائیوں کی ڈیوڑھی۔ کیڑے اس کا آدھا چہرہ کھا چکے تھے اور وہ انتہائی بھیانک دکھائی دے رہا تھا، حالانکہ کل جب ہم نے اسے زندہ حالت میں دیکھا تھا تو اس وقت وہ ایک خوبرو جوان دکھائی دیا تھا۔ مردہ خانے کے گرد و نواح میں گھومنے پھرنے والے آوارہ جانور اسے نوچتے رہے تھے۔ مجھے اپنے پاکستانی ہونے پر دکھ محسوس ہوا لیکن پھر میں نے پاکستان کو کوسنے کی بجائے.... حسب دستور..... ملک کے حکمرانوں اور بیوروکریسی کو کوسنا شروع کر دیا۔

اور پھر شام کے بعد جب میں گھر لوٹا تو مجھ پر اس لاش کی خستہ حالی کا بے حد اثر تھا۔ میری

طبیعت میں متلی کی کیفیت تھی اور سر چکرا رہا تھا۔ میں نے دل میں فیصلہ کیا کہ اس واقعہ کو اپنی زیرِ نظر کتاب کا حصہ بناؤں گا۔ چنانچہ میں نے بڑی مشکل سے دل کڑا کر کے اس واقعہ کو یہاں تحریر کر دیا ہے۔

ایک عادی نشہ باز پر نشہ کے اثرات کس قسم کے مرتب ہوتے ہیں؟.......... ''سب سے پہلے تو اس پر جسمانی اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ جسم میں ایک مستقل تبدیلی پیدا ہوتی ہے اور مریض کا جگر نشے کو توڑ کر ضائع کرنا شروع کر دیتا ہے اور ساتھ ہی ساتھ جسم کے اندر زہریلے مادے بنانا شروع کر دیتا ہے۔ "Metabolic Error" نشہ کرنے والے کو نشے کا مریض بنا دیتی ہے۔ ایسا جگر میں موجود'' کو انزائم..... (Co Enzyme)..... ADH-1 '' کی مقدار زیادہ ہونے کی وجہ سے ہوتا ہے اور ADH-2 کی کمی کے باعث نشہ سے بننے والے زہریلے مادے جسم سے فوراً خارج نہیں ہو پاتے۔ اور یہ زہریلے مادے خون میں گردش کرتے ہوئے جسم کے باقی اعضاء کو اپنی لپیٹ میں لے لیتے ہیں۔ اور نشہ باز مختلف جسمانی بیماریوں کا شکار ہو جاتا ہے۔ جسمانی اثرات کو نشے کے استعمال کے حوالے سے بھی پرکھا جا سکتا ہے۔ مثلاً شراب کا مریض جگر، خون کی نالیوں اور گردوں میں چربی اکٹھا ہونے کے امراض میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ (شراب کیمیائی ساخت کے لحاظ سے چربی کو اپنی طرف کھینچتی ہے)....... بلیک آؤٹ ہوتے ہیں اور دماغ پر بھی اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ ہیروئن کے اثرات کی وجہ سے مریض انتہائی لاغر اور کمزور ہو جاتا ہے۔ کیونکہ افیون میں سے نکلنے والے تمام نشے بھوک ختم کر دیتے ہیں۔ یہ مریض ہر وقت قبض کا بھی شکار رہتے ہیں۔ ٹی بی، یرقان، اور پھیپھڑوں کی بیماریوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ نیز پٹھوں کی کمزوری اور جلد تھکاوٹ کا بھی شکار ہو جاتے ہیں۔ افیون سے جوڑوں کے درد کی بیماری لاحق ہو سکتی ہے۔ چرس، بوٹی اور بھنگ کا مریض جسمانی طور پر بالکل تندرست نظر آتا ہے۔ لیکن یہ نشے اس کے دماغ کو بری طرح متاثر کرتے

ہیں۔ اور مریض پاگل پن کا شکار ہو جاتا ہے۔ وہ غیر حقیقی باتیں کرتا ہے۔ ایسے مریض کو خوف لاحق ہوتا ہے کہ کوئی اسے مار نہ دے کیونکہ وہ زمین پر اپنے آپ کو خدا کی اہم مخلوق سمجھتا ہے۔ بحث میں کوئی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ دلائل دینے میں ماہر نظر آتا ہے۔ پیشین گوئیاں کرتا رہتا ہے۔ اس بیماری کی آخری سٹیج پر مریض کے کانوں میں آوازیں آنے لگتی ہیں۔ اور آنکھوں کے سامنے تصویریں حرکت کرتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ اسی وجہ سے یہ خیالی باتیں کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ اپنی بات ہر صورت منوانا چاہتا ہے۔ اور اپنی گفتگو میں کسی قسم کی رکاوٹ برداشت نہیں کرتا۔ تقریباً تمام نشے جنسی مسائل کا سبب بنتے ہیں۔"

مذکورہ بالا پیرا گراف میں نے ماہر نفسیات محمد رفیع خاور کی کتاب "نشہ اور شخصیت" سے لیا ہے۔ جس میں انہوں نے ایک نشہ باز پر "نشہ" کے جسمانی اثرات کو بڑی خوبی کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اس کے بعد ہم نفسیاتی، معاشرتی اور روحانی اثرات کا جائزہ لیتے ہیں۔

نشہ، ایک "نشہ باز" کو نفسیاتی طور پر سب سے زیادہ متاثر کرتا ہے۔ اس کے مزاج میں مستقل تبدیلی کا باعث بنتا ہے اور اس کی انسانی خصلتوں کو مسخ کر کے اسے حشرات کے درجہ تک گرا دیتا ہے۔ اس کی طبیعت کا چڑچڑاپن اسے ایک بور شخصیت میں بدل دیتا ہے۔ اسے کوئی اپنے ساتھ بٹھاتا نہیں، ہر وقت شرم اور ندامت کی کیفیت اس پر غالب رہتی ہے۔ احساسِ کمتری، خفت، رنج و غم اور خود ترسی ہر وقت اس پر طاری رہتی ہے۔ اسے خود سے نفرت ہونے لگتی ہے۔ اکثر وہ اپنے آپ کو ختم کرنے کے منصوبے بناتا رہتا ہے۔ لیکن بزدلی اس کی طبیعت کا لازمی جزو بن چکی ہوتی ہے چنانچہ وہ ایسا کرنے سے بھی باز رہتا ہے۔ جھوٹ اس کا وطیرہ بن جاتا ہے اور وہ چوبیس گھنٹوں میں شاید کبھی بھولے سے بھی سچ نہیں بولتا۔ خود فریبی، ذلتِ نفس، عدم اعتماد، شدید غصہ اور منفی سوچیں اس کی فطرتِ ثانیہ بن جاتی ہیں۔

معاشرتی طور پر ایک عادی نشہ باز انسانی معاشرے سے تقریباً خارج ہو چکتا ہے۔ ملازمت یا کاروبار میں اس کی دلچسپی مفقود ہو جاتی ہے۔ دوسروں کے خلاف اس کے دل میں بے پناہ نفرت بھر جاتی ہے۔ وہ ہر وقت افسردہ رہتا ہے، رشتہ داروں اور قریبی دوستوں کو چھوڑ دیتا ہے، بیوی، بچوں کو چھوڑ دیتا ہے۔ نشئی دوستوں کی محفل ہی اس کا نیا معاشرہ بن جاتی ہے۔ چوری کرنا اس کیلیے معمولی بات ہوتی ہے۔ ادھار لینا لڑائی جھگڑا اور معاشرے سے کترانا سب سے اہم معاشرتی اثرات ہیں جو ایک نشہ باز پر مرتب ہوتے ہیں۔

اسی طرح روحانی طور پر بھی ایک نشہ باز کی شخصیت کا دیوالیہ نکل جاتا ہے۔ اس کے لیے خدا کا ہونا یا نہ ہونا ایک برابر رہ جاتا ہے۔ وہ اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہے کہ اس کی تباہی میں اس کے خدا نے اسے کوئی مدد نہیں کی...... یہ اس کے ذہن کی ابلیسیت ہوتی ہے، اور وہ دل سے انتہائی غیر مذہبی ہو جاتا ہے۔ کبھی کبھار لوگوں کو یہ جتلانے کیلیے کہ وہ ابھی پوری طرح تباہ نہیں ہوا وہ مسجد چلا جاتا ہے۔ لیکن اس کے دل میں خدا کا خوف بالکل نہیں رہتا........ وہ اخلاقی طور پر اتنا پست ہو جاتا ہے کہ ہو سکتا ہے..... اپنا نشہ پورا کرنے کیلیے وہ کوئی ایسا کام بھی کر گزرے جسے ایک نارمل آدمی کیلیے سوچنا بھی ناممکن ہو۔ وہ بے حد خود غرض، بے رحم، بے ایمان اور بد دیانت ہو جاتا ہے.... الغرض اس کے پاس کچھ بھی ایسا نہیں بچتا جسے دیکھ کر یہ کہا جا سکے کہ وہ معاشرے میں بستا ہوا انسان ہے۔ یہی عادات دیکھ کر اس کے اہلِ خانہ اس کے مرنے کی دعائیں کرتے اور اسے ہمیشہ دھتکار کر رکھتے ہیں۔ حالانکہ اسطرح اس کے علاج کے تمام چانسز بھی معدوم ہونے لگتے ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ وہ ایک مریض ہے۔ اور اس کا علاج ممکن ہے۔ اس کے علاج کی خاطر شہر شہر.... میں شفاء خانے بنے ہوئے ہیں، اور اسے تھوڑی سی محنت اور تھوڑی سی توجہ دے کر واپس انسانیت کی دنیا میں لوٹایا جا سکتا ہے۔

☆☆☆☆☆

باب:7

ہمارے اعصاب اور نفسیاتی بیماریاں

وہ لوگ جن کے گھر میں کوئی پاگل پن کا شکار نوجوان، وہم، خوف اور ڈپریشن کی مریضہ، ذہنی معذور بچہ، مرگی کا مریض، منشیات کا شکار مرد یا..... یادداشت کی کمی اور فالج کا شکار بزرگ موجود ہے وہ اس کرب اور دکھ کو سمجھ سکتے ہیں جس سے خود مریض اور سارے گھر کو گزرنا پڑتا ہے۔ ہمارے یہاں ایک بڑا مسئلہ یہ ہے کہ ذہنی یا نفسیاتی مریض کو بیمار نہیں سمجھا جاتا۔ بلکہ اسے مکار، بہانے باز اور فریبی کہہ کر نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم پورے خلوص کے ساتھ علم کی روشنی دوسروں تک پھیلائیں اور کوشش کریں کہ ہمارے معاشرے میں نفسیاتی مریضوں خصوصاً منشیات کے عادیوں کو رحم اور ہمدردی کی نگاہ سے دیکھا جائے نہ کہ نفرت اور غصے کی نظر سے۔ کراچی کے مایہ ناز ماہر نفسیات ڈاکٹر امانت اے محسن کا کہنا ہے کہ:۔

> "ہمارے ملک میں نفسیاتی بیماریاں بڑی تیزی سے بڑھتی جا رہی ہیں لیکن بدقسمتی سے اب تک ہم نے ان بیماریوں کو دوسری جسمانی بیماریوں کی طرح ایک حقیقی مرض نہیں سمجھا ہے۔ جب ایک نفسیاتی مریض اپنے مرض کے ابتدائی دنوں میں بے خوابی، بھوک کی کمی، گھبراہٹ، بے چینی یا کام میں دل نہ لگنے سے پریشان رہتا ہے تو اسے سمجھایا جاتا ہے کہ وہ فکر کرنا اور سوچنا چھوڑ دے۔ جب اسکی جسمانی علامات ظاہر ہوتی ہیں تو لوگ اسے گیس کی بیماری یا لو بلڈ پریشر سمجھ کر مختلف ڈاکٹروں کے مطب کے چکر لگواتے رہتے ہیں۔ جب Hysteria یا مرگی کا دورہ پڑتا ہے تو رشتہ داروں کی صلاح ہوتی کہ اسکی فوراً شادی کردی جائے۔ جب مرض اور بڑھتا ہے اور مریض خود ہی ہنسنے یا رونے لگتا ہے اور الٹی سیدھی باتیں کرنے لگتا ہے تو لوگ اسے جادو کا اثر سمجھ کر اس کا سارا جادو زائل کرنے پر لگ جاتے ہیں اور جب مریض مار پیٹ، توڑ پھوڑ اور شور شار کرتا ہے تو اس کے جسم میں بدروح، آسیب یا کوئی ناپاک جن آ جاتا ہے جس کو نکالنے کے لیے وہ ان بدنصیبوں کو مزاروں، خانقاہوں اور نہ جانے کہاں کہاں لیے پھرتے رہتے ہیں معاشرے کے ان ناسمجھ اور ناواقف لوگوں نے کبھی انہیں بیمار سمجھ کر ان کا معقول علاج کرانے کی کوشش نہیں کی۔ انہوں نے کبھی یہ سوچا کہ جب انسان کا دل، پیٹ، آنتیں، جگر، گردے، پھیپھڑے وغیرہ بیمار ہو سکتے ہیں تو اس کا بے چارہ دماغ بھی بیمار ہو سکتا ہے اور اس سے بھی وہی علامات ظاہر ہوتی ہیں جو اس سے متعلق ہیں۔"

ماہرین نفسیات کیلیے یہ امر ہمیشہ سے پریشان کن رہا ہے کہ لوگ نفسیاتی بیماریوں کو بیماری کی بجائے آسیب کا سایہ سمجھتے ہیں۔ یہ صرف ہمارے معاشرے کا ہی المیہ نہیں بلکہ مغرب کے ماڈرن ممالک میں بھی ایسے لوگوں کی کوئی کمی نہیں جو نفسیاتی بیماریوں کو جنات اور آسیب کا سایہ سمجھتے ہیں۔ ہمارے سر میں درد رہتا ہے یا پھر پیٹ کے مسلسل درد اور گیس کی شکایت نے ہمارا جینا حرام کر رکھا ہے۔ ہماری سانس لینے میں ہمیں دشواری کا سامنا ہے یا اکثر اوقات بلاوجہ ہمیں پسینہ آتا ہے تو ہم فوراً ڈاکٹر کے پاس جاتے ہیں۔ ہم خود کو مریض سمجھتے ہیں ہماری فائل تیار ہوتی ہے۔ ہمارے ٹیسٹ لیے جاتے ہیں۔ اور ہم پھر اپنی ضخیم فائل کو بغل میں دبائے مارے مارے پھرتے اور ڈاکٹرز کے کلینکوں کے چکر پر چکر لگاتے دکھائی دیتے ہیں۔ لیکن پھر بھی ہمارا مرض جوں کا توں رہتا ہے تو اس کا مطلب ماسوائے اس کے اور کیا ہو سکتا ہے

کہ ہم کسی نفسیاتی مرض کا شکار ہو چکے ہیں۔ اور اب ہمیں میڈیکل ڈاکٹرز کی بجائے ماہرین نفسیات سے رابطہ کرنا چاہیے۔

میرا ذاتی خیال ہے کہ انسان کو بیمار نہیں ہونا چاہیے کیونکہ انسان ارتقاء یافتہ مخلوق ہے......اور حق تو یہ ہے کہ انسان دوسرے جانوروں سے زیادہ صحت مند زندگی گزارے لیکن افسوس ہم جانوروں کی نسبت بہت زیادہ بیمار ہوتے ہیں۔ گھوڑے کو دیکھیے! وہ بیمار ہوتا ہی نہیں۔ دیگر چوپائے سالوں میں کبھی کبھار ذرا سے بیمار ہوتے ہیں۔ ورنہ تمام جانور عموماً صحت یاب ہی رہتے ہیں۔ اس کے برعکس انسان ہے کہ ہمیشہ کسی نہ کسی مرض کا شکار رہتا ہے۔ اس کی وجہ کیا ہے۔ میرا خیال ہی نہیں یقین ہے کہ انسان کے ساتھ زیادہ نفسیاتی بیماریاں لگی ہوئی ہیں۔ جہاں تک جسمانی بیماریوں کا تعلق ہے تو انسان کی خوراک دوسرے جانوروں کی نسبت زیادہ عمدہ اور صاف ستھری ہے۔ انسان کا رہن سہن بھی جانوروں سے عمدہ ہے لیکن بیماریاں پھر انسان کو ہی زیادہ چمٹتی ہیں۔ حقیقت یہ ہے زیادہ تر انسانی بیماریاں اپنی ابتدائی اسٹیج پر نفسیاتی ہوتی ہیں......جو بعد میں حقیقی جسمانی بیماریوں میں تبدیل ہو کر بیچ بیچ موت کا سبب بنتی ہیں۔ آپ ان لوگوں کے بارے میں غور کر کے دیکھ لیجیے جو بے پرواہ طبیعت کے مالک ہوتے ہیں۔ ان کے جسم میں چھوٹے موٹے درد ہوتے ہیں تو وہ پرواہ ہی نہیں کرتے۔ آپ دیکھیں گے کہ وہ لوگ قابلِ رشک صحت کے مالک ہوتے ہیں۔ خصوصاً دیہاتی، پہاڑی، صحرائی لوگ اور ان پڑھ مزدور طبقہ کے لوگ اسی بے نیازی کی بدولت صحت مند رہتے ہیں۔ ان کے برعکس وہ لوگ جو اپنی صحت کا بہت زیادہ خیال رکھتے ہیں۔ طرح طرح کے پرہیز کرتے ہیں، آئے روز ٹیسٹ کرواتے ہیں.....انکی پوزیشن یہ ہوتی ہے کہ بمشکل 40 یا 45 کا ہندسہ کراس کرتے ہیں اور اکثر ہارٹ اٹیک سے مر جاتے ہیں۔ اس کی وجہ کیا ہے؟.....ایسا کیوں ہے؟۔

حقیقت یہی ہے کہ ہم لوگ نفسیاتی طور پر بے حد الجھ چکے ہیں۔ ہمارا معاشرتی نظام قابلِ شرم حد تک بگڑ گیا ہے۔ ہر طرف طبقاتی کشمکش ہے، حکومتیں اپنی ذمہ داریاں بھول چکی ہیں۔ غربت، بھوک، افلاس، بے روزگاری، شور، عدم تحفظ، عدم مساوات اور نہ جانے کون کون سی ناہمواریاں ہیں جن کی زد میں ہر دم ہماری زندگی رہتی ہے۔ ہم کیسے نفسیاتی طور پر صحت یاب رہ سکتے ہیں۔ جانوروں کا تو یہ مسئلہ ہے کہ انہیں اپنے بچوں کی شادیاں کرنے کی، اپنے لڑکوں کو روزگار دلانے کی، اپنے ساتھ ناانصافی ہونے کی کوئی فکر نہیں ہوتی۔ ہم جانور نہیں ہم تو ذی شعور ہیں........ہم اپنے دماغ پر دباؤ ڈالتے ہیں۔ اور ہمارے ذہن پر دباؤ بڑھتا ہے تو ہمارا بلڈ پریشر بڑھ جاتا ہے، ہمارے دماغ پر بوجھ پڑتا ہے تو ہمارا معدہ اپ سیٹ ہو جاتا ہے۔ اور یہ حقیقت تو سب ہی جانتے ہیں کہ معدہ خراب ہو تو دنیا کی ہر بیماری ہماری زندگی کا روگ بن سکتی ہے۔

انسانی جسم میں معدہ جس مقام پر واقع ہے۔ اس مقام کو اردو میں "سینہ" اور عربی میں "صدر" کہتے ہیں۔ صدر کی جمع ہے "صدور"۔ اب ہم قرآن حکیم کی آخری سورۃ یعنی "سورۃ والناس" ملاحظہ کرتے ہیں:۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ○
قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ○ مَلِكِ النَّاسِ ○ اِلٰهِ النَّاسِ ○ مِنْ
شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ ○ الَّذِىْ يُوَسْوِسُ فِىْ صُدُوْرِ
النَّاسِ○ مِنَ الْجِنَّةِ وَ النَّاسِ○

ترجمہ:۔

بنامِ اللہ! جو بڑا مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔
کہو کہ میں لوگوں کے پروردگار کی پناہ مانگتا ہوں۔ (یعنی) لوگوں کے

حقیقی بادشاہ کی۔ لوگوں کے معبودِ برحق کی۔ (شیطان) وسوسہ انداز کی برائی سے جو (خدا کا نام سن کر) پیچھے ہٹ جاتا ہے۔ جو لوگوں کے "سینوں" میں وسوسے ڈالتا ہے۔ (خواہ وہ) جنّات سے (ہو) یا انسانوں میں سے۔

دیکھا آپ نے .... اللہ تعالیٰ نے رسولِ کریم اور پھر ہر قرآن پڑھنے والے کو یہ مشورہ دیا ہے کہ وہ اللہ کی پناہ طلب کریں، شیطان مردود سے اور اس شیطان مردود سے جو لوگوں کے "سینوں" میں وسوسے ڈالتا ہے۔

سینوں میں وسوسے؟...... یہ کس قسم کی اصطلاح ہے جو اللہ تعالیٰ نے استعمال کی ہے۔ آیئے ہم ذرا اس کی حقیقت پر غور کرتے ہیں۔

معدہ انسان کے سینے میں واقع ہے اور دل پہلو میں..... اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں "صدور" کے الفاظ استعمال کیے ہیں نہ کہ "قلب" کے، کیونکہ "قلب" کے معنی ہیں، دل اور "صدر" کے معنی ہیں..... سینہ۔ اب ہم جانتے ہیں کہ..... ایک بیماری ہے جس کا نام ہے "تبخیرِ معدہ"۔ یہی بیماری ہے جو ابتدائی اسٹیج پر ہو تو معدے میں جلن ہوتی ہے۔ اور آخری اسٹیج پر ہو تو دل پر خوف اور وحشت کا غلبہ ہو جاتا ہے۔ یہی بیماری ہے، جس کی بدولت ڈراؤنے خواب آتے ہیں اور یہی بیماری ہے جس کی وجہ سے انسان کے دل پر بے پناہ مایوسی کا غلبہ ہونے لگتا ہے۔

معدے کی تبخیر صرف جلن یا اپھارہ کا نام نہیں بلکہ فی الحقیقت تبخیرِ معدہ اس تکلیف کو کہتے جو انسان کو نفسیاتی طور پر تباہ و برباد کر دیتی ہے۔ انسان کسی کام کرنے کے قابل نہیں رہتا۔ بلڈ پریشر ہر وقت "ہائی" یا...... "لو" رہتا ہے۔ مریض کا مزاج اعتدال سے یوں ہٹ جاتا ہے کہ وہ کوئی بھی بات مستقل مزاجی سے نہیں کر سکتا۔ اس پر نئی نئی کیفیتیں طاری ہوتی رہتی

ہیں۔ کبھی بلاوجہ خوشی کی کیفیت اور کبھی بے وجہ غم کا عالم .... لیکن اس بیماری کی سب سے بڑی قباحت یہ ہے کہ یہ دل پر خوف اور مایوسی کے گہرے بادل طاری کر دیتی ہے۔ ذرا ذرا سی بات پر مریض کو اپنا مستقبل تاریک دکھائی دینے لگتا ہے۔ ذرا ذرا سا درد اسے موت کا درد محسوس ہوتا ہے۔ ہر زخم ...... کینسر، ہر سر درد..... رسولی، پیٹ کا ہر درد اپنڈکس، سینے کا ہر درد ہارٹ اٹیک...... اور نہ جانے کیا کیا۔ اپنے جسم سے باہر اسے ہر بات میں خوف کا پہلو دکھائی دیتا ہے۔ پیچھے سے آنے والا ہر راہگیر..... اسے قتل کرنا چاہتا ہے، جو شخص اسے ذرا غور سے دیکھتا ہے وہ لازماً اس کے قتل کا یا اسے کوئی نقصان پہنچانے کا ارادہ رکھتا ہے۔ یہ ہے تبخیر...... اس بیماری کی کوئی ایک، دو یا چار، پانچ علامتیں نہیں یہ بیماری ہزارہا علامتوں کا مجموعہ ہے...... کیونکہ یہ بیماری اصل میں جسمانی بیماری ہے ہی نہیں .... یہ ایک نفسیاتی بیماری ہے۔ دراصل معدے میں پیدا ہونے والی گیسیں انتہائی زہریلے تیزابوں پر مشتمل ہوتی ہیں یہ خون میں شامل ہو کر انسانی مزاج کو ناقص کر دیتی ہے۔ اس سے جسمانی نقصان تو خیر اتنا زیادہ نہیں پہنچتا .... لیکن اعصاب پر بہت برا اثر پڑتا ہے۔ تبخیرِ معدہ کا مریض اعصابی طور پر بہت کمزور ہو جاتا ہے۔ اتنا کمزور کہ اس کے پٹھے دکھنے لگتے ہیں۔ اسے ہر لمحہ کوئی نہ کوئی بیماری گھیرے رہتی ہے۔ الغرض اسے اپنی زندگی عذاب دکھائی دیتی ہے۔ اور وہ مایوس ہو جاتا ہے۔ اب ذرا ایک مرتبہ پھر ہم قرآنِ حکیم کی سورۃ والناس کی آیت کو غور سے دیکھتے ہیں۔ ارشاد ہے:۔

الّذی یوسوسُ فی صدورِ النّاس ۝

وہ جو انسانوں کے سینوں میں وسوسے ڈالتا ہے۔

تبخیر وسوسوں کی بنیاد ہے اور تبخیر بھی سینے میں ہی پیدا ہوتی ہے۔ چنانچہ میں تو یہ کہا کرتا ہوں کہ اگر کسی نے ابلیس یا شیطان کو مجسم حالت میں دیکھنا ہو تو اس شخص کو دیکھ لے جس پر تبخیرِ معدہ کا حملہ جاری ہو اور وہ مایوسی کی اتھاہ گہرائیوں میں گرتا نظر آئے۔ اب ایک سوال یہ

ہے کہ تبخیر کیوں پیدا ہوتی ہے؟......اور اس کے پیدا ہونے سے وہ کون سے شیطانی اعمال ہیں جو رو پذیر ہونے لگتے ہیں۔ کیونکہ اگر تبخیر کی بدولت شیطانی اعمال رو پذیر نہ ہوں تب بھی ہم اسے مجسم شیطان یا ابلیس نہیں کہہ سکتے۔ آیئے اب ہم ذرا اس بات پر بھی غور کرتے ہیں۔

لفظ شیطان کا لغوی مطلب ہے..."سرکش" اور ابلیس کا لغوی مطلب ہے....."مایوس"۔ انسان کے جسم میں وہ چیز جو انسان کو متحرک اور سرگرم رکھتی ہے، وہ ہے حرارتِ غریزی.....یہ انسان کے خون میں پائی جاتی ہے۔ اسی کے بل بوتے پر انسان کا جسم جوش و خروش کا مظاہرہ کرتا ہے۔ اگر حرارتِ غریزی کی مقدار جسم میں زیادہ ہو جائے تو جوش و خروش بھی حد سے تجاوز کر جاتا ہے اور انسان ان کاموں میں جو سرکشی پر آمادہ کرتے ہیں دلچسپی لینے لگتا ہے۔ خصوصاً شراب نوشی اور جنسی بے راہ روی.......وہ غذائیں جن سے حرارتِ غریزی بہت زیادہ بڑھ جاتی ہے.....اگر بے اعتدالی سے کھائی جائیں تو طبیعت کا طبعی جوش و خروش بھی بہت زیادہ بڑھ جاتا ہے، ان میں ہر قسم کا گوشت، انڈے، مکھن، گھی اور خشک میوے شامل ہیں.....یہ غذائیں بے اعتدالی سے کھانے والے کی طبیعت میں سرکشی کا مادہ پایا جاتا ہے۔ یہ سرکشی اسے سب سے پہلے نافرمانی پر آمادہ کرتی ہے۔ اور نافرمانی کی ابتداء ہمیشہ والدین اور اساتذہ کی نافرمانی سے ہوتی ہے۔ طبیعت کی متانت کا دور دور تک کہیں پتہ نہیں ہوتا.....حرارتِ غریزی بڑھانے والی غذائیں بھی معدے میں پہنچنے کے بعد اپنی کاروائی کا آغاز کرتی ہیں۔ معدہ ایسی غذاؤں کو جزوِ بدن بنانے کیلیے مزید "حرارے کہیں سے نہیں لیتا بلکہ یہ تو وہ غذائیں ہیں جو خود حراروں سے بھرپور ہیں۔ چنانچہ معدے کے پاس فالتو حرارے یعنی کیلوریز پہنچ جاتی ہیں.....اور نتیجتاً معدہ میں تیزاب کی مقدار کہیں زیادہ ہو جاتی ہے۔ تیزابیت کی ابتداء حقیقت میں تبخیرِ معدہ کی ابتداء ہے۔ چنانچہ ثابت ہوتا ہے کہ تبخیرِ معدہ ہی سرکشی کا باعث بنتی ہے۔ اور یہ تو آپ جان چکے ہیں کہ تبخیرِ معدہ شیطان کا دوسرا نام ہے۔ اسی طرح جب تبخیرِ معدہ

حد سے بڑھتی ہے تو انسان کی طبیعت میں اضطراب بھی بڑھ جاتا ہے۔ اس اضطراب کی تسکین اگر ہو سکتی ہے تو ان اعمال سے جن میں منفی تجسس پایا جاتا ہے۔ جن میں جوش و خروش پایا جاتا ہے، ظاہر ہے ایسے کام زیادہ تر لڑائی جھگڑا اور تشدد کے کام ہیں۔ اور اس طرح صرف تبخیرِ معدہ کی بدولت انسان شیطان بن جاتا ہے۔

اب ایک اہم نقطہ ملاحظہ کیجیے......اور وہ یہ ہے کہ برائی کے کام کر کے انسان کبھی بھی مطمئن نہیں رہ سکتا اس کے دل پر ایک بوجھ سا ہمیشہ رہتا ہے۔ اس بوجھ کا دوسرا نام احساسِ ندامت ہے۔ جسے انگریزی میں "گلٹی" کہتے ہیں۔ اس کیفیت میں انسان پریشان رہتا ہے۔ اس کے اعصاب چٹخنے لگتے ہیں اور شخصیت تباہ ہونا شروع ہو جاتی ہے۔ یہی وہ جگہ ہے جہاں مایوسی پیدا ہوتی ہے۔ انسان دماغی طور پر خود سے ناراض رہنے لگتا ہے۔ اور تبخیر معدہ کی اگلی اسٹیج یعنی......یعنی خوف کا غلبہ مریض پر طاری ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ اس مقام پر انسان ہر وقت چوکنا رہنے لگتا ہے اور اپنے سائے سے بھی محتاط ہو جاتا ہے۔ اسے اپنا مستقبل تاریک دکھائی دینے لگتا ہے۔ چنانچہ مایوسی اس کی عادت ہو جاتی ہے......اور اتنا تو ہم جان ہی چکے ہیں کہ ابلیس کا لغوی مطلب ہے......"مایوس"۔

قصہ مختصر یہ کہ تبخیرِ معدہ ہی ہے جو انسان کے سینے میں پائی جاتی ہے اور انسان کے دماغ کو "وساوس" اور برے برے خیالات سے بھر دیتی ہے۔ چنانچہ یہی شیطان ہے اور یہی ابلیس ہے۔

ہمارے معاشرے میں بھی تبخیرِ معدہ کے مریض سب سے زیادہ ہیں......بے شمار لوگ ہیں جو ایک مستقل عذاب میں مبتلا ہیں۔ ہر وقت ادویات ان کے پاس رہتی ہیں۔ اور انگریزی ادویات میں ایسی کوئی دوا ہی نہیں جو تبخیرِ معدہ کیلیے تو ہو لیکن اس میں "ٹرانکولائزر" نہ ہو......آج معدے کے مریضوں کو ڈاکٹرز حضرات جو نسخہ دیتے ہیں اس میں "زینکس"

........"لیگزوتانل" یا "ریلیکسین" وغیرہ شامل ہوتی ہیں۔ ڈاکٹرز جانتے ہیں کہ مریض جسمانی مریض نہیں بلکہ فی الحقیقت نفسیاتی مریض ہے۔ وہ اسے سکون آور ادویات دیتے ہیں۔ دراصل وہ اسکے اضطراب کا علاج کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن اضطراب کا علاج "نشیات" نہیں ....بلکہ معتدل خوراک اور روحانی طور پر یہ تسلیم کرنا ہے کہ دنیا کی کوئی پریشانی حقیقی نہیں ہوتی۔ ورنہ اگر کوئی بھی پریشانی حقیقی ہوتی تو انسان مرتا کیوں۔ وہ تو مر جاتا ہے .....اور پریشانی جہاں کہیں ہوتی ہے وہیں کی وہیں رہتی ہے۔ انسان کیلیے اصل پریشانی کی بات ہے ....موت.....اسے مرنا نہیں چاہیے، اسے کوئی ایسا بندوبست کرنا چاہیے کہ وہ مرنے سے بچ سکے۔ کیونکہ وہ جتنا بھی دنیاوی طور پر پریشان رہتا ہے دراصل زیادہ سے زیادہ زندہ رہنے کیلیے رہتا ہے۔ لیکن دنیاوی طور پر پریشان رہ کر وہ طویل زندگی تو کیا پاتا.......الٹا جلدی مرجاتا ہے۔ اب اس پریشانی کا کیا حل ہے کہ انسان زیادہ سے زیادہ زندہ رہے۔ تو اس پریشانی کا بھی حل موجود ہے........لیکن یہ حل صرف روحانی طور کارآمد ہے۔ اس حل تک پہنچنے کیلیے ضروری ہے کہ انسان کا پورا پورا اعتقاد روحانیت پر ہو۔ وہ مذہب کو دل و جان سے مانتا ہو.......بقول اقبال رحمۃ اللہ۔

ے خرد نے کہہ بھی دیا لاالہ تو کیا حاصل
دل و نگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

ایمان کا یہ مقام ہے۔ انسان کو اللہ تعالیٰ ہمیشہ کی زندگی کی خوشخبری سناتے ہیں۔ جسے علامہ اقبالؒ.........حیاتِ جاوداں کہہ کر پکارتے ہیں۔ اور فرماتے ہیں کہ:۔

ے فرشتہ موت کا چھوتا ہے گو بدن تیرا
ترے وجود کے مرکز سے دور رہتا ہے

لو جی!..........انسان کی اصل پریشانی کا مسئلہ بھی حل ہو گیا اور وہ حل یہ کہ

انسان کو روحانیت، تسلیم کرنا پڑے گی۔ اسے روحانی طور پر اپنی تربیت کرنی پڑے گی۔ ظاہر ہے جسم کی ترقی جسم کو غذاء دینے سے ممکن ہے تو روحانی تربیت روح کو غذاء دینے سے ممکن ہے۔ اور روح کی غذاء حرارتِ غریزی نہیں بلکہ دنیاوی مسائل سے بے پرواہی یعنی اللہ تعالیٰ کی صفت صمدیت ہے۔ انسان کو "سبحان" بننا پڑتا ہے۔ تا کہ اسے گھربار اولاد......کاروبار اور دیگر دنیاوی پریشانیوں کی بجائے صرف حقیقی زندگی یعنی آخرت کی پریشانی لاحق ہو۔ اور اگر کوئی ایسا کرتا ہے تو اسے اسکا سب پہلا فائدہ جو پہنچتا ہے ..... وہ ہے ......"اطمینانِ قلب"......لیجیے! مسئلہ تھا روحانی یقین کا، اور سب سے پہلا فائدہ پھر بھی دنیاوی نکلا۔ ظاہر ہے اطمینانِ قلب کی موجودگی میں کون ہے جو نشے کی گولیاں کھائے گا یا سکون لینے کیلیے کوئی اور نشہ کرے گا۔ ایسا شخص نہ تو زیادہ کھانے میں یقین رکھتا ہے اور نہ ہی مال و متاع جمع کرنے میں ......تو پھر کیوں نہ اس کی صحت درست رہے۔ اسے بھلا کس چیز کا ڈر ہے وہ تو ہر وقت جسمانی طور پر مرنے کیلیے تیار ہے.........وہ تو کہتا ہے کہ "موت میری محبوبہ ہے" اگر میں مروں گا تو اپنے پروردگار کے پاس چلا جاؤں گا۔ اور یوں جب وہ دنیاوی مسائل کو خاطر میں نہیں لاتا تو "تجنر" جیسی وہم کی بیماری اس کے نزدیک بھی نہیں پھٹکتی......نہ تو اس کے دل پر کوئی خوف طاری ہوتا ہے اور نہ ہی وہ مایوس یا سرکش ہوتا ہے۔ گویا نہ تو جسمانی مریض ہوتا ہے، اور نہ ہی نفسیاتی۔ لہٰذا اسے نشہ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں رہتی۔

میڈیکل کے ماہرین نے دماغ میں پائے جانے والے بے شمار کیمیائی مادوں کا انکشاف کیا ہے، جنہیں ہم نیوروٹرانسمیٹرز کہتے ہیں۔ سائنسدانوں کے نزدیک یہی نیوروٹرانسمیٹرز ہیں جو تمام دماغی بیماریوں کا سبب ہیں۔ اس کے علاوہ نیوروٹرانسمیٹرز کا اثر دماغ میں موجود ایک حساس عضو، HYPO THALMUS پر بھی ہوتا ہے۔ ان کیمیائی مادوں کے زیر اثر کچھ اور دوسرے مادے اس سے خارج ہوتے ہیں جو ایک باریک سی ٹیوب کے

ذریعہ PITUTARY GLAND میں پہنچتے ہیں۔ یہ دماغ کا وہ اہم غدہ ہے جس سے مختلف ہارمونز نکل کر خون میں گردش کرتے ہیں۔ یہی وہ ہارمون ہیں جنہوں نے سارے انسانی نظام کو اپنے کنٹرول میں رکھا ہوا ہے۔ انہی سے زندگی میں حرکت اور حرارت ہے اور یہی وہ حرارت ہے جس نے ان نیوروٹرانسمیٹرز کو دماغ میں اپنا اثر پیدا کرنے کے لیے زندہ اور فعال بنا رکھا ہے۔ قدرت نے اس طرح دماغ کا تعلق جسم سے اور جسم کا تعلق دماغ سے ایک دائرے کی شکل میں جوڑ دیا ہے۔ اگر اس فعل میں کہیں بھی کچھ نقص ہو جائے تو پورے دائرے کی شکل بگڑ جاتی ہے۔

دماغ اور جسم کے اس تعلق کو ماہرین نے ایک نئی سوچ دی۔ کیا دماغی اور جسمانی بیماریاں بھی اس طرح آپس میں ایک دوسرے سے مربوط ہیں؟ اس کا جواب انہوں نے سائنسی تحقیق سے دیا۔ یقینی ثبوت کے ساتھ انہوں نے بہت سی جسمانی بیماریاں گنوا دیں جن کا تعلق دماغ یا بہتر الفاظ میں انسانی نفسیات سے ہے۔ معدہ کا السر، فشار خون، دمہ، الرجی، نچلی آنت کی سوزش، جوڑوں کا درد وغیرہ وہ چند بیماریاں ہیں جن کی وجوہات میں نفسیات بڑا اہم کردار ادا کرتی ہے۔ یہ بیماریاں اب محض جسمانی SOMATIC نہیں رہیں بلکہ اب انہیں PSYCHOSOMATIC بیماریاں کہا جاتا ہے۔

نیوروٹرانسمیٹرز کا ایک اور اہم اثر خون میں پائے LYMPHOCYTES پر بھی ہوتا ہے۔ یہ وہ خون کے سفید خلیے ہیں جو بیماری کے جراثیم کو جسم کے اندر داخل ہونے سے روکتے ہیں۔ یہ بیماری کے دفاع کے صف اول کے سپاہی ہیں۔ دماغ میں نیوروٹرانسمیٹرز کی کمی ان کو بھی کم کر دیتی ہے۔ اس طرح یہ انسان کو بیماری کیلیے بے بس اور تیار کر دیتے ہیں۔ سائنسدانوں نے مختلف تجربوں سے ثابت کیا ہے کہ فکر، پریشانی، خوف، گھبراہٹ، مایوسی وغیرہ کی حالت میں دماغ میں موجود نیوروٹرانسمیٹرز بہت ہی کم ہو جاتے ہیں۔ اس طرح یہ نفسیاتی

الجھنیں اور جسمانی بیماریوں کا سبب بنتے ہیں۔ یہ ایک عام مشاہدہ ہے کہ جو لوگ نفسیاتی الجھنوں میں گرفتار ہیں وہ اکثر دوسری جسمانی بیماریوں کا بھی شکار رہتے ہیں۔ اس کے برعکس ایک صحت مند دماغ ایک صحتمند جسم کا بھی مالک ہوتا ہے۔

اس ضروری اور مفید انکشاف کے بعد ماہرین نے تقریباً سب ہی بیماریوں کا سلسلہ نفسیات سے جوڑ دیا ہے، بلکہ وہ تو ایک قدم اور آگے بھی بڑھ گئے ہیں۔ کہتے ہیں کہ بیماریوں کا ایک اور بلاواسطہ سبب معاشرے کی رسومات، انسان کے عادات و اطوار، سڑک پر بہتے ہوئے ٹریفک، ماحول اور موسم کے تغیرات بھی ہیں کیا آپ یقین کریں گے کہ شادی کی خوشیاں دل کی بیماریوں کا سبب بن سکتی ہیں!؟ شاید نہیں۔ لیکن کبھی آپ نے اس بات پر بھی غور کیا ہے کہ معاشرہ میں جاری یہ بے جا فضول اور لمبی چوڑی رسومات انسان کو کتنی فکروں اور پریشانیوں میں ڈال دیتی ہیں۔ یہ انسان کو مختلف بیماریوں کے لیے تیار کر دیتی ہیں، پھر شادی کی دعوتوں میں اڑائے جانے والے گھی سے تر قورمے اور بریانی کی پلیٹیں جسم اور خون میں چربی بڑھا کر دل کے دورے، شوگر، اور دوسری بیماریوں کی ابتداء کرتی ہیں۔ عادات و اطوار کو لیجیے .... کیا آپ ان خطرناک بیماریوں سے واقف نہیں ہیں جو سگریٹ اور شراب نوشی، پان چھالیہ اور دوسری نشہ آور ادویات کے استعمال سے ہوتی ہیں۔ نظام تنفس کی بیماریاں ہر شہر میں عام ہیں، یہ ماحول اور فضاء میں کثافت کی عطا کردہ ہیں۔ موسم کے تغیرات، الرجی وغیرہ لے کر آتے ہیں۔ الغرض بیماری کا واحد سبب صرف وائرس اور جراثیم ہی نہیں بلکہ بیماری، جراثیم، نفسیات اور سماجی حالات کا مجموعہ ہوتی جسے سائنسدانوں نے BIO PSYCHO SOCIAL کہا ہے۔ ہم نے ابھی جن چند بیماریوں کا ذکر کیا ہے، یہ نفسیاتی وجود کی حامل ہیں۔ اور جنہیں مسلسل فکر اور پریشانی نے نہ صرف قائم رکھا ہوا ہے، بلکہ اس کی شدت میں اضافہ بھی ان سے ہوتا ہے۔ اب ہم روزمرہ زندگی میں پائی جانے والی ان چھوٹی موٹی

بیماریوں کا ذکر کرتے ہیں جن کے لیے لوگ ڈاکٹروں کے مطب کا چکر لگاتے لگاتے تھک جاتے ہیں۔ فکر اور پریشانی کسے نہیں ہوتی لیکن اگر یہ بڑھ جائے اور ختم ہونے کا نام نہ لے تو سر میں درد ہو جاتا ہے۔ ایسا درد جیسے کسی نے سر کے بیچ میں کیل ٹھونک دی ہو یا کسی نے پورے سر کو شکنجے میں جکڑ دیا ہو اس سے گردن کے پٹھے بھی اکڑ کر درد کرنے لگتے ہیں یہ "ذہنی دباؤ کا" ہے۔ جو کسی بھی درد کشا گولی سے ٹھیک نہیں ہوتا۔ آپ نے اکثر لوگوں کو گیس کی شکایت کرتے ہوئے سنا ہوگا۔ یہ گیس نہ صرف ان کے پیٹ میں تکلیف پیدا کرتی ہے بلکہ بقول ان کے جب اوپر کی طرف اٹھتی ہے تو دل میں درد اور دھڑکن شروع ہو جاتی ہے، ہڈیوں کی طرف جاتی ہے تو جوڑوں میں درد شروع ہو جاتا ہے۔ الغرض گیس نے ان کا جینا دوبھر کیا ہوا ہے۔ حقیقت میں جیسا ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ ان بیماریوں میں سارا قصور ان کی گیس کا نہیں بلکہ ان کے اپنے نفسیاتی فتور کا ہے۔

اس کے علاوہ سانس میں دشواری، لمبی لمبی سانس کا آنا، سر میں چکر، سستی اور کمزوری، ہاتھ پاؤں میں جلن، بلا وجہ پسینہ آنا، گھڑی گھڑی پیشاب اور پاخانے کی حاجت یہ سب علامات اکثر نفسیاتی وجوہ کی بناء پر ہوتی رہتی ہیں۔

یہ مضمون شاید ادھورا اور یک طرفہ رہ جائے اگر ہم ان جسمانی بیماریوں کا ذکر نہ کریں جو نفسیاتی الجھنیں پیدا کرتی ہیں۔ کینسر وہ موذی مرض ہے جو ابھی پوری طرح شروع بھی نہیں ہوتا کہ مریض کو ڈپریشن شروع ہو جاتا ہے۔ ذیابیطس (شوگر)، ہارٹ اٹیک، انیمیا، مختلف ہارمونز کی کمی بیشی، سر کی چوٹ اور رعشہ یہ چند بیماریاں ایسی ہیں جن سے ذہنی دباؤ اور ڈپریشن کی دیرینہ دوستی ہے۔

مذکورہ بالا مضمون کے کچھ حصے میں نے ڈاکٹر "امانت اے حسن" (کراچی) کے ایک کتابچے سے لیے ہیں۔ اس سے پہلے کہ میں ان نفسیاتی بیماریوں کا تذکرہ کروں جن کا براہ

راست تعلق ہماری زیر نظر کتاب سے ہے میں ضروری سمجھتا ہوں کہ.............انسان کے اعصابی نظام کی ایک مختصر ترین تصویر پیش کروں تا کہ کتاب کے اختتام سے پہلے ہم پر یہ واضح ہو جائے کہ آخر انسان کا دماغ یا اعصاب ایسے کیوں ہیں جو ہر وقت نفسیاتی دباؤ کو تیزی کے ساتھ قبول کر لیتے ہیں اور انسان دوسرے جانوروں کی نسبت جلد بیماریوں کا شکار ہو کر ناکارہ ہو جاتا ہے۔

ہمارے اعصاب

ہم جانتے ہیں کہ ہمارا ذہن ہمارے جسم کا ہی ایک حصہ ہے چنانچہ ہم اپنے ذہنی اعمال کو اپنے جسمانی اعمال سے الگ نہیں کر سکتے۔ ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ ہمارا ذہن بیرونی دنیا کا علم ہمارے اعضائے حواس یعنی "حواسِ خمسہ" کے ذریعے حاصل کرتا ہے۔ لہٰذا "حواسِ خمسہ" یعنی...... دیکھنے کی حس، سننے کی حس، سونگھنے کی حس، چکھنے کی حس اور چھونے کی حس کا مطالعہ ہمارے لیے ازبس ضروری ہے........خاص طور پر اگر ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہم اپنے نفسیاتی مسائل کے بارے میں جانیں اور سمجھیں۔ اور اعضائے حواس کا مطالعہ اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک ہم سرسری طور پر یہ نہ دیکھ لیں کہ ہمارا دماغ کس طرح کام کرتا ہے اور ہمارے حواس کا رابطہ ہمارے دماغ کے ساتھ کس طرح رہتا ہے۔ ہم اس کتاب میں "نشہ" کو سمجھنے اور دیکھنے کی کوشش کر رہے ہیں کہ ہمارے نوجوان آخر کیوں اس موذی مرض میں مبتلا ہوتے جا رہے ہیں۔ اور ہم کس طرح اپنی ابھرتی ہوئی قوم کو اس خطرناک بیماری سے نکال سکتے ہیں۔ ہم میں سے قوم کا ہر ذی شعور شہری یہ چاہتا ہے کہ........ ہمارا نشہ باز طبقہ اس موذی مرض سے نجات پائے اور قوم کے معمار یعنی نوجوان نسل کے لوگ آئندہ اس قسم کی قباحتوں میں پڑنے کی بجائے قوم کے دوسرے تعمیری پروگراموں میں ایک صحت مند شہری کی حیثیت سے حصہ لیں........ ہم اپنی خواہش کے مطابق ان کی مدد تب ہی کر سکتے ہیں اگر ہم ان کے درد کو

سمجھیں۔ ہم یہ بھی جانتے ہوں کہ نشہ حقیقت میں کیا ہوتا ہے اور لوگ اس کی طرف مائل کیوں ہوتے ہیں اور جو لوگ اس دلدل میں پھنس جاتے ہیں ان کے پھنسنے کی وجوبات کیا ہیں اور یہ کہ انہیں اس خونی دلدل سے کسطرح نکالا جاسکتا ہے۔ یہ سب کچھ جاننے کیلیے ضروری ہے کہ ہم انسانی جسم کی بنیادی ساخت کے علاوہ خصوصاً دماغ اور اس کے افعال سے واقف ہوں۔ تاکہ ہمارے لیے یہ بات مسئلہ نہ رہے کہ........ آخر انسانی دماغ میں وہ کون سا فتور ہے، جو دوسرے جانوروں کے دماغ میں نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا ہے۔ اور قرآن حکیم میں ارشاد ہے:۔

وَلَقَدْ کَرَّمْنَا بَنِی آدَمَ○

ترجمہ: تحقیق ہم نے انسان کو عزت بخشی ہے۔

ایک اور جگہ ارشاد ہے:۔

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِی اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ○

ترجمہ: تحقیق ہم نے انسان کو "احسن تقویم" پیدا کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو بڑی عزت عطا کی ہے کیونکہ انسان کے مقابلے میں باقی مخلوقات کو ہم ملاحظہ کرتے ہیں تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ انہیں انسان کی اطاعت اور فرمانبرداری کیلئے پیدا کیا گیا ہے۔ بقول شاعر:۔

جانور پیدا ہوئے تیری وفا کے واسطے
کھیتیاں سرسبز ہیں تیری غذاء کے واسطے
چاند سورج اور ستارے ہیں ضیاء کے واسطے
سب جہاں تیرے لیے پر تو خدا کے واسطے

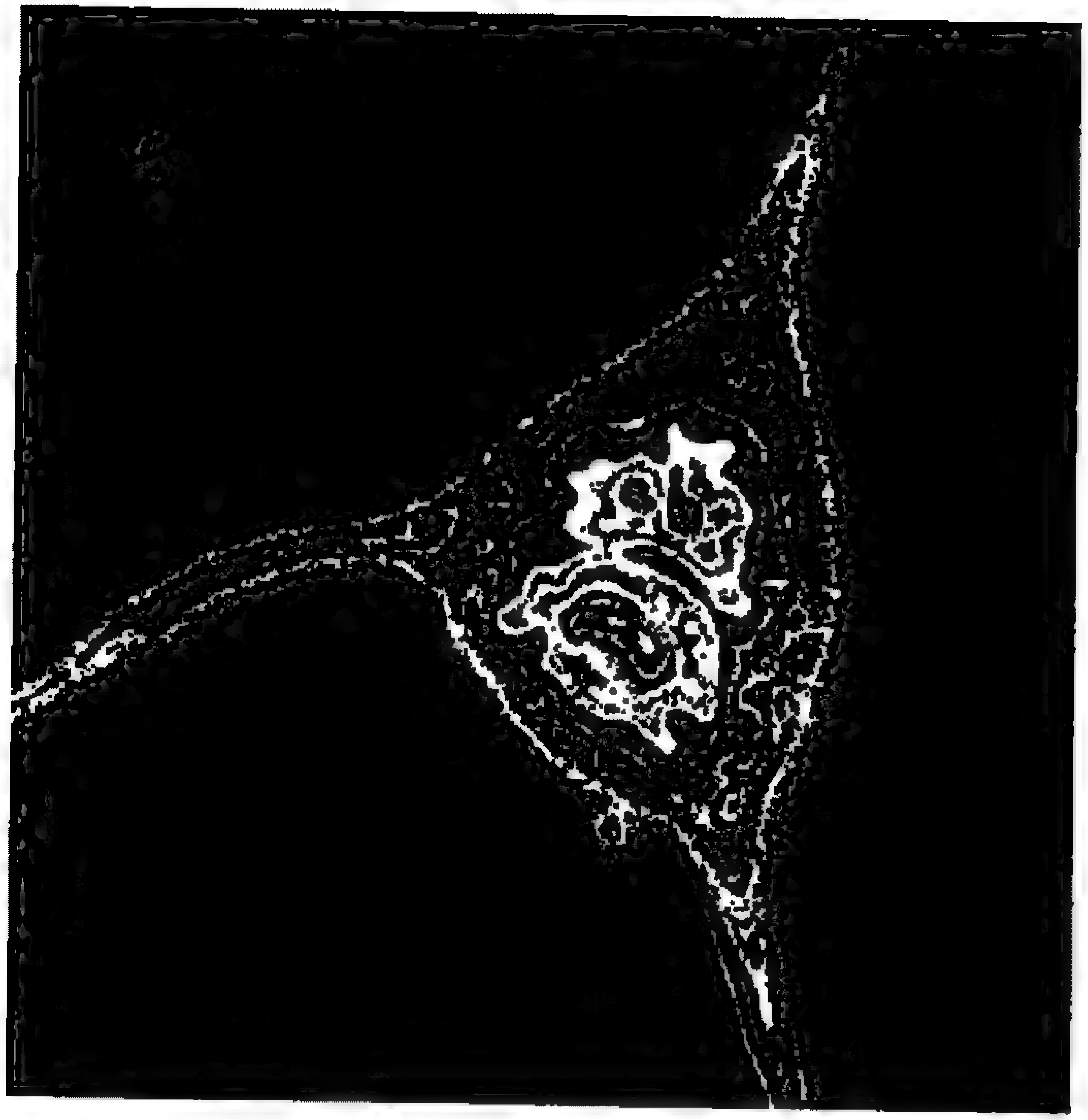

انسانی اعصاب

اب دیکھنا یہ ہے کہ وہ کون سی چیز ہے جس کے بل بوتے پر انسان کو سب مخلوقات سے افضل پیدا کیا گیا ہے۔ ظاہر ہے.........وہ چیز ہے "شعور"۔ اور شعور انسان کو عطا ہوا تو دماغ کی وجہ سے۔ کیونکہ انسان کا دماغ آج سے 25000 ہزار سال پہلے اتنا ارتقاء کر چکا تھا کہ انسان کے حواس دوسرے جانوروں کی نسبت بہت زیادہ ترقی پا چکے تھے۔ اللہ نے انسان کے دماغ کو کام کرتے دیکھا تو اسے خبردار کیا اور کہا.........اب تیرے پاس "شعور" کی دولت آنے والی ہے۔ اور یہ دولت کسی ارتقاء کا نتیجہ نہیں بلکہ اللہ کا عطا کردہ "نور" ہے۔ چنانچہ سب سے پہلے حضرت آدمؑ کو منتخب کر کے اللہ تعالیٰ نے "وحی" کی دولت یعنی ابتدائی شعور عطا فرما دیا۔ یہ دماغ ہی تھا جس کی وجہ سے ہمیں آسمانی شعور عطا کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ دماغ میں ایسی کیا بات ہے۔ جسے دیکھ کر اللہ تعالیٰ نے انسانی دماغ کو چنا.....کہ وہ "کلامِ الہیٰ" یعنی وحی کو سمجھے اور اسے اپنے قلب میں محسوس کرے۔

انسانی دماغ Brain

انسانی دماغ...........اعصاب Nerves، اعضائے حواس Sens organs اور عضلات Muscles کے ایک پیچیدہ نظام کا مجموعہ ہے۔ اور جو خالصتاً میڈیکل کے شعبہ کا موضوع ہے۔ میرے لیے ممکن نہیں کہ میں اس مشکل موضوع پر سیر حاصل کچھ لکھ سکوں۔ چنانچہ میں نے حسب ضرورت ....ایک مختصر سا مضمون مشہور ماہرِ نفسیات اور پروفیسر "کرامت حسین جعفری" کی کتاب سے لیا ہے۔

> "نظامِ عصبی سے مراد وہ اعضاء ہیں جن کا تعلق ذہن سے ہے۔ یہ اعضاء دو قسم کے ہیں۔ ایک مراکزِ عصبیہ یعنی دماغ اور نخاع (Spinal cord) جو حس و حرکت کی قوتوں کا مبداء ہیں۔ یعنی جن میں حس و حرکت کی قوتیں پیدا ہوتی

> ہیں۔ اور دوسرے نہایت باریک دھاگوں کے سے اعصاب، جو ان قوتوں یعنی حس و حرکت کو جسم کے تمام حصوں میں پھیلاتے ہیں۔ ان سب کو یعنی مراکزِ عصبیہ اور اعصاب کو بحیثیت مجموعی نظامِ عصبی کہا جاتا ہے۔ جس طرح ایک بادشاہ کسی مملکت پر حکمرانی کرتا ہے۔ اسی طرح نظامِ عصبی جسم کی مملکت پر حکمرانی کرتا ہے۔ دماغ جسم کا بادشاہ ہے۔ نخاع یا حرام مغز وزیر یا نائب السلطنت ہے اور اعصاب ان دونوں کے خادم ہیں۔ جن کی ہر حرکت خواہ وہ ارادی ہو یا غیر ارادی نظامِ عصبی ہی کے کسی نہ کسی حصے کی معرفت سرزد ہوتی ہے۔ مثلاً جب ہم کسی خوب صورت پھول کو دیکھ کر توڑ لیتے ہیں، تو یہ عمل اس طرح ہوتا ہے کہ آنکھوں سے بعض اعصاب دماغ تک ایک اطلاع پہنچاتے ہیں اور دماغ بعض دوسرے اعصاب کی معرفت ہاتھ کے عضلات کو پھول توڑنے کا حکم بھیجتا ہے۔ اسی طرح اگر ہم کسی متعفن جگہ کے پاس سے گزریں تو بعض اعصاب کے ذریعے سے دماغ بدبو کی اطلاع حاصل کرنے کے بعد ٹانگوں کے پٹھوں کو حکم دیتا ہے کہ وہ فرار اختیار کریں۔ بعض اعصاب جسم کے مخصوص حصوں سے جنہیں اعضائے حواس کہا جاتا ہے دماغ تک جاتے ہیں تاکہ اسے تأثرات سے آگاہ کریں.................. انہیں حسی یا درآور اعصاب کہا جاتا ہے۔ اور وہ اعصاب جو دماغ کے احکام کو عضلات (Muscles) اور غدودوں (Glands) تک لے جاتے ہیں حرکی یا برآور (Out going) اعصاب کہلاتے ہیں۔

یہ بالکل واضح ہے کہ اعصاب جسم اور دماغ کے مابین رسل و رسائل کی راہوں کا کام دیتے ہیں۔ ان کی حیثیت محض پیغامبروں کی سی ہے۔ وہ نہ تو خود کچھ محسوس کر سکتے ہیں اور نہ ہی احکام نافذ کرنے کے اہل ہیں۔

اگر ایک عصب کے دونوں سرے مستقل طور پر بیکار ہو جائیں تو جسم کے وہ تمام حصے جن سے وہ بیشتر ازیں متعلق تھے مفلوج ہو جاتے ہیں، اور ان حصوں میں حس کی قوت باقی نہیں رہتی، یہاں تک کہ جسم کے ان حصوں کو اگر جلا دیا جائے یا کاٹ دیا جائے تو کسی تکلیف یا درد کا قطعاً احساس نہیں ہوتا۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے بجلی کی تار کے کٹ جانے سے بجلی کی لہر کا بہاؤ ختم ہو جاتا ہے۔ ایسی بے حسی کا تجربہ ہاتھ یا پاؤں کے "سو جانے" کے وقت ہوتا ہے۔ بعض اوقات ایک ہی حالت میں دیر تک بیٹھے یا لیٹے رہنے سے کچھ اعصاب پر جب زیادہ دباؤ پڑ جاتا ہے تو عارضی طور پر ان کا اعصابی فعل رک جاتا ہے۔ دباؤ کے دور ہونے پر اعصاب حسب معمول اپنا کام سر انجام دینا شروع کر دیتے ہیں اور متاثرہ عضو میں نقل و حرکت کی قوت دوبارہ عود کر آتی ہے۔

ناخن، بال اور جلد کا بیرونی حصہ

(Epidermis) جسم کے وہ حصے ہیں جن میں اعصاب نہیں ہوتے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم اپنے ناخن اور بال کٹواتے وقت تکلیف یا درد محسوس نہیں کرتے۔

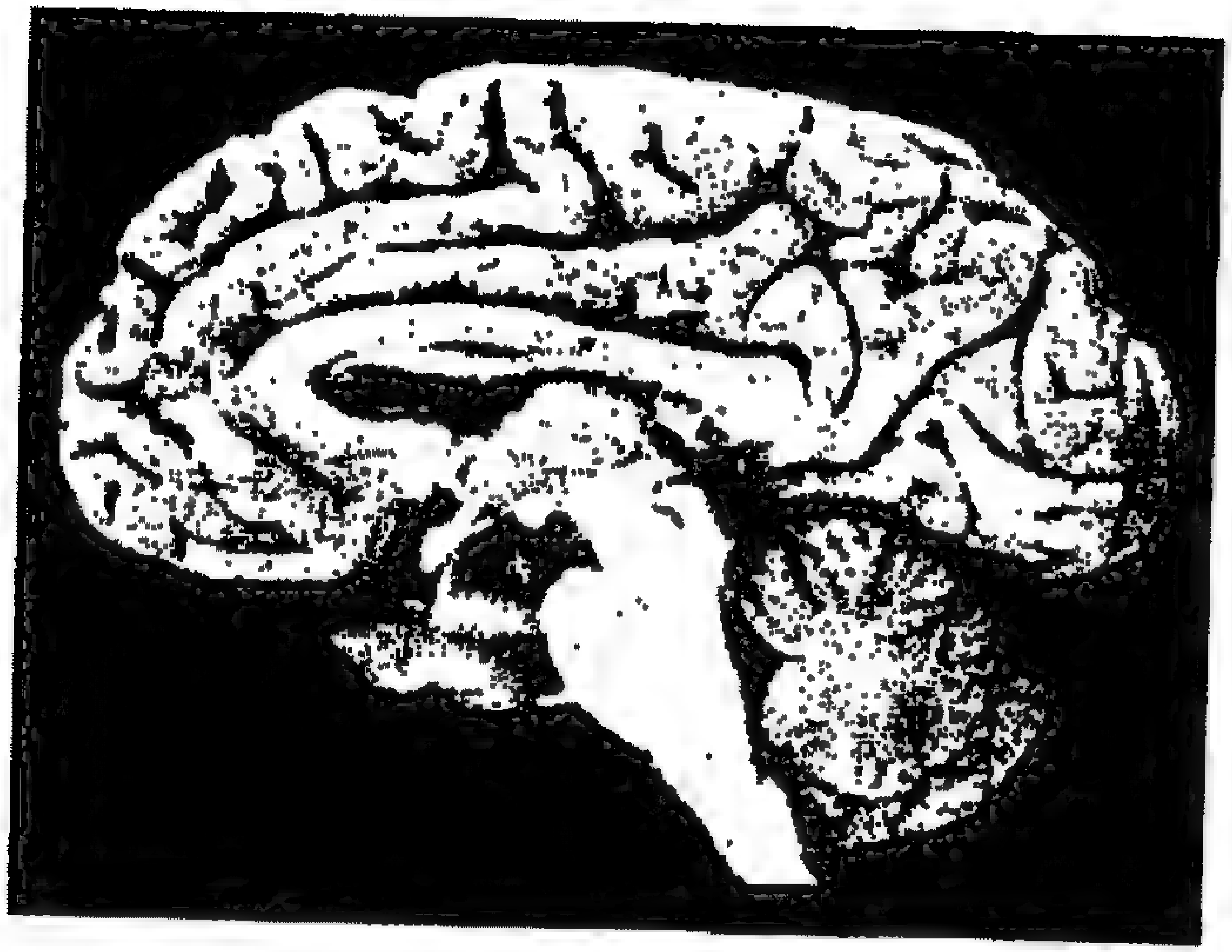

انسانی دماغ

اعصاب کی ساخت ......جس طرح بجلی کی ایک تار کئی باریک تاروں سے مل کر بنتی ہے اسی طرح اعصاب بہت سے باریک ریشوں سے مل کر بنتے ہیں، ان باریک ریشوں کو عصبیے (Neurons) کہتے ہیں ہر عصبیہ عصبی خلیے (Nerve Cell) محورے (Axon) اور اس کا مرکزہ (Dendrite) پر مشتمل ہوتا ہے عصبی خلیہ اور اس کا مرکزہ (Nucleus) بنیادی حیثیت رکھتے ہیں۔ محوریہ بعض صورتوں میں کئی فٹ لمبا ہوتا ہے۔ لیکن شجریہ لمبائی میں چھوٹا ہوتا ہے۔ خلیہ، محوریہ اور شجریہ مل کر عصبیہ کہلاتے ہیں۔ انسانی جسم میں تقریبا دس ارب عصبیے پائے جاتے ہیں۔

حسی اور حرکی اعصاب ب کے علاوہ......(جو علی الترتیب اعضائے حواس اور عضلات کو دماغ سے منسلک کرتے ہیں) لاکھوں کی تعداد میں اور بھی اعصاب ہوتے ہیں جنہیں "تلازمی اعصاب" (Association Nerves) کہا جاتا ہے۔ تلازمی اعصاب ہی کی بدولت در آور اور بر آور عصبی لہروں (Nerve Currents) کا آپس میں ربط پیدا ہوتا ہے۔ اس ضمن میں مرکزی نظام عصبی ایک مرکزی ایکسچینج (Central Exchange) یا (Switchboatd) کا کام کرتا ہے۔ ہر عصبیے کے شجرئے کی شاخیں کسی دوسرے عصبیے کے شجرئے کی شاخوں سے متصل ہوتی ہیں۔ وہ آپس میں ملی ہوئی نہیں ہوتیں۔ بلکہ ان کے درمیان معمولی سا خلا ہوتا ہے۔ شجریوں ان مقامات اتصال کو synapses کہتے ہیں۔ لہر ایک عصبیے سے دوسرے عصبیے تک اسی خلا ہی سے گزر کر جاتی ہے۔ جس طرح برقی لہر (Electric Cyrrent) دو تاروں کے درمیان معمولی سے دوسرے عصبیے کی بے شمار شاخیں ہوتی ہیں۔ اور ہر شاخ دو بے شمار شاخوں سے منسلک ہوتی ہے۔ اس لیے ایک عصبی لہر ایک عصبیے سے دوسرے عصبیوں میں منتقل ہو سکتی ہے۔ بالفاظ دیگر ایک عصبی لہر کے مختلف راستے اختیار کر سکتی ہے۔

جب ایک عصبی لہر پہلی دفعہ ایک عصبیے سے دوسرے عصبیے کی طرف منتقل ہوتی ہے۔ تو Synapse عصبی لہر کے بہاؤ میں مزاحمت پیدا کرتا ہے۔ لیکن اگر عصبی لہر بار بار ایک ہی راستے سے گزرے تو یہ قسرانی مزاحمت کم ہوتی جاتی ہے اور آخر کار برقی رو کو عصبیوں کے درمیانی خلاء کو عبور کرنے میں کوئی دقت پیش نہیں آتی۔

عصبی لہر

عصبی لہر کی صحیح ماہیت ابھی تک ایک معما ہے۔ لیکن یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ عصبی لہر اپنی ماہیت کے لحاظ سے برقی لہر کی مانند ہوتی ہے۔ اگرچہ یہ برقی لہر سے کئی باتوں میں مختلف بھی ہوتی ہے۔ مثلاً برقی لہر کے مقابلے میں عصبی لہر بہت سست رفتار ہوتی ہے۔ برقی لہر پر گرمی یا سردی کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ لیکن عصبی لہر گرمی اور سردی سے بہت متاثر ہوتی ہے۔

عصبی لہر کے متعلق جو نظریہ عام طور پر تسلیم کیا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ عصبی لہر اپنی اہمیت کے لحاظ سے برقی کیمیاوی (Chemical،Electro) لہر ہوتی ہے۔ بیرونی تہیج سے عصبی ریشوں میں کیمیاوی تبدیلیاں پیدا ہوتی ہیں۔ اور کیمیاوی تبدیلیاں برقی تبدیلیوں کو پیدا کرتی ہیں۔ لیکن اس نظریے کو حرف آخر تسلیم نہیں کیا جاسکتا۔ جب سائنس دان عصبی لہر کی حقیقت دریافت کرلیں گے تو زندگی کا معمہ حل ہو جائے گا۔

دماغ (Brain)

دماغ نظام عصبی میں عضو رئیس کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ کھوپڑی کے جوف (Cavity) میں ہوتا ہے۔ بالعموم بڑا دماغ بڑے ذہن کی نشانی اور غیر معمولی طور پر چھوٹا دماغ پاگل پن کی نشانی ہوتا ہے۔ ایک جوان آدمی میں اوسط دماغ کا وزن 46.1/4 اونس، اور ایک جوان عورت میں 44 اونس ہوتا ہے۔ لیکن بعض عالی دماغ اشخاص کے دماغ کا وزن ۶۴ اونس تک بھی پایا گیا ہے۔ دماغ ایک ایسی نازک اور اہم شے ہے کہ دماغی چوٹ یا مرض سے انسان پاگل بھی ہو جاتا ہے۔ دماغ کے تین حصے ہیں۔ بڑا دماغ یا "مخ کبیر (Cerebrum)" چھوٹا دماغ یا "مخیخ Cerebellum" اور سرحرام مغز یا "نخاع مستطیل (Medulla Oerebellum)"۔

(شکل نمبرا دماغ کا ایک حصہ)

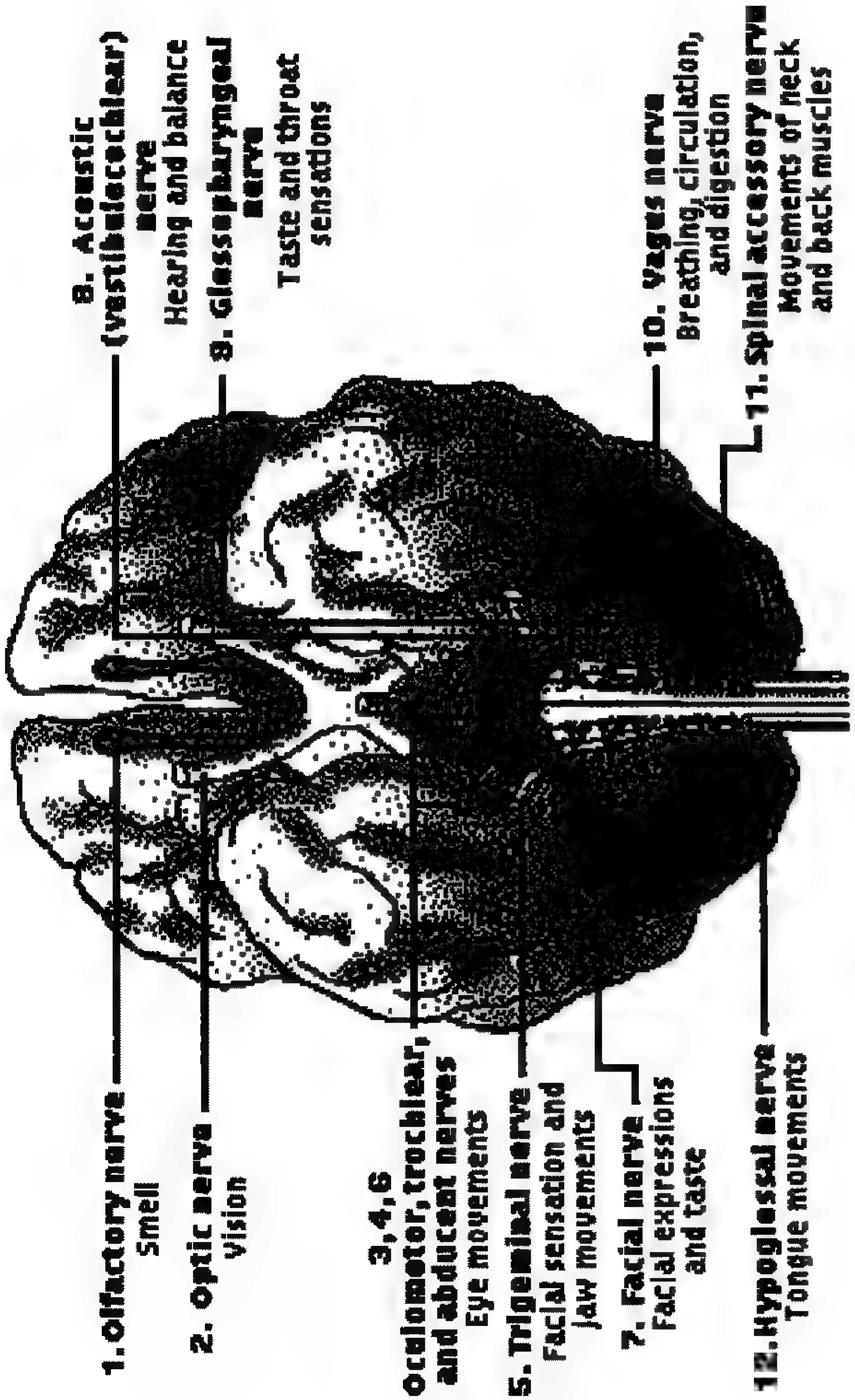
8. Acoustic (vestibulocochlear) nerve
Hearing and balance
9. Glossopharyngeal nerve
Taste and throat sensations
10. Vagus nerve
Breathing, circulation, and digestion
11. Spinal accessory nerve
Movements of neck and back muscles
1. Olfactory nerve
Smell
2. Optic nerve
Vision
3, 4, 6
Oculomotor, trochlear, and abducent nerves
Eye movements
5. Trigeminal nerve
Facial sensation and jaw movements
7. Facial nerve
Facial expressions and taste
12. Hypoglossal nerve
Tongue movements

مذکورہ بالا مضمون جو ہم نے پروفیسر ''کرامت حسین جعفری'' کی تحریروں سے لیا ہے..... دماغ کی عضوی ساخت سمجھانے کیلیے ضروری تھا۔ کیونکہ ہم دماغ کو سمجھے بغیر انسان کے پیچیدہ اعصاب پر کسی قسم کا تبصرہ کرنے سے قاصر تھے۔ اب ہم قدرے آسانی کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ خون میں گردش کرنے والے مادے جب دماغ میں پہنچتے ہیں تو دماغ بھی دوسرے اعضاء کی طرح ان سے متاثر ہوتا ہے۔ دوسرے اعضاء کو دماغ سے الگ تصور کرنا، جیسا کہ عام طور پر ہمارے معاشرے میں سمجھا جاتا ہے، درست نہیں۔ مثلاً اگر سگریٹ کا دھواں دل کے لیے مضر ہوسکتا ہے تو سگریٹ کا دھواں دماغ کیلیے بھی اتنا ہی مضر ہوسکتا ہے۔ خون میں گردش کرنے والے مضر مادے......... عصبی خلیات کے افعال کو متاثر کرتے ہیں تو ان کے اثرات اس طرح مرتب نہیں ہوتے جیسے کہ دوسرے جسمانی اعضاء پر مرتب ہوتے ہیں۔ دماغ کا ہر عمل جسمانی اعمال سے بے حد مختلف ہوتا ہے۔ ایک انتہائی سادہ مثال دیکھیے............. مثلاً ایک حادثہ جسم کیلیے معذوری کا سبب ہوسکتا ہے۔ لیکن اس کے برعکس وہی حادثہ دماغ کیلیے اور طرح کی معذوری کا باعث ہوسکتا ہے۔ یعنی ٹانگ کا ٹوٹ جانا اور ہے اور دماغ کا اپنی جگہ پر نہ رہنا اور طرح کی معذوری ہے۔

اب ہوتا یوں ہے کہ ہم دماغ کے نقائص کو........ جسم سے بالکل الگ کرکے دیکھتے ہیں۔ ہم دماغی مریض کو ''جنات'' یا آسیب کا شکار سمجھنے لگتے ہیں۔ اس پر سایہ یا جادو کے اثرات کو تلاش کرنے چل پڑتے ہیں۔ حالانکہ دماغ بھی اسی طرح جسم کا حصہ ہے جس طرح دوسرے اعضاء۔

دماغ کی ساخت کو سمجھ کر ہمیں کم از کم اتنا تو معلوم ہوگیا ہے کہ اس کے مختلف حصے مختلف حواس کے لیے مخصوص ہیں۔ اگر کسی حصے کی گڑبڑ کسی انسان کی طبیعت اور مزاج میں تبدیلی کا باعث ہے۔ تو اس کا یہ مطلب کیسے ہوسکتا ہے کہ یہ بیماری نہیں بلکہ مریض کی بہانہ بازی یا آسیب کا

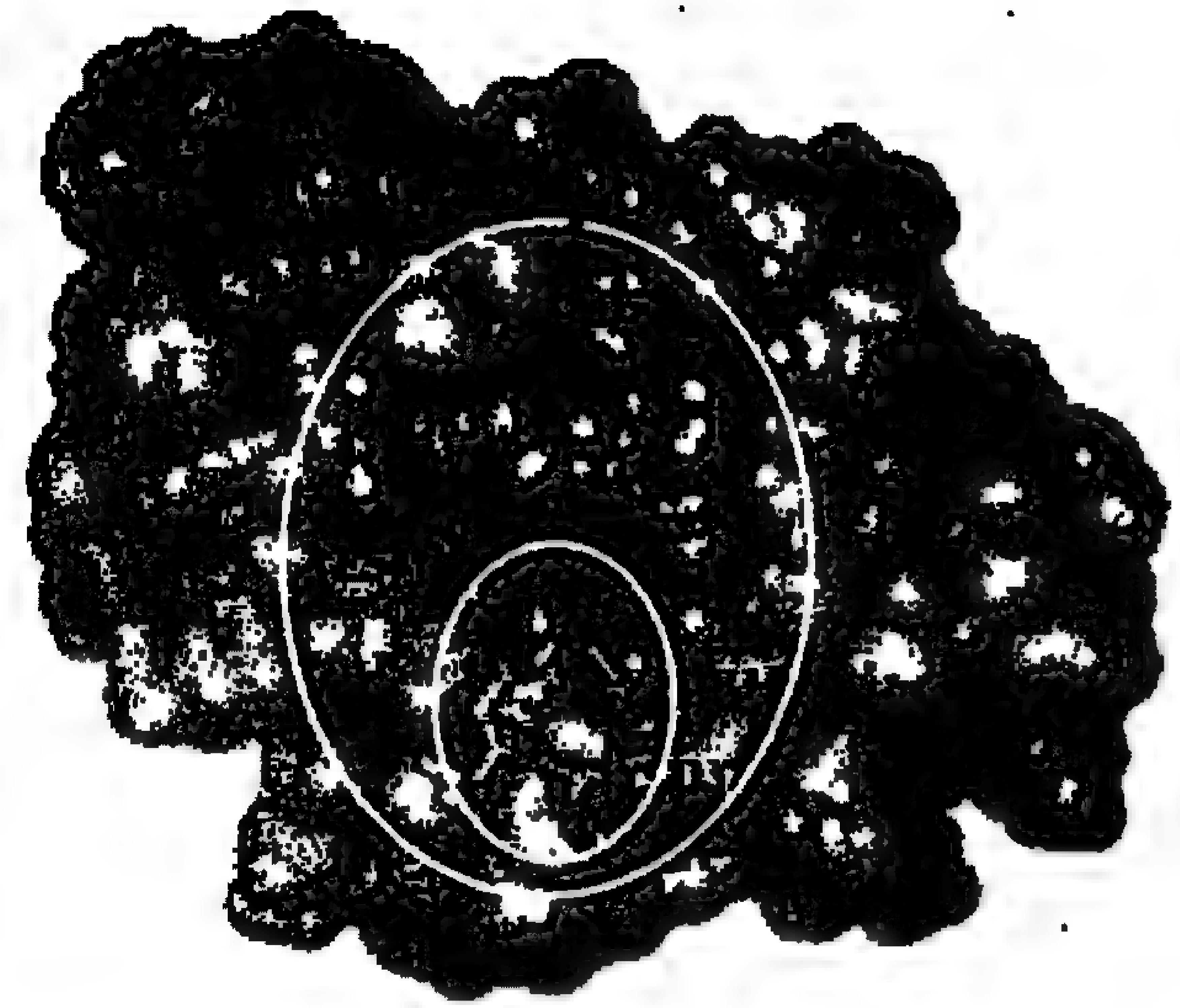

ہیروئن اور ڈرگز کے متواتر استعمال سے دماغ کے اندرونی حصے بری طرح متاثر ہوتے ہیں۔

سایہ ہے۔ اور یہی سب سے زیادہ افسوس کا مقام ہے۔

آپ نے کرامت حسین جعفری کے مضمون میں ملاحظہ کیا کہ دماغ کئی حصوں پر مشتمل ہے۔ بعض حصے بصری ہیں، بعض سمعی ہیں........ ہو سکتا ہے کہ سمعی حصے میں نقص پیدا ہو، اور مریض عجیب عجیب آوازیں سننے لگے یا عجیب عجیب باتیں کرنے لگے۔ تو ہمیں چاہیے کہ ہم مریض کو کسی "جن نکالنے والے" کے پاس لے جانے کی بجائے ڈاکٹر کے پاس لے کر جائیں۔ بہر حال دماغ ایک عضوہ ہے، کوئی غیر مرئی چیز نہیں اور چاہیے کہ ہم دوسرے اعضاء کی دیکھ بھال کی طرح اپنے دماغ کی دیکھ بھال بھی کریں........ جو کہ ہم بالکل نہیں کرتے۔ اور یہ سمجھتے ہیں کہ دماغ معدے، دل، گردوں یا جگر کی طرح نہیں کہ اس کا خیال رکھا جائے۔

اب اس سے پہلے کہ ہم ان نفسیاتی بیماریوں کا ذکر کریں جن کا انتخاب ہم نے اس باب کیلیے کیا تھا اور اس کتاب کو "تمت بالخیر" کی سرخی لگائیں، ہم ایک مرتبہ انسانی شخصیت کا جائزہ ماہرین نفسیات کی زبانی لیتے ہیں۔ تا کہ نفسیاتی بیماریوں کو سمجھتے ہوئے ہمیں کسی قسم کی دقت نہ ہو۔

شخصیت

شخصیت ایک ایسا پسندیدہ اور دلچسپ موضوع ہے جس کا ذکر اکثر محفلوں میں بڑے ذوق وشوق سے ہوتا ہے۔ لوگ بڑے انہماک سے اس میں حصہ لیتے ہیں۔ اور طرح طرح سے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہیں۔ یہ انہماک صرف عام لوگوں تک ہی محدود نہیں، بلکہ ڈاکٹروں اور خاص طور پر ماہر نفسیات کیلیے بھی شخصیت ایک نہایت ہی اہم اور حساس موضوع ہے۔ لیکن دونوں طبقوں کیلیے شخصیت کا مفہوم بالکل جدا جدا ہے۔ عام لوگوں کی نظر میں شخصیت وہ ظاہری وقار، خوش وضعی اور خوش نمائی ہے جو لوگوں کو مرعوب کر دیتی ہے۔ یا

وہ دلفریب انداز تکلم ہے جو محفل کو اپنا گرویدہ بنا لے۔ اس کے برعکس اہل طب کیلیے شخصیت انسان کی وہ خاصیت ہے جس کا اظہار وہ مختلف حالات اور مسائل میں اپنے مخصوص کردار سے کرتا ہے۔ یہ ایک عام مشاہدہ ہے کہ ایک ہی مسئلہ اگر مختلف لوگوں کے سامنے پیش کیا جائے تو ہر شخص اپنی خاصیت کے مطابق اس کا حل پیش کرے گا، اور ایک ہی جیسا واقعہ یا حادثہ مختلف لوگوں پر مختلف قسم کا عمل یا اثر ظاہر کرتا ہے۔ اس کو سمجھنے کیلیے ایک چھوٹی سی مثال ہے۔ فرض کیجیے کہ میڈیکل کالج کے چار طلبا اپنے آخری سالانہ امتحان میں ناکام ہو گئے۔ چاروں ہی اپنی ناکامی پر اداس تھے لیکن پہلے طالب علم نے کچھ دنوں میں اپنی اداسی پر قابو پا لیا۔ اس نے جان لیا کہ اس کی ناکامی کی وجہ اس کی پڑھائی میں بے توجہی تھی۔ اس نے تہیہ کر لیا کہ آئندہ سال وہ بہت محنت کرے گا۔ اور ضرور پاس ہوگا۔ یہ طالب علم ایک مستقل مزاج اور نارمل شخصیت کا مالک ہے۔ جسے مستقبل میں اگر کبھی حوادث نے جھنجھوڑا بھی تو وہ جلد ہی اپنی مشکلات پر قابو پا کر اپنی منزل کی طرف رواں دواں ہو جائے گا۔ نہ خود اپنی زندگی تلخ کرے گا اور نہ دوسروں کو اپنے رویے سے تکلیف دے گا۔ اس کے برعکس دوسرا طالب علم اپنی ناکامی پر اتنا مایوس اور دلبرداشتہ ہوا کہ اس کی نیند اڑ گئی۔ اس کی بھوک اچاٹ ہو گئی۔ وہ اپنے آپ کو کند ذہن کم تر اور نکما محسوس کرنے لگا۔ اُس کیلیے اس کا مستقبل تاریک تھا، وہ سمجھتا رہا کہ وہ اب اپنے والدین اور رشتہ داروں کو منہ دکھانے کے قابل نہیں۔ اس کا جی چاہا کہ وہ کہیں جا کے ڈوب مرے۔ یہ طالب علم پژمردہ (Depressed) شخصیت کا مالک ہے۔ زندگی کے حوادث اور اس کی اونچ نیچ پر وہ کبھی قابو نہ پا سکے گا۔ وہ قنوطی ہے، خود بھی بے زار رہے گا اور دوسروں کو بھی اپنی تکلیفوں اور مسائل سے بیزار کرتا رہے گا۔ اب تیسرے طالب علم کا ردِ عمل دیکھیے، اسے اپنے فعل ہونے کا یقین ہی نہیں آ رہا.......... اس کے خیال میں اس نے اپنے پرچے بہت ہی اچھے کیے ہیں، یقیناً ممتحن نے اس کے پرچے جانچنے میں غلطی کی ہے۔ وہ

ایک درخواست دے گا، کہ اس کی کاپی پھر سے جانچی جائے۔ وہ ایک شکی شخصیت کا مالک ہے۔ زندگی میں وہ کسی پر اعتبار نہیں کرے گا۔ وہ لوگوں کے خلوص اور محبت کو شک کی نظر سے دیکھے گا۔ اسے یہ وہم رہے گا کہ لوگ اس کے خلاف ہیں۔ اس کی اکثر زندگی مقدمہ بازی اور وکیلوں میں گزرے گی۔ چوتھے طالب علم پر فیل ہونے کا اثر کچھ اور ہی انداز سے ہوا۔ وہ غضبناک ہو گیا.......... "اس میڈیسن والے بڈھے نے مجھے جان بوجھ کر فیل کیا ہے۔ اس کو میرے بڑھے ہوئے بال اور چیک کی بشرٹ پسند نہیں آئی۔ اس نے مجھے پلے بوائے سمجھا۔ اس نے مجھ سے جان بوجھ کر ایسے الٹے سیدھے سوال کیے، کہ میں جواب نہ دے سکوں۔ میں اسے ضرور مزہ چکھاؤں گا۔" آپ نے اس کی شخصیت کا اندازہ لگا ہی لیا ہوگا۔ وہ ایک جھگڑالو اور لڑاکا انسان ہے۔ اس شہر میں ہونے والے سارے جھگڑے، فساد، چوری اور ڈکیتیوں کی وارداتیں انہی جیسی شخصیت والے لوگوں کی وجہ سے ہیں۔ یہ لوگ خود غرض ہیں انہیں دوسروں کے احساسات کا کچھ پاس نہیں۔ وہ اپنی غرض اور مقصد کیلیے کچھ بھی کر بیٹھیں گے۔

یہ تو صرف چار مثالیں ہیں........ ماہرین نے شخصیت کی اور بھی بہت سی پہچان کی ہیں۔ ان میں Hysterionics ہیں، جو خود نمائی چاہتے ہیں۔ طرح طرح کے ڈرامے کرتے ہیں، کہ لوگوں کی توجہ اپنی طرف مبذول رکھیں۔ بھڑک دار کپڑے پہنتے ہیں، لوگوں کو اپنی مسکراہٹ اور حسن سے لبھاتے ہیں۔ اور جن کے پاس یہ نہیں، وہ خواہ مخواہ کے بیمار بن کر اپنے آپ کو توجہ کے مستحق بناتے ہیں۔ یہ لوگ سطحی ہیں، ان کے دل میں خلوص اور محبت کی وہ گہرائی نہیں، جس کا وہ اظہار کرتے ہیں۔ ایک شخصیت ان لوگوں کی ہے، جو سنجیدہ اور حساس ہیں۔ ہر وقت سوچتے رہتے ہیں۔ لوگوں کی باتوں کا مفہوم اپنے انداز سے نکالتے ہیں۔ ان کی طبیعت کے خلاف ذرا سی چیز بھی انہیں اتنی بری لگتی ہے کہ مدت کے یارانے ذرا سی دیر میں ختم ہو جاتے

ہیں۔ ان کا کوئی مستقل دوست نہیں۔ پھر کچھ لوگ وہ ہیں جنہیں بروقت صفائی، سلیقے اور نظم و ضبط کا جنون ہے۔ وہ اپنے اصول کے اتنے پابند اور مضبوط ہیں کہ اپنی اور اپنے خاندان کی خوشیاں بھی اپنی ضدی شخصیت پر قربان کر دیتے ہیں۔ اور پھر آپ نے ایسے بھی لوگ دیکھے ہونگے، جو کمزور اور بے بس شخصیت کے مالک ہیں۔ وہ اپنے مسئلوں کو سلجھانے اور ان سے نبرد آزما ہونے کی کوشش ہی نہیں کرتے۔ وہ اپنے آپ کو کمتر اور ادنیٰ سمجھ کر خود کو زندگی کے دھارے پر کھلا چھوڑ دیتے ہیں۔

شخصیت کے یہ مختلف روپ اہل طب کیلیے نہایت ہی اہم ہیں، اس لیے کہ بیماری کی حالت میں ان کے Symptoms بھی ان کی شخصیت کے اعتبار سے نمودار ہوتے ہیں۔ جو انکی بیماری کی تشخیص اور علاج میں بڑے معاون بنتے ہیں۔

شخصیت کے دو عوامل ہیں۔ ایک موروثی اور دوسرا ماحول۔ والدین جہاں اپنے بچوں کو اور بہت سی چیزیں ورثے میں دیتے ہیں، وہاں اپنی شخصیت کے بیج بھی ان میں بو دیتے ہیں۔ ان کی اولاد میں بھی اسی لیے بہت سی وہی خصوصیات ہوتی ہیں، جو ان میں خود ہوتی ہیں۔ آپ نے وہ مثالیں تو ضرور سنی ہونگی کہ چور کا بھائی گٹھنی چور، سپولیے کے گھر میں سانپ ہی پیدا ہوتا ہے۔ اکثر والدین اپنی جسمانی بناوٹ بھی اپنے بچوں کو وراثت میں دیتے ہیں۔ یہ جسمانی بناوٹ بھی شخصیت کی پہچان کراتی ہیں۔ کیا یہ آپ کا اور ہمارا مشاہدہ نہیں کہ فربہ اور موٹے لوگ خوش باش اور ہنسنے والے ہوتے ہیں۔ یہ بڑی جلدی........ دوستی کا ہاتھ بڑھاتے ہیں۔ اس کے برعکس دبلے، پتلے لوگ عموماً خاموشی پسند اور سنجیدہ ہوتے ہیں۔ انہیں دوستی پیدا کرنے میں بڑا وقت لگتا ہے۔ ان دونوں کے درمیان والی قسم کے لوگ Adventurous اور Athletic ہوتے ہیں۔ جنہیں سیر و شکار اور زندگی سے دو دو ہاتھ کرنے میں بڑا لطف آتا ہے۔

ماحول کے اثر سے کون شخص انکار کر سکتا ہے۔ انسان کے پیدا ہوتے ہی ماحول اس کی تعمیر شروع کر دیتا ہے۔ بقول فرائڈ............ انسان کی شخصیت اس کے پہلے پانچ سال ہی میں مکمل ہو جاتی ہے، اور وہ ساری عمر اپنی اسی شخصیت کے تابع گزار دیتا ہے۔ ابتدائی عمر میں والدین کا اپنے بچوں کے ساتھ رویہ، ان کی جدائی یا موت ان کے ذہن پر انمٹ نقوش بنا دیتی ہے۔ پھر گھر کا ماحول، بھائی بہنوں پیار، یا ان کی نفرت ان کے ننھے سے ذہن میں وہ بیج بو دیتے ہیں جن کا پھل "شخصیت" شکل میں آگے چل کر ان کے سامنے آتا ہے۔ الغرض شخصیت ماحول کی پیداوار بھی ہے اور اپنے والدین کی عطا بھی۔ ماہرین کا خیال ہے کہ ماحول کا اثر اتنا گہرا ہوتا ہے کہ والدین کی عطا کردہ شخصیت کو بھی بدل سکتا ہے۔ اس لیے یہ انتہائی ضروری ہے کہ اپنی آئندہ نسلوں کے لیے خوشگوار ماحول پیدا کریں۔ ان کی پرورش اس طرح کریں کہ ان کی شخصیت میں ایک خوشگوار نکھار پیدا ہو اور وہ آگے چل کر اپنے اور اپنی قوم کیلیے ایک قیمتی اثاثہ ثابت ہوں۔

نفسیاتی بیماریاں

اگر آپ سے پوچھا جائے کہ تپ دق، ٹائیفائڈ یا انفلوئنزا کس وجہ سے ہوتا ہے تو آپ فوراً جواب دینگے کہ یہ بیماریاں جراثیم اور وائرس سے پیدا ہوتی ہیں۔ لیکن اگر آپ سے Schizophrenia شیزوفرینیا یا ڈپریشن کی وجہ پوچھی جائے تو آپ سوچ میں پڑ جائیں گے، اور اپنا سر کھجانے لگیں گے۔ اس لیے کہ ذہنی بیماریاں دوسری جسمانی بیماریوں کی طرح کسی وائرس یا جراثیم سے نہیں ہوتیں بلکہ ان کی پیدائش کے بے شمار اسباب ہیں۔ اکثر مریضوں کے رشتہ دار اپنے مریض کے بارے میں طرح طرح کی وجوہات بیان کرتے ہیں .... وہ کچھ اس طرح کی باتیں ڈاکٹرز کو بتاتے ہیں، مثلاً:۔

"اس کا بخار بگڑ گیا اور اس کا یرقان پیٹ میں اتر آیا، جب

کے بعد سے یہ بہکی بہکی باتیں کرنے لگا ہے۔

ماشاء اللہ ہمارا بیٹا بڑا ذہین تھا۔ ہر امتحان میں بڑی محنت اور لگن کے ساتھ پڑھائی کرتا تھا......... بالآخر کتابوں نے اس کا دماغ الٹ دیا۔

کسی ویران جگہ درخت کے نیچے پیشاب کر بیٹھا اور درخت پر آسیب کا بسیرا تھا بس وہیں سے اسے جن چمٹ گئے۔

ہمارے رشتہ دار بہت برے ہیں، جادو ٹونے اور تعویذ دھاگے سے باز نہیں آتے۔ ہمارے گھر سے ہر روز تعویذ نکلتے تھے، چوکھٹوں میں کیل ٹھونکے جاتے تھے۔ گھر کے صحن سے اکثر موم جامے ملتے تھے۔ ہمیں یقین ہے کہ اس پر جادو یا آسیب کا سایہ ہے۔

سسرال میں ہماری بیٹی کے ساتھ جانوروں جیسا سلوک ہوتا رہا اور یہ بے چاری چپ چاپ برداشت کرتی رہی، بالآخر اس کا دماغ پھٹ پڑا........ آخر کوئی کب تک برداشت کرے۔

جب سے اس کے شوہر کا انتقال ہوا بس اس کو چپ سی لگ گئی ہے۔ خلاء میں تکتی رہتی ہے، نہ اپنا ہوش ہے نہ اپنے بچوں کا۔"

یہ تو وجوہات ہیں جو لوگ اپنے تئیں خود تصور کر لیتے ہیں۔ آخر وہ کیا کریں انہیں اپنے پیارے کی بیماری تو سمجھ میں نہیں آتی .... کیونکہ ان کے پاس نفسیاتی بیماری کا علم تو ہوتا نہیں، لیکن ہم یہاں ان وجوہات کا سرسری سا ذکر کرتے ہیں .... جو فی الحقیقت ان بیماریوں کی وجوہات ہیں۔ اور ان میں سب پہلے نمبر پر تین چیزوں کا ذکر آتا ہے۔ نمبر ایک.....وراثت، نمبر دو.........ماحول، اور نمبر تین.........دماغ میں کیمیائی

مادوں کی کمی بیشی۔

وراثت :۔ یہ ایک عام مشاہدہ ہے کہ بچے اپنے والدین کی شکل وصورت اور قد کاٹھ لے کر پیدا ہوتے ہیں۔ یہی نہیں بچے اپنے والدین کی عادات بھی وراثت میں اپناتے ہیں اور اس کے علاوہ وہ بے شمار یاں بیماریاں بھی جنہیں ہم موروثی بیماریاں کہہ کر پکارتے ہیں، یہ سب والدین کے Genes کا کرشمہ ہے۔ دمہ Asthma، ہائی بلڈ پریشر، ذیابیطس، جوڑوں کا درد، الرجی، وغیرہ وہ چند جسمانی بیماریاں ہیں۔ جو خاندان در خاندان چلتی ہیں۔ اسی طرح شیزوفرینیا، ڈپریشن، نیوروسس اور دوسری بہت سی نفسیاتی بیماریاں بھی والدین اپنی اولاد میں منتقل کر دیتے ہیں۔ ماہرین کا کہنا ہے کہ ذہنی طور پر بیمار لوگوں کی اولاد دوسرے صحت مند لوگوں کی نسبت 20 فیصد زیادہ بیماریوں میں مبتلا ہوتی ہے۔ اسی نسبت سے ان کے دوسرے رشتہ دار بھی اس طرح کی بیماریوں میں مبتلا ہوتے ہیں۔

ماحول :۔ ماحول ذہنی بیماریوں کے پیدا کرنے اور قائم رکھنے میں بہت ہی اہم کردار ادا کرتا ہے۔ اس کی اہمیت کو سمجھنے کیلیے ہمیں.......... بچے کے بچپن کے ماحول سے لیکر اس کے سنِ بلوغت تک.......... ماحول کا مطالعہ کرنا ہوگا، جو مختصر الفاظ میں یہ ہے کہ بچہ پیدا ہوتے ہی اپنے ماحول کا اثر لینا شروع کر دیتا ہے۔ شروع شروع میں اسکا ننھا سا ذہن اگرچہ کسی چیز کو سمجھتا نہیں لیکن گھر کا شور شرابا، دوسرے بہن بھائیوں کا لڑائی جھگڑا، ماں باپ کی آئے روز کی تو تو میں میں...... یہ چیزیں تو انتہائی چھوٹے بچے کے ذہن پر بھی اثر انداز ہوتی ہیں۔ اس کے بعد وہ جوں جوں بڑا ہوتا چلا جاتا ہے....... گھر کا ماحول اپناتا چلا جاتا ہے۔ اس نے آنکھ کھولی تو وہی ماحول دیکھا چنانچہ اسے اس بات کا کوئی احساس نہیں ہوتا کہ اس کے گھر والے بھکاری ہیں یا دولت مند، وہ تو جو کچھ دیکھتا ہے اسے ہی کل کائنات تصور کرتا ہے۔ اور سمجھتا ہے کہ دنیا

بس اسی طرح کی ہوتی ہے۔

پھر یہ والدین کی تربیت پر منحصر ہے کہ وہ بچوں کو کس طرح کی تعلیم دیتے ہیں۔ اسے کس قسم کے سکول میں داخلہ دلواتے ہیں۔ اسے کس قسم کے دوست فراہم کرتے ہیں۔ اس کے بعد جب بچہ گھر سے باہر قدم رکھتا ہے تو وہاں اس کیلیے ایک نئی دنیا منتظر ہوتی ہے۔ اس کے دوست بنتے ہیں۔ جو خود مختلف گھرانوں سے مختلف ماحول لیکر آتے ہیں۔ تب بچے کو پہلی مرتبہ احساس ہوتا ہے کہ دنیا اس کے گھر کے علاوہ بھی ہے۔ وہ دوسروں کے ماحول اور عادات پر غور کرتا ہے اور جس بچے یا دوست کی عادات اسے پسند آتی ہیں وہ انہیں اپنانے کی کوشش کرتا ہے۔ بعض والدین اپنی جہالت کی وجہ اپنے بچوں کی تربیت بڑی سختی سے کرتے ہیں۔ وہ بچوں پر طرح طرح کی پابندیاں عائد کرتے ہیں۔ انہیں ہر کام پر ٹوکتے ہیں .... اور یوں نادانستگی میں ان کی شخصیت برباد کر بیٹھتے ہیں..... نتیـــــجۃً.... ان کے بچے احساسِ محرومی اور احساسِ کمتری میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

دماغ میں کیمیائی مادوں کی کمی بیشی :۔ جسمانی بیماریوں میں استعمال ہونے والی چند دوائیں دماغ پر اثر انداز ہو کر مختلف نفسیاتی بیماریاں پیدا کرتی ہیں۔ ان میں........

Indomethacin,Steroids,Cimetidine,Methyldopa اور Bet blockers قابلِ ذکر ہیں۔ اس کے علاوہ چرس، ہیروئن، شراب، افیون اور دوسری نشہ آور اشیاء کا استعمال بھی ذہنی بیماریوں کو جنم دیتا ہے۔

سائنسی تحقیق نے دماغ میں بے شمار کیمیائی مادوں کی موجودگی کا انکشاف کیا ہے۔ انہیں سائنس کی اصطلاح میں Neurotransmitters "نیوروٹرانسمیٹرز" کہتے ہیں۔ ان میں Dopamine,Serotonin,Noradrenaline اور Acetylcholine

قابل ذکر ہیں۔ ماہرین نفسیات نے ان نیوروٹرانسمٹرز کا تعلق نفسیاتی بیماریوں سے جوڑا ہے۔ Serotonin کی کمی ڈپریشن کو جنم دیتی ہے۔ شیزوفرینیا اور Mania میں ڈوپامین بڑھ جاتی ہے۔ گھبراہٹ (Anxiety) میں Noradrenaline کی زیادتی ہو جاتی ہے۔ بڑھاپے کی بھول جانے کی عادت یا نسیان.........جسے انگریزی میں Dementia کہتے ہیں، اس میں Acetylcholine بنانے والے سیل کم ہو جاتے ہیں۔

ان کیمیائی تبدیلیوں کی وجہ سے ذہنی بیماریاں پیدا ہوتی ہیں اور بعض مناسب ادویات کی مدد سے دور ہو جاتی ہیں.........لیکن اصل سوال یہ ہے کہ انسانی دماغ میں ان کیمیائی مادوں کی تبدیلی رونما ہی کیوں ہوتی ہے، اور اس سوال کا جواب ہم باب کے شروع میں دے چکے ہیں۔ اگر ہماری زندگی معتدل نہیں ہوگی اور ہم اپنی خواہشات کے غلام ہو نگے تو ہم کبھی بھی اپنے معدے میں ہونے والے شیطانی حملے سے محفوظ نہیں رہ سکتے۔ ہمیں اگر اپنی زندگی سے مکمل طور پر لطف اندوز ہونا ہے تو ہمیں ایک مرتبہ یہ تجربہ کرنا ہوگا کہ ہم خود کو سفال پرستی سے نکال اللہ کے راستے پر ڈال دیں۔ اپنی زندگی میں اعتدال لائیں تو شیطان یقیناً ہمارا راستہ نہ روک سکے گا اور ہم حقیقی خوشیوں سے ہمکنار ہو کر اس زندگی اور اگلے جہان کی زندگی، دونوں سے پوری طرح لطف اندوز ہو سکیں گے۔ لیکن اس کیلیے خود پر جبر کرنے کی ضرورت ہے۔ اگرچہ یہ جبر زیادہ مشکل تو نہیں ہوتا لیکن جبر کرنے کا عرصہ بعض اوقات اتنا طویل ہو سکتا ہے کہ "صبر" کا پیمانہ لبریز ہو جاتا ہے۔

نفسیاتی امراض کی پہچان اور علامات

اگر آپ کسی سے پوچھیں کہ پاگل کی پہچان کیا ہے؟ تو آپ کو جواب ملے گا کہ وہ شخص جو سڑک پر ننگ دھڑنگ پھرتا ہو یا اپنے میلے کچیلے بدن پر پھٹے پرانے کپڑے تہہ در تہہ پہنے ہوئے ہو اور جو بھری سڑک پر گالی گلوچ دیتا اور لوگوں پر پتھر برساتا ہو.........وہ پاگل ہے۔ جی ہاں

آپ کا اندازہ صحیح ہے لیکن ایسے پاگل آپ نے کتنے دیکھے ہیں، آٹے میں نمک کے برابر۔ حقیقت یہ ہے کہ زیادہ تر نفسیاتی یا ذہنی مریض وہ ہیں جو ہم اور آپ جیسے ہی سیدھے سادھے، خوش وضع، خوش گفتار اور معمول کے مطابق نظر آتے ہیں۔ ایک نظر یا ایک ملاقات میں کبھی بھی آپ ان پر نفسیاتی مریض ہونے کا شک نہیں کر سکتے۔ مگر انہیں لوگوں کے ساتھ اگر آپ کچھ دن گزار لیں تو آپ کو ان کی گفتگو بے ربط لگے گی، ان کے مزاج میں سمندر کی طرح مدوجزر نظر آئے گا، ان کی سمجھ بوجھ پر شک گزرے گا، ان کی عقل پر حیرت ہوگی، ان کے خوبصورت لباس کی بے ہنگمی پر ہنسی آئے گی اور ان کی شک وشبہ والی طبیعت پر غصہ آئے گا۔ آپ ان سے دور رہنا چاہیں گے، ان سے پیچھا چھڑانا چاہیں گے۔ اگر یہ آپ کے عزیز ہیں تو آپ کو ان کی رشتہ داری پر شرمساری ہوگی۔ ان نفسیاتی مریضوں کو پہچانیے اور ان کا فور مناسب علاج کرائیے۔ اس لیے کہ بروقت علاج ان کو اس منزل تک پہنچنے سے روک دے گا۔ جس کا ذکر آپ نے اوپر کی سطور میں پڑھا ہے۔

نفسیاتی بیماریوں کی چند علامات کا ذکر آپ کو نفسیاتی بیماری کی پہچان میں مدد دے گا۔

نیند: ۔ نفسیاتی امراض میں نیند سب سے زیادہ متاثر ہوتی ہے۔ اکثر مریضوں کو نیند ہی نہیں آتی۔

یہ پڑے پڑے بستر پر کروٹیں بدلتے رہتے ہیں۔ کہیں جا کر رات کے دو تین بجے آنکھ لگتی ہے۔ کچھ جلدی ہی سو جاتے ہیں، مگر صبح چار پانچ بجے ہی آنکھ کھل جاتی ہے۔ اور پھر ساری صبح بیزاری میں کٹتی ہے۔ کچھ کو اس کے برعکس نیند کا اتنا غلبہ رہتا ہے کہ رات دن سوتے ہی رہتے ہیں۔

بھوک:۔ اچھے خاصے خوش خوراک لوگوں میں جونہی نفسیاتی عارضہ شروع ہوتا ہے، ان کی بھوک اڑ جاتی ہے یا بھوک لگتی ہی نہیں۔ یا پھر سوچ اور فکر میں ایسے پریشان رہتے ہیں کہ خوراک کی طرف توجہ ہی نہیں دیتے۔ کچھ لوگ شک کی بناء پر گھر کا کھانا بھی نہیں کھاتے .... سمجھتے ہیں کہ اس میں زہر ملا ہوا ہے۔

تھکن، کمزوری، تیزی:۔ تھکن اور کمزوری مختلف جسمانی عارضوں کی عام علامت ہیں ...... لیکن نفسیاتی مریض بغیر کسی وجہ کے اپنے آپ کو بہت کمزور محسوس کرتا ہے۔ ذرا سا کام کرتے ہیں اور تھک جاتے ہیں، اسی تھکن کی وجہ سے ابھی کا کام بعد میں اور آج کا کام کل پر ٹالتے رہتے ہیں۔ انہیں اتنی تھکن اور کمزوری محسوس ہوتی ہے کہ صبح بستر سے بھی نہیں اٹھا جاتا اس لیے دیر تک بستر پر لیٹے رہتے ہیں۔ جسمانی کمزوری کے علاوہ جنسی کمزوری کا بھی بار بار ذکر کرتے ہیں۔ اس کے برعکس کچھ بیماریاں ایسی ہیں جس میں مریض بے انتہا پھرتیلا اور چاق و چوبند ہو جاتا ہے۔ مسلسل کام کرتا ہے اور ذرا نہیں تھکتا، مہینہ بھر کی لانڈری ایسی خواتین ایک دن میں دھو ڈالتی ہیں۔ بڑے بڑے پردے اور کارپٹ جھٹ پٹ دھل جاتے ہیں۔ بار بار اور بلا وجہ گھر کی ہر چیز صاف کی جاتی ہے۔ جنسی خواہش اتنی بھڑک اٹھتی ہے کہ دل نہیں بھرتا۔

مزاج:۔ نفسیاتی بیماریوں میں مزاج کی بڑی اہمیت ہے۔ مزاج کا اتار چڑھاؤ آدمی کو ہلا کر رکھ دیتا ہے۔ ایسے مریضوں پر جو ہر وقت ڈپریشن کا شکار ہیں، اداسی اور غمگینی چھائی رہتی ہے۔ طبیعت اتنی اچاٹ ہوتی ہے کہ کسی کام میں دل نہیں لگتا، بچوں میں دل نہیں لگتا، بیوی میں دل نہیں لگتا، وہ دوست جن کے ساتھ بیٹھ کر وہ گھنٹوں گپیں مارتے تھے اب برے لگتے ہیں۔ نہ

شادی بیوہ کی تقریب انہیں خوش کرتی ہے اور نہ برسوں کی کمائی ہوئی دولت اور اس کے عیش و آرام۔ ذرا ذرا سی بات پر رونا آتا ہے، گزرے ہوئے زمانے کی چھوٹی موٹی غلطیوں کا شدت سے احساس ہوتا ہے۔ لوگوں کے ساتھ کیے گئے رویے پر ندامت ہوتی ہے۔ شرمسار رہتے ہیں کہ کسی کے کام نہ آ سکے، مستقبل سے مایوس رہتے ہیں، اکثر خودکشی کا سوچتے ہیں۔ اس کے برخلاف مزاج کی دوسری کیفیت میں مریض بے حد خوش ہوتے ہیں، خود ہنستے ہیں اور دوسروں کو ہنساتے ہیں، بھڑکیلے کپڑے پہنتے ہیں، خوب میکپ کرتے ہیں، گھر کا سارا زیور بدن پر سجا لیتے ہیں، خوب پیسہ خرچ کرتے ہیں، پارٹیوں میں جاتے ہیں، مستقبل کیلیے اونچے اونچے منصوبے بناتے ہیں، لاکھوں اور کروڑوں روپے سے کم بات نہیں کرتے۔ کچھ ایسے بھی ہیں جن کے مزاج میں نہ شوخی ہے نہ مایوسی، یہ برف کی طرح ٹھنڈے ہوتے ہیں، انہیں نہ خوشی کا احساس ہوتا ہے اور نہ غم کا، بلکہ اکثر غم کے موقع پر خوب زور زور سے ہنستے ہیں اور خوشی کے موقع پر زار و قطار روتے ہیں۔

ڈپریشن

یہ ایک عام مشاہدہ ہے کہ جب کسی پر کچھ افتاد آتی ہے یا کوئی کسی طویل اور تھکا دینے والی بیماری میں مبتلا ہوتا ہے تو وہ اداس، غمگین اور پژمردہ ہو جاتا ہے۔ اور جیسے ہی یہ بلائیں ختم ہوتی ہیں۔ وہ واپس پہلے کی طرح خوش باش ہو جاتا ہے۔ لیکن بعض اوقات انسان پر بغیر کسی خاص وجہ کے اداسی اور غمگینی چھا جاتی ہے۔ جو ہفتوں، مہینوں بلکہ سالوں تک اس پر مسلط رہتی ہے۔ ماہرین نے مزاج کی اس کیفیت کو ایک بیماری جانا ہے اور اسے Endogenous depression یا محض ڈپریشن کا نام دیا ہے۔

نفسیات بیماریوں میں پائی جانے والی سب سے زیادہ بیماری یہی ڈپریشن ہے۔ ماہرین نفسیات نے اسے ذہنی بیماریوں کی Common cold کہا ہے۔ یہ بیماری ہر عمر میں پائی

جاتی ہے۔ یہاں تک کہ چھوٹے بچے بھی اس سے محفوظ نہیں۔ عورتوں میں یہ مردوں کی بہ نسبت تین گنا زیادہ پائی جاتی ہے۔ خاص طور پر تو چالیس سال کے بعد اکثر عورتیں اس بیماری کا شکار ہو جاتی ہیں۔

علامتیں:۔ ڈپریشن میں جسم کا سارا نظام سست ہو جاتا ہے۔ مریض اپنے آپ کو بے انتہا کمزور محسوس کرتا ہے۔ ذرا سا کام کیا اور تھکن محسوس ہو جاتی ہے۔ اکثر خواتین گھر کا کاج ادھورا چھوڑ کر بستر پر دراز ہو جاتی ہیں، طبیعت ہی کسی چیز میں نہیں لگتی۔ نہ گھر اچھا لگتا ہے، نہ شوہر، نہ بچوں میں دلچسپی رہتی ہے۔ جی چاہتا چپ چاپ پڑے رہیں اور کوئی نہ چھیڑے۔ وہ لوگ جو گھنٹوں اپنے دوستوں کے ساتھ بیٹھ کر قہقہے لگاتے تھے اب انہیں ان دوستوں کی رفاقت بور کر دیتی ہے، نہ شادی بیاہ کی تقریبات ان کے دل کو بہلا سکتی ہیں نہ دولت کی فراوانی انہیں خوش کرتی ہے۔ کھانے سے بھی رغبت نہیں رہتی۔ بھوک ہی نہیں لگتی، لگتا ہے منہ کا ذائقہ ہی بدل گیا ہو، وزن روز بروز گھٹتا جاتا ہے۔ جسمانی کمزوری کے ساتھ جنسی کمزوری بھی دل کو پریشان کرتی ہے۔ عورتوں میں ماہواری بھی بند ہو جاتی۔ نیند تو پڑے پڑے آ ہی جاتی ہے مگر صبح منہ اندھیرے ہی آنکھ کھل جاتی ہے اور بستر پھر بستر پر کروٹیں بدلتے بدلتے سورج نکل آتا ہے۔ کمزوری اتنی لگتی ہے کہ بستر سے باہر نکلنے کو دل ہی نہیں مانتا، صبح ہی سے طبیعت گراں اور مضمحل لگتی ہے، طرح طرح کے وسوسے، اندیشے اور سوچیں ذہن میں آنے لگتی ہیں۔ لگتا ہے زندگی بیکار ہے وقت یونہی گذر گیا کسی کے لیے کچھ بھی نہ کر سکے۔ نہ والدین کی کوئی خدمت کی، نہ بھائی بہنوں سے رشتے کا حق ادا کیا، بچوں کی فکر ستاتی ہے..... کہ ان کا کیا بنے گا۔ بیوی پر ترس آتا ہے کہ وہ اکیلی کس طرح گھر چلائے گی۔ روزگار کا کیا ہوگا، اسی قسم کے مایوسی اور اذیت بھرے خیالات سے دل بجھ جاتا ہے اور زندگی بوجھ لگتی ہے۔ جی چاہتا ہے کہ مر جائیں تو اس عذاب سے جان چھوٹے، بار بار خودکشی کا خیال ذہن میں آتا ہے۔ کبھی کوئی زہریلی دوا کھا کر ہمیشہ کے لیے سو جانے کا سوچتے ہیں اور اسی وحشت کے عالم میں ایک روز ان کے عزیز و اقارب انہیں چھت پر لگے پنکھے سے لٹکتا ہوا دیکھ کر دم بخود رہ جاتے ہیں۔

ڈپریشن کی علامات:۔ ڈپریشن کی پہچان کچھ زیادہ مشکل نہیں۔ آپ اپنے آپ سے چند بنیادی سوالات دریافت کیجیے، اگر ان میں سے نصف کے جوابات یا اس سے زیادہ کے جوابات اثبات میں ہیں تو آپ ڈپریشن کے مریض ہیں۔

(۱) کیا آپ کی طبیعت پچھلے دو ہفتوں یا اس سے زیادہ دنوں سے اداس اور غمگین ہے؟
(۲) کیا آپ اپنے آپ کو بے حد کمزور محسوس کرتے ہیں؟
(۳) کیا آپ کا دل اب کسی چیز میں نہیں لگ رہا؟
(۴) کیا آپ کی آنکھ صبح سویرے ہی کھل جاتی ہے اور پھر دن بھر طبیعت بوجھل رہتی ہے؟
(۵) کیا آپ کی بھوک ختم ہو گئی ہے؟
(۶) کیا آپ کا وزن پہلے سے کم ہو گیا ہے؟
(۷) کیا آپ کو اپنا ماضی حال اور مستقبل تاریک نظر آتا ہے؟

ڈپریشن کا علاج:۔ نفسیاتی بیماریوں میں صرف ڈپریشن ہی ایک ایسی بیماری ہے جس کا علاج خاصی اچھی یقین دہانی اور یقینی ضمانت کے ساتھ کیا جا سکتا ہے۔ ان دنوں بازاروں میں مختلف قسم کی ادویات دستیاب ہیں۔ جو اس مرض کے لئے بہت مفید اور کارگر ثابت ہوئی ہیں۔ یہ مختلف دوائیں مختلف انداز سے ڈپریشن کو دور کرتی ہیں۔ یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ ایک ہی دوا مختلف قسم کے مریضوں پر یکساں کارگر نہیں ہوتی۔ اس مشاہدے نے ماہرین کو سوچنے پر مجبور کر دیا ہے کہ ڈپریشن کی مختلف قسمیں ہیں اور یہی وجہ ہے کہ اکثر اوقات ماہرین کو مریض پر مختلف دوائیں آزمانہ پڑتی ہیں، تب جا کر کوئی ایک دوا ان پر راس آتی

ہیں۔ اس مرض کی جتنی بھی دوائیں اس وقت بازار میں دستیاب ہیں وہ فوراً اپنا اثر نہیں دکھاتیں۔ انہیں اپنا اثر دکھاتے دکھاتے ایک سے تین ہفتے لگ جاتے ہیں۔ اکثر دواؤں کے کچھ ناپسندیدہ اثرات بھی ہوتے ہیں۔ یہ دوائیں غنودگی کرتی ہیں اور ان سے منہ خشک ہو جاتا ہے۔ بینائی میں بھی خلل واقع ہوتا ہے اور پیشاب رک رک کر آتا ہے۔ اکثر اوقات ان کے ہاتھ میں رعشہ بھی آتا ہے۔ دل دھڑکتا ہے اور بلڈ پریشر کم ہو جانے کی وجہ سے چکر بھی آتے ہیں۔ یہ ناپسندیدہ اثرات صرف چند دن تک رہتے ہیں۔ ان سے گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ یہ کچھ دنوں کے بعد ہی کم ہوتے ہوتے ختم ہو جاتے ہیں۔ ڈیپریشن کا مرض معیاد لے کر آتا ہے۔ جو عموماً چھ ماہ ہے، کبھی سال یا اس سے بھی زیادہ تک یہ مرض چمٹا رہتا ہے۔ اس لئے ماہرین مریض کو چھ مہینے یا اس سے زیادہ تک دوا کے استعمال کا مشورہ دیتے ہیں۔ اکثر لوگ اتنی طویل میعاد تک دوا کھانے سے گھبراتے ہیں اور جونہی مرض ٹھیک ہونے لگتا ہے دوا لینا بند کر دیتے ہیں۔ اس سے مرض دوبارہ ابھرتا ہے اور ٹھیک ہونے میں زیادہ وقت لیتا ہے۔ بیشتر یہ سوچ کر بھی دوا لینا ترک کر دیتے ہیں کہ وہ اس دوا کے عادی ہی نہ ہو جائیں۔ ان لوگوں کو سوچ لینا چاہیے کہ یہ ہیروئین کی طرح عادی کر دینے والی دوائیں نہیں۔ اور نہ ہی یہ Diazepam کی طرح نیند آور ادویات ہیں۔ لیکن یہ ضرور ہے کہ ان دواؤں کو اچانک بند نہیں کیا جا سکتا۔ آہستہ آہستہ ہی چھوڑنا پڑتی ہیں۔ اس لئے یہ ضروری ہے کہ مریض دوران علاج اپنے ڈاکٹر کے ساتھ پورا پورا رابطہ رکھے۔ اور صرف ڈاکٹر کی ہدایات کے مطابق عمل کرتا رہے۔

آخر میں قارئین سے گزارش ہے کہ وہ اپنے مرض اور دواؤں کا تذکرہ اپنے ملنے جلنے والے اور خیر خواہوں سے نہ کریں۔ اس لئے کہ اس معاشرے میں ہر شخص مریض کو اپنی رائے سے مستفید کرنا اپنا حق سمجھتا ہے۔ اور خیر خواہی کے ناطے اپنے غلط مشوروں اور جاہلانہ نصیحتوں سے مریضوں کے لئے نئی نئی مشکلات پیدا کرتا ہے۔

مینیا

بیماری کیسی بھی ہو انسان کو بیزار کر دیتی ہے۔ اسے قنوطی بنا دیتی ہے۔ کمزور کر دیتی ہے۔ اس کے ذہن پر اداسی اور پژمردگی چھا جاتی ہے۔ وہ بیماری سے جلد از جلد نجات چاہتا ہے۔ مگر آج ہم آپ کو ایک ایسی بیماری سے روشناس کرواتے ہیں۔ جس میں انسان بے حد خوش ہوتا ہے۔ خود بھی ہنستا ہے اور دوسروں کو بھی ہنساتا ہے۔ اس بیماری کا نام مینیا (Mania) ہے۔

ڈیپریشن اور مینیا مزاج کی دو مختلف صورتیں ہیں۔ ایک میں انسان بہت اداس اور غمگین ہوتا ہے اور دوسری میں انسان بہت خوش ہوتا ہے اور چہکتا ہے۔ جب مزاج بگڑتا ہے تو انسان یا تو ساری زندگی ڈیپریشن میں گزار دیتا ہے یا کبھی کبھی ڈیپریشن سے نکل کر مینیا میں چلا جاتا ہے۔ مزاج کے اس اتار چڑھاؤ کو ماہرین نفسیات نے Manic Depressive Psychosis کا نام دیا ہے۔

نفسیاتی بیماریوں کی ابتداً کا کوئی خاص وقت نہیں۔ یہ کسی بھی عمر میں شروع ہو سکتی ہیں۔ چنانچہ مینیا کا بھی یہی حال ہے۔ یہ بیماری دوروں کی شکل میں آتی ہے۔ کبھی پہلا حملہ سن بلوغت میں ہی شروع ہو جاتا ہے۔ تو کبھی اس بیماری کی ابتداء ۳۵-۴۰ سال کی عمر میں ہوتی ہے۔ کسی کو ٹھیک ہونے میں دو سے تین ہفتے لگ جاتے ہیں تو کوئی مسلسل تین مہینے یا اس سے بھی زیادہ لگا دیتے ہیں۔ کسی کو ایک دورے کے بعد کچھ ہی مہینوں میں دوسرا دورہ شروع ہوتا ہے تو کسی کو سالوں بعد دوسرا حملہ ہوتا ہے۔ بعض کو باری باری ڈیپریشن اور مینیا (Mania) کے دورے پڑتے رہتے ہیں۔

اس مرض کی پہچان ذرا مشکل نہیں۔ مریض میں اچانک تیزی آ جاتی ہے۔ وہ اپنے

آپ کو تیز، پھرتیلا اور جاندار محسوس کرتا ہے۔ ہفتے بھر کا کام دن بھر میں کر ڈالتا ہے۔ اور ذرا نہیں تھکتا۔ بہت زیادہ بولتا ہے۔ اس قدر بولتا ہے کہ لوگ اس سے تنگ آ جاتے ہیں۔ مطلق نہیں سوتا۔ اگر تھوڑی دیر سو جائے تو صبح صبح اٹھ جاتا ہے۔ جا جا کر گھر والوں کو جگاتا ہے۔ اور اگر کوئی اٹھتا نہیں تو اس قدر تیز آواز سے ریڈیو، ٹی وی یا کیسٹ لگاتا ہے کہ بھی کو اٹھتے بن پڑتی ہے۔ اگر مذہبی رجحان ہے تو بے تحاشہ نماز پڑھتا ہے۔ اور دوسروں کو بھی نماز کی تلقین کرتا ہے۔ آیتیں پڑھ پڑھ کر اپنوں اور دوسروں پر پھونکتا ہے۔ اپنے آپ کو بہت بڑا بندہ سمجھتا ہے، کہتا ہے کہ خدا نے اس کو بہت سی خوبیاں اور غیر مرئی قوت عطا کر دی ہے۔ جس کو چاہے مالا مال کر دے اور جس کو چاہے بھسم کر دے۔ خوب بنتا اور سنورتا ہے۔ خواتین بھڑکدار کپڑے پہنتی ہیں۔ گہری لپ اسٹک لگاتی ہیں۔ اپنا سارا ہی زیور بدن پر سجا دیتی ہیں۔ طرح طرح سے لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرتی ہیں۔ یہ لوگ دریا دل اور فضول خرچ ہوتے ہیں۔ مہینہ بھر کی کمائی کچھ ہی دنوں میں اڑا دیتے ہیں۔ بازار جاتے ہیں تو درجن بھر قمیصیں، ساڑھیاں اور الا بلا خرید لاتے ہیں۔ کوئی فقیر نظر آ جائے تو دل کھول کر خیرات دے ڈالتے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ یتیم خانوں اور مسجدوں میں جا کر بھرپور چندہ دے ڈالتے ہیں۔ جیب میں پھوٹی کوڑی نہیں ہوتی اور لاکھوں کروڑوں کی باتیں کرتے ہیں۔ اونچے اونچے منصوبے بناتے ہیں، اور بڑی فیاضی سے وہ آپ کو بھی اس میں شامل کرنا چاہتے ہیں اس لیے کہ لوگوں کی مدد کے لیے ہر وقت تیار ہیں، آپ کو یقین دلائیں گے کہ ان کے بڑے بڑے لوگوں سے مراسم اور تعلقات ہیں، کسی کو نوکری دلانے کا وعدہ کرتے ہیں تو کسی کو فیکٹری الاٹ کراتے پھرتے ہیں، کسی کو اسلحہ کا لائسنس جاری کروا سکتے ہیں تو کسی کو پلاٹ دلوا سکتے ہیں۔ اکثر سیدھے سادھے لوگ ان کی باتوں میں پھنس کر خوار ہو جاتے ہیں لیکن یہ پھر بھی بڑے خوشگوار موڈ میں دکھائی دیتے ہیں۔ خوب مسکراتے ہیں اور لوگوں کو اپنی اونچی اور خوشگوار باتوں سے ہنساتے ہیں۔ اگر

ان کی خوشی میں کسی نے مداخلت کی یا ان کی باتوں کا کسی نے مذاق اڑایا تو اچانک برہم ہو جاتے ہیں۔ ان کے مزاج میں غصہ، تیزی اور ناراضگی پیدا ہو جاتی ہے اور حقارت سے اٹھ کر چلے جاتے ہیں۔

Mania کے مریض اپنے خاندان کے لیے بڑی ہی مصیبت کا باعث ہوتے ہیں ان کی اوپر تلے ہوئی حرکتوں سے سب ہی تنگ ہوتے ہیں۔ یہ کسی کی سنتے ہی نہیں۔ اپنے آپ کو بیمار ماننے کے ہرگز تیار نہیں ہوتے۔ ایسے مریضوں کا علاج گھر پر ممکن نہیں۔ ان کو فوری طور پر کسی نفسیاتی ہسپتال میں داخل کرانا چاہیے۔ مناسب دواؤں، انجکشنوں اور کبھی کبھار برقی جھٹکوں (E.C.T) سے ان کی تیزی اور الٹی سیدھی حرکات کو جلد قابو میں کر لیا جاتا ہے۔ ہسپتال سے رخصت کے بعد کئی دنوں تک ان کا علاج ضروری ہے۔ علاج کے دوران اور اس کے فوراً بعد اکثر مریض مزاج کی دوسری کیفیت یعنی ڈپریشن میں چلے جاتے ہیں۔ مزاج کے اس اتار چڑھاؤ کو قابو میں کرنے کیلیے ماہرین انہیں عموماً Lithium کی گولیاں تجویز کرتے ہیں۔ جسے کافی لمبے عرصے تک استعمال کرنا پڑتا ہے۔

Mania کی حرکات کو ان پڑھ اور نادان لوگ جادو اور بدروح کا عمل سمجھ کر پیروں اور مزاروں کے چکر میں پڑ جاتے ہیں۔ اس طرح قیمتی وقت برباد ہو جاتا ہے۔ اور مرض طول پکڑ لیتا ہے۔

شیزوفرینیا

کیا کبھی آپ نے سڑک پر چلتے ہوئے کسی ایسے آدمی کو دیکھا ہے جس نے کڑکتی دھوپ میں اپنے میلے کچیلے جسم پر بغیر قمیص کے، اوپر تلے تین چار بوسیدہ کوٹ پہنے ہوں، گلے میں چار پانچ مالائیں ڈالی ہوئی ہوں، اس کی پھٹی پرانی پتلون یا پاجامے کے پائنچے ایک

دوسرے کا منہ چڑا رہے ہوں اور وہ خود لوگوں سے بے نیاز مسکراتا، گردن ہلاتا اور تیز تیز ڈگ بھرتا ہوا اپنی بے مقصد منزل کی طرف رواں دواں ہو؟......... یا پھر کبھی آپ کی نظر سڑک کے کنارے بکھرے ہوئے کچرے کے اس ڈھیر پر پڑی ہے جس پر بیٹھا ہوا، خود کچرے کی مانند ایک شخص بڑے انہماک اور جستجو سے گلے سڑے کاغذ اور ردی چیزیں چن چن کر اپنی جیب یا گلے میں لٹکے ہوئے مخدوش تھیلے میں بھر رہا ہو۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں عرفِ عام میں آپ اور ہم، پاگل کہتے ہیں۔ ان کی طرف حقارت بھی نظر ڈالتے ہوئے ان سے بچتے ہوئے ہم سڑک کے دوسری طرف نکل جاتے ہیں۔ کیا آپ نے کچھ دیر کے لیے یہ بھی سوچا ہے کہ یہ لوگ بھی کبھی ہماری اور آپ کی طرح ذہین اور سمجھدار تھے، اور معاشرے کے قابلِ احترام شہری تھے۔ جنہیں بدقسمتی سے اوائل عمری میں ہی ایسے ذہنی مرض نے دبوچ لیا تھا جسے ان کے عزیز و اقارب نہ سمجھ سکے۔ انہیں آسیب زدہ سمجھ کر ان پر مختلف ٹوٹے ٹوٹکے آزمائے گئے اور ان کے مناسب علاج کے قیمتی وقت کو برباد کر دیا گیا۔ اب جبکہ وہ نا قابل علاج ہو گئے ہیں تو اپنی نیک نامی اور عزت بچانے کی خاطر ان سے لاتعلق ہو کر انہیں سڑکوں پر باقی زندگی گزارنے کے لیے چھوڑ دیا گیا۔

یہ جس ذہنی بیماری کا ذکر ہے اسے شیزوفرینیا کہتے ہیں۔ یہ اس قدر مختلف علامات میں نمودار ہوتی ہوئی آگے بڑھتی ہے کہ ماہرین اس الجھن میں ہیں کہ کیا یہ ایک ہی بیماری ہے یا بہت سی بیماریوں کا ایک الجھا ہوا مجموعہ۔

اپنی عام شکل میں یہ بیماری نوجوانی کی عمر سے شروع ہوتی ہے ایک اچھا خاصا ذہین طالب علم جو میٹرک تک تو اچھے نمبروں سے پاس ہوتا رہا ہے اب کالج میں آ کر اس کا ذہن اچانک پڑھائی سے اچاٹ ہو گیا ہے، نصاب کی کتابوں کی بجائے وہ ایسٹرونومی، فلاسفی اور قدرت کے پیچیدہ اسرار پر بے ربط گفتگو کرنے لگا ہے۔ اس کی باتیں کسی کی سمجھ میں نہیں

آتیں۔ اس کے ہم جماعت اس سے کتراتے ہیں، اور وہ بھی انہیں اپنے سے کم تر سمجھ کر ان سے دور رہنے لگا ہے۔ اسی طرح گھر میں بھی وہ سب سے الگ تھلگ اور چپ چاپ ہو گیا ہے۔ اپنے کمرے میں بظاہر کتابیں پھیلائے ہوئے ہے مگر اس کی فلسفیانہ سوچ کہیں اور لگی ہوئی ہے۔ نہ اسے کھانے کی فکر ہے اور نہ تن کی صفائی کی۔ والدین پہلے تو یہ سمجھتے ہیں کہ ان کا ہونہار بڑی تیزی کے ساتھ پڑھائی میں منہمک ہے۔ اس لیے بے فکر سے رہتے ہیں مگر جب وہ اسے اکثر خلاؤں میں گھورتا ہوا پاتے ہیں۔ اور یہ دیکھتے ہیں کہ وہ اب خود ہی خود اپنے آپ سے باتیں کرنے لگا ہے اور بلا جواز مسکراتا رہتا ہے تو ان کی فکر پریشانی میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ مرض کی یہ علامات اس لیے ہو رہی ہیں کہ اسے مختلف جگہوں سے آوازیں آنے لگی ہیں، یہ آوازیں اسے خبردار کرتی رہتی ہیں......... یہ بڑا عجب اور روحانی سا مسئلہ ہے۔ ہم نے دماغ کی ساخت بیان کرتے ہوئے کہا تھا کہ دماغ کے سمعی حصے میں خرابی ہو جائے تو عجیب عجیب آوازیں سنائی دینے لگتی ہیں......... یہ آوازیں بھی اسی خرابی کا نتیجہ ہو سکتی ہیں۔ شیزوفرینیا کے مریض کو سنائی دینے والی آوازیں مختلف ہو سکتی ہیں۔ مثلاً اسے ایسی کمنٹری سنائی دے سکتی ہے جو اس کی اپنی حرکات و سکنات پر کی جا رہی ہو۔ اور کبھی دو آوازیں اس کے بارے میں آپس میں گفتگو کر رہی ہوں وہ ڈر اور خوف محسوس کرتا ہے۔ اسے لگتا ہے کہ لوگ اس کے دشمن ہیں اور اس کو نقصان پہنچا رہے ہیں۔ کبھی اسے لگتا ہے کہ اس کے کھانے میں زہر یا گندگی ملا دی گئی ہے۔ وہ اپنے آپ کو لوگوں کی سازش کا شکار محسوس کرتا ہے وہ جو اس کے بہت قریب ہے یعنی والدین بھائی بہن وغیرہ وہ اس سازش میں زیادہ شریک ہیں۔ وہ ان سے غصہ اور نفرت کا اظہار کرتا ہے۔ اسے بڑی شدت سے احساس ہوتا ہے کہ وہ جہاں بھی جاتا ہے، لوگ اس کی طرف دیکھ رہے ہوتے ہیں اور اس کے بارے میں ہی باتیں ہو رہی ہیں۔ لوگوں کے آپس کے اشارے اور حرکات میں اسے اپنے لیے کوئی خاص پیغام یا خبر ملتی ہے......... ایسے ہی ایک

مریض کو ریسٹورینٹ میں پاس بیٹھے ہوئے ایک شخص کے چائے پینے کے انداز سے یہ پیغام ملا کہ CIA والے اسے اپنی Organization میں ایک بڑا عہدہ پیش کرنا چاہتے ہیں اور اس سے ایک اہم کام کروانے والے ہیں۔ گھر تک واپس جاتے ہوئے وہ ہر ٹیکسی اور کار کو مشتبہ نظر سے گھورتا رہا اور کہتا رہا کہ "سی، آئی، اے" کے ایجنٹ اس کا پیچھا کر رہے ہیں۔ اس قسم کے پیغامات اسے ٹی، وی اور ریڈیو پروگراموں سے بھی ملتے ہیں۔ اس کے خیال میں یہ پروگرام خاص طور پر اسے پہنچانے کے لئے ہی نشر کئے جا رہے ہیں۔

جوں جوں مرض بڑھتا جاتا ہے اس میں نئی نئی تبدیلیاں ہونے لگتی ہیں، اس کی باتوں کا تسلسل ختم ہونے لگتا ہے۔ ہر بات وہ اس طرح گھما پھرا کر کرتا ہے کہ اصل بات کا پتہ ہی نہیں چلتا۔ یہاں تک کہ اس کی گفتگو بے ربط ہو جاتی ہے، ایک جملہ دوسرے جملے سے بالکل مختلف ہوتا ہے ایک مریض سے پوچھا گیا کہ "تم کہاں رہتے ہو" تو اس نے جواب کچھ اس طرح دیا: "رہنے کا کیا فائدہ...... شمال میں ہوتا ہوں اور اندھیرے میں، اجالا اس سے کہیں بہتر ہوتا ہے۔ آپ کو پتہ ہوتا کہ مئی کا مہینہ کتنا خراب ہوتا ہے۔ اس سے بہتر ہوتا کہ میں ہوتا ہی نہیں۔ یہ سب "ازن پچھو" ہے......" یہ آخری لفظ اس کی اپنی ایجاد تھا۔

یہ لوگ طرح طرح کے اپنے بنائے ہوئے الفاظ گفتگو میں استعمال کرتے ہیں۔ بولتے بولتے کبھی یہ اچانک چپ بھی ہو جاتے ہیں۔ کہتے ہیں کسی نے ان کے دماغ کے سارے خیالات نکال لیے ہیں اور ان کا دماغ خالی ہو گیا ہے۔ کبھی باتیں کرتے ہوئے الجھ جاتے ہیں انہیں یوں لگتا ہے جیسے کسی اور کے خیالات ان کے دماغ میں ڈال دیے گئے ہیں۔ انہیں یہ بھی گمان ہے کہ بغیر بتائے ہوئے دوسرے لوگ ان کے خیالات جان لیتے ہیں۔ گفتگو کے علاوہ ان کے احساسات بھی بدل جاتے ہیں، نہ خوشی کی خبر انہیں خوش کرتی ہے اور نہ غم کی خبر سے ان کا دل دکھتا ہے۔ اس کے برعکس وہ اکثر اوقات خوشی کے موقع پر رونے لگتے ہیں اور اپنے کسی بہت ہی

قریبی عزیز کی موت پر قہقہے لگاتے ہیں۔ جوں جوں وقت گزرتا جاتا ہے وہ اپنے آپ کو بے حس محسوس کرتے ہیں۔ انہیں ایسا لگتا ہے جیسے وہ خود اپنی مرضی سے کچھ بھی نہیں کر سکتے کوئی اور ہے جس نے انہیں کسی ریڈیائی لہر، ٹیلی پیتھی یا کسی اور مقناطیسی قوت سے کنٹرول کیا ہوا ہے۔ ان کا اٹھنا، بیٹھنا، کھانا پینا، اب سب کسی اور کے اختیار میں ہے۔ وہ گھنٹوں تک ایک ہی حالت میں ایک ہی جگہ بغیر ہلے جلے کھڑے، بیٹھے یا لیٹے رہتے ہیں۔ آپ ان کے بازو، ہاتھ یا سر کو جس طرح چاہیں موڑ لیں، ان میں ذرا برابر فرق نہ آئے گا۔

انہیں لوگوں میں پھر یک بہ یک اس بلا کی تیزی جنون اور طاقت آ جاتی ہے کہ سامنے آئی ہوئی کوئی بھی شئے ان کے عتاب سے نہیں بچ سکتی۔ وہ اچھے خاصے آدمی کو بھی ایسے اٹھا کر پٹخ دیتے ہیں، جیسے کوئی مشینی روبوٹ بے قابو ہو گیا ہو۔ کچھ مریض بغیر جنون کے بھی عجیب و غریب حرکتیں شروع کر دیتے ہیں۔ آنے جانے والے کو ایک خاص انداز سے سلام کرنا، بے مقصد گردن ہلاتے رہنا، پاؤں چلاتے رہنا، اپنے چہرے پر مسخرہ پن کا اظہار کرتے رہنا، ان کی مستقل عادت سی بن جاتی ہے۔ جب مرض نا قابلِ علاج حالت میں پہنچ جاتا ہے، تو اس کی کیفیت آپ نے مضمون کے آغاز میں پڑھ لی ہے۔ یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ شیزوفرینیا کی یہ ساری علامات...... ہر مریض میں یکساں نہیں ہوتیں اور نہ ہی وہ ایک سی عمر میں شروع ہو کر ایک ہی جیسے انجام کو پہنچتی ہیں۔ اس لیے ماہرین نے علامات اور انجام کی بناء پر اس کی کئی اقسام بنا ڈالی ہیں۔

پہلی قسم جسے Simple شیزوفرینیا کہتے ہیں، سترہ سے بیس سال کی عمر میں آہستہ آہستہ شروع ہوتی ہے، اور یہ دھیرے دھیرے اپنے شکار کو اس طرح دبوچتی ہے کہ وہ اس سے چھٹکارا حاصل نہیں کر سکتا۔ یہ اس بیماری کی طویل قسم ہے جس میں مریض چپ چاپ اپنے ماحول سے کٹتا ہوا تنہا ہو جاتا ہے۔ اس میں شکوک و شبہات اور آواز کا اظہار اتنی شدت

سے نہیں ہوتا، مگر احساسات بالکل ہی بجھ جاتے ہیں۔ وہ اپنے آپ کو بے حس محسوس کرتے ہیں۔ ان کی گفتگو بے ربط ہو جاتی ہے۔ اس کا انجام بالآخر شخصیت کو تہس نہس کر دیتا ہے۔ دوائیں بھی ان پر زیادہ اثر نہیں کرتیں۔ دوسری قسم Hebephrenia ہے۔ وہ پہلی قسم سے صرف اس طرح مختلف ہے کہ یہ تیزی سے شروع ہوتی ہے۔ ان میں بلاء کا تلاطم ہوتا ہے جو دوروں کی شکل میں وقفہ وقفہ سے پیدا ہوتا رہتا ہے۔ ان میں آوازوں کا آنا، نفرت و غصہ کا اظہار بڑی گرجداری سے ہوتا ہے۔ یہ قسم بھی مکمل طور پر دواؤں کے قابو میں نہیں آتی۔

Catatonia اس بیماری کی تیسری قسم ہے۔ یہ وہ مریض ہیں جو اپنے بدن کو اکڑا لیتے ہیں۔ اور گھنٹوں ایک ہی جگہ گم صم، کھڑے، بیٹھے یا لیٹے رہتے ہیں۔ شیزوفرینیا کی سب سے پائی جانے والی قسم Paranoid ہے۔ جو عموماً زندگی کی تیسری دہائی میں شروع ہوتی ہے۔ اس میں مریض شک وشبہات میں پورے یقین کے ساتھ مبتلا ہوتے ہیں۔ یہ اپنے معمول کے کاموں میں دوسرے صحیح الدماغ لوگوں کی طرح اکثر مصروف رہتے ہیں۔ شیزوفرینیا کی یہ دو اقسام علاج سے بہتر ہو جاتی ہیں۔ اس کے علاوہ بھی اس کی کئی اور شکلیں ہیں۔

اس بیماری کی اصل وجہ تو معلوم نہیں ہو سکی (اور یہ صرف ڈاکٹر امانت اے محسن کا کہنا ہے جن کی کتاب سے میں یہ مضمون لے رہا ہوں۔ اس کی مزید تفصیل آگے آنے والی ہے جہاں میرا اپنا مضمون "نفسیاتی بیماریاں اور روحانیات" درج ہے۔) مگر ماہرین کے مشاہدے کے مطابق یہ ایک موروثی مرض ہے۔ اپنے خاندان سے ورثہ میں ملے ہوئے اس بیج کو ماحول کی ناسازگار فضا پروان چڑھاتی ہے۔ پھر مریض کی شخصیت کا بھی اس میں بڑا عمل دخل ہے۔ یہ بیماری اکثر ان لوگوں میں ہوتی ہے جو خاموش اور سنجیدہ طبیعت کے حامل ہوتے ہیں۔ انہیں لوگوں سے ملنا، جلنا اور ہنسنا، ہنسانا پسند نہیں۔ یہ زندگی کا سفر اکیلے ہی طے کرنا چاہتے ہیں۔ اس لیے شادی بھی نہیں کرتے۔ گھر کا ناسازگار ماحول بھی اس بیماری کو اجاگر کرتا ہے۔ بچوں کے

سامنے والدین کی چپقلش، ان کی آپس میں ایک دوسرے سے گول مول گفتگو، بچوں کو ذومعنی احکامات اور نصیحتیں کرنا، ایسے عوامل ہیں۔ جو ان کے ابھرتے ہوئے دماغ کو الجھا دیتے ہیں۔ اور بڑے ہو کر وہ الجھی الجھی سوچوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

اس بیماری کی دوسری وجوہات میں نشہ آور چیزوں کا استعمال، خاص طور پر چرس، شراب، کوکین...... سر کی گہری چوٹ اور ایک خاص قسم کی مرگی بھی شامل ہے۔ آج کل سائنسدان ذہنی بیماریوں کا سبب دماغ میں پائے جانے والے بے شمار...... کیمیائی مادوں کی کمی یا بیشی کو بھی گردان رہے ہیں۔ انہیں میں سے ایک مادہ "ڈوپامین" ہے۔ جو اس مرض میں بہت زیادہ پایا گیا ہے۔ جو دوائیں "ڈوپامین" کو کم کرتی ہیں۔ وہ اس مرض کے لیے بہت مفید پائی گئی ہیں۔

ایک زمانے میں شیزوفرینیا ناقابلِ علاج مرض تصور کیا جاتا تھا، مگر جب سے نئی دوائیں دریافت ہوئی ہیں یہ مرض کافی حد تک قابلِ علاج ہو گیا ہے۔ شیزوفرینیا کے ایک تہائی مریض ایسے ہیں جنہیں بروقت مناسب دوائیں مل جائیں تو کم از کم پانچ سال تک پھر ان پر یہ کیفیت طاری نہیں ہوتی۔ ایک تہائی مریض وہ ہیں جو ٹھیک ہونے کے بعد کم از کم دو سال تک اس بیماری سے محفوظ رہتے ہیں۔ باقی ایک تہائی ان کی ہے جو دواؤں کے باوجود صحیح نہیں ہوتے۔

ذہنی بیماریوں اور خاص طور پر شیزوفرینیا کی بیماری کا ایک اہم پہلو یہ ہے کہ مریض کبھی اپنے آپ کو بیمار تصور ہی نہیں کرتے۔ اس لیے کوشش بسیار کے باوجود وہ دوائیں کھانے پر تیار نہیں ہوتے۔ ایسے مریضوں کے لیے اب ایسے انجکشن میسر ہو گئے ہیں، جن کا اثر دو سے چار ہفتے تک رہتا ہے۔ اس کے علاوہ شیزوفرینیا کی کچھ اقسام کیلیے E.C.T. ایک موثر ذریعہ علاج ہے۔

☆☆☆☆☆☆

باب:8

وہم کا علاج ممکن ہے!

کہتے ہیں کہ لقمان حکیم کے پاس بھی وہم کا علاج نہیں تھا۔ لیکن اگر آج لقمان حکیم زندہ ہوتے تو وہ سختی سے اس بات کی تردید کرتے۔ کیونکہ آجکل کے سائنسی دور میں نہ صرف وہم کا معقول علاج ممکن ہے بلکہ ماہرین طب نے تو سرے سے اس کو بیماری ماننے سے بھی انکار کر دیا ہے۔ ان کے نزدیک وہم ایک بیماری نہیں بلکہ ایک علامت ہے۔ جو مختلف ذہنی بیماریوں میں پائی جاتی ہے۔ اس کی مثال ایک ایسے بخار کی سی ہے جو ملیریا میں بھی ملتا ہے، فلو اور ٹائیفائیڈ میں بھی، اور جب ان بیماریوں کا مستقل علاج ہو جاتا ہے تو یہ بخار خود بخود نابود ہو جاتا ہے۔ جس طرح بخار کی مختلف کیفیتیں ہوتی ہیں اس طرح وہم کی بھی مختلف اقسام ہیں۔ سخت جاڑے سے چڑھنے والے بخار ملیریا کی پہچان ہے، مسلسل سیڑھی کی طرح اوپر چڑھتا ہوا بخار ٹائیفائیڈ کی علامت ہے۔ اور دن میں کئی دفعہ ہلکی سردی سے آنے والا بخار کسی متورم بیماری کی طرف متوجہ کرتا ہے۔ اسی طرح مختلف قسم کے اوہام ماہرین نفسیات کو مختلف بیماریوں کی پہچان کرواتے ہیں۔

قبل اس کے کہ ہم مختلف وہموں کا تذکرہ کریں یہ جان لیں کہ وہم کیا چیز ہے؟ یہ وہ شکوک و شبہات ہیں، یہ وہ وسوسے اور اندیشے ہیں...... جو مریض کو اپنے یا اپنی صحت کے بارے میں یا دوسرے لوگوں اور ماحول کے بارے میں لاحق ہو جاتے ہیں۔ ان کا حقیقت سے دور کا بھی تعلق نہیں ہوتا۔ اور وہ ان کی تعلیم، رہن سہن سے بھی مطابقت نہیں رکھتے۔ اگر ایک تعلیم یافتہ اور روشن خیال شخص جسے توہمات پر یقین نہیں، اچانک یہ کہنے لگے گا کہ اس پر کسی نے جادو کر دیا اور وہ اس پر سختی سے قائم رہے تو یہ اس کا وہم ہے۔ اس کے برخلاف جو شخص ان پڑھ ہے اور توہمات کے ماحول میں پلا بڑھا ہے تو اس کا جادو پر یقین ایک فطری عمل ہے، یہ اس کا

وہم نہیں۔ وہم کی ایک اور خصوصیت وہ پختہ یقین ہے جو ذہن سے اس طرح چمٹ جاتا ہے کہ لاکھ سمجھانے سے اور ہزار دلائل کے باوجود بھی وہ قائل ہونے کا نام نہیں لیتا۔ وہمی شخص اپنی کیفیت کو سمجھنے سے قاصر ہوتا ہے۔ اس لیئے وہ خود تو اپنے وہم کا علاج اتنے شدومد سے نہیں کرتا جتنا کہ اس رشتہ دار اور احباب نہایت بیزاری کے عالم میں اکثر ڈاکٹروں سے عرض کرتے ہیں۔ آیئے! آپ کو ایسے ہی مریضوں اور ان کے رشتہ داروں سے ملواتے ہیں۔ جو مختلف انداز میں اپنے مریضوں کا وہم ڈاکٹروں سے بیان کرتے ہیں۔

ایک خاتون اپنے شوہر کے بارے میں فرماتی ہیں........ ''ڈاکٹر صاحب انہیں کئی دفعہ سمجھایا ہے کہ وہم نہ کریں۔ ہر وقت ان کو سینے میں درد رہتا ہے۔ کہتے ہیں کہ دل کی بیماری ہو گئی۔ کئی مرتبہ اسپیشلسٹ کو بتا چکے ہیں۔ کتنے ہی ای سی جی (E.C.G) اور نہ جانے کیا الا بلا ٹیسٹ ہوتے رہتے ہیں۔ سب ہی ڈاکٹروں نے تسلی دی کہ دل کی بیماری نہیں۔ مگر پھر بھی ان کا وہم نہیں جاتا'' .... یہ حضرت Hypochondriasis کا شکار ہیں۔ ایک ماں اپنے بیٹے کے بارے میں کہتی ہیں...... ''ڈاکٹر صاحب اسے وہم ہو گیا ہے کہ ہم سب گھر والے اسے ختم کرنا چاہتے ہیں۔ اب تو گھر کا پکا ہوا کھانا بھی نہیں کھاتا۔ خود ہی الٹا سیدھا بنا کر کھا لیتا ہے۔ کہتا ہے آپ نے زہر ڈالا ہے۔ بعض اوقات تو صرف فروٹ پر ہی گزارا کرتا ہے اور وہ بھی خوب دھو کر کھاتا ہے۔'' ...... ایک اور مریض کا یہ وہم ہے کہ اس کو جان سے مارنے کے لیے اور اس کو بیماریوں اور مشکلات میں پھنسانے کے لیے اس پر تعویز اور ٹونے کرائے گئے ہیں۔ گھر کی ہر چیز کو الٹ پلٹ کرتا رہتا ہے کہ کوئی تعویز وغیرہ ثبوت کے طور پر نکل آئے۔ یہ دونوں Paranoid Schizoprenia کے مریض ہیں۔ ایک شوہر اپنی بیوی کی کیفیت اس طرح بیان کرتے ہیں........ ''ڈاکٹر صاحب ہر وقت چپ اداس لیٹی رہتی ہیں۔ کچھ کام کرنے کو دل نہیں چاہتا۔ کہتی ہیں گنہگار ہوں، لوگوں کو مجھ سے سخت تکلیف پہنچتی ہے۔ اللہ

میاں کی طرف سے اب مجھ کو اس کی سزا مل رہی ہے۔ ہر وقت اپنے گناہ کی توبہ مانگتی رہتی ہیں۔ ایک وقت تھا کہ جمعہ کی نماز بھی مشکل سے پڑھتی تھیں۔ اور اب یہ عالم ہے کہ رات بھر مصلے پر بیٹھی رہتی ہیں، اور روتی رہتی ہیں۔ حالانکہ یہ بہت نیک ہیں۔ آج تک کسی کا دل نہیں دکھایا۔ مگر پتہ نہیں کیوں انہیں وہم ہو گیا ہے کہ یہ بہت گنہگار ہیں۔ یہ Delusion of guilt کا وہم ہے، جو ڈیپریشن میں ہوتا ہے۔ ایک صاحب جن کو یہ وہم ہو گیا ہے کہ ان کے ہاتھوں میں گندگی چمٹ گئی ہے۔ دن میں کئی کئی بار ہاتھ دھوتے ہیں۔ صابن کی ٹکیا تو بے چاری یونہی خرچ ہو جاتی ہے۔ مگر ہاتھ دھل دھل کر اب چمڑی نکل آئی ہے۔ یہ Obsessive Compulsive Disorder کی بیماری کا وہم ہے۔ ایک خاتون کا جینا دوبھر ہو گیا ہے۔ ان کے میاں کو وہم ہو گیا ہے کہ ان کی بیوی کسی اور سے عشق لڑا رہی ہیں۔ ان کی بیوی بیچاری کہتی ہیں........ "ڈاکٹر صاحب ذرا بتایئے! اس عمر میں اتنے بچوں کی ماں ہو کر میں بھلا کسی اور آدمی کی طرف آنکھ اٹھا کے بھی دیکھ سکتی ہوں۔ لیکن پتہ نہیں انہیں یہ وہم کیسے ہو گیا ہے۔ مارتے بھی ہیں، گالیاں بھی دیتے ہیں، آنے جانے پر سخت پابندی ہے، گھر میں چھپ کر پولیس والوں کی طرح میرا خیالی عاشق 'کو پکڑنے کے درپے ہیں۔ درازیں ٹٹولتے ہیں الماریاں اوپر نیچے کر ڈالتے ہیں کہ کوئی ثبوت مل جائے، تو مجھے طلاق دے دیں، یا سنگسار کرائیں۔"...... یہ وہم Othello Syndrome کی پہچان ہے۔ ایک صاحب بڑے خوش ہیں۔ ہر وقت مسکراتے اور چہکتے رہتے ہیں۔ کہتے ہیں انہیں اللہ نے اپنا برگزیدہ بندہ بنا لیا اور بڑی طاقتیں عنایت کر دی ہیں۔ جسے چاہیں بھسم کر دیں، جسے چاہیں مالا مال کر دیں۔ ان کی بیوی ان کی باتوں پر ہنستی ہیں........ "ڈاکٹر صاحب! یہ ان کا وہم ہے۔ یہ کس کو مالا مال کر دیں گے؟ خود جیب میں پھوٹی کوڑی نہیں ہوتی۔ ہفتوں گھر میں فاقہ رہتا ہے۔ ان کے پاس اللہ کی طاقت نہیں، ان پر اللہ کی مار ہے۔"........ یہ Mania کا وہم ہے۔ پھر ایک ادھیڑ عمر کی خاتون ہیں۔ جنہیں وہم ہے کہ عمران خان ان پر جان چھڑکتے ہیں۔ چونکہ وہ ایک اہم شخص ہیں اس لیے اپنے پیار کا اعلان برملا نہیں کر سکتے۔ مگر جب بھی میچ میں باؤلنگ کرتے ہیں، ایک خاص انداز سے ہاتھ اوپر اٹھاتے ہیں۔ جس میں میرے لیے محبت کا مخفی پیغام ہوتا ہے۔ اور ماہر نفسیات نے اس کو Erotic Delusion کا نام دیا ہے۔ شیزوفرینیا کا ذکر آپ نے انہی صفحات میں ضرور پڑھا ہو گا۔ اس بیماری میں وہموں کی بڑی بہتات ہے۔ کسی کے دماغ کو کسی نے کنٹرول کیا ہوتا ہے۔ کسی کے دماغ کے بھی کوئی اچانک خیال نکال لیتا ہے۔ کوئی یہ سمجھتا ہے کہ اس کے دماغ کی بات بغیر بتائے ہوئے دوسرے لوگ جان لیتے ہیں۔ کسی کو وہم ہے کہ لوگ ان کی طرف دیکھ رہے ہیں۔ اور ان ہی کے بارے میں بات کی جا رہی ہے۔ کسی کو وہم ہے کہ سی آئی اے والے اس کا پیچھا کر رہے ہیں۔ کوئی نبی بنا ہوتا ہے، تو کسی کو وہم ہے کہ وہ بادشاہ ہے۔ ان وہموں نے نہ صرف ان غریب مریضوں کو پریشان کر رکھا ہے۔ بلکہ ان کے عزیز و اقارب بھی بڑی مشکلوں میں پڑے ہوئے ہیں۔ کوئی انہیں ضدی، بے وقوف اور قنوطی سمجھتے ہیں۔ اور ان سے منہ موڑے ہوئے ہیں۔ تو کوئی ان پر جن اور آسیب کا سایہ سمجھ کر ان کو مولویوں اور مزاروں پر لے جاتا ہے۔ ان میں کچھ ہی ایسے خوش نصیب ہیں۔ جنہیں بروقت معقول طبی امداد میسر ہو جاتی ہے۔

جیسا کہ شروع میں عرض کیا گیا ہے کہ مختلف قسم کے وہم مختلف ذہنی بیماریوں کی علامتیں ہیں۔ ان بیماریوں پر آجکل جدید تحقیق کا سلسلہ بڑی شد و مد سے جاری ہے۔ ان میں سے اکثر بیماریوں کا اب مکمل علاج دریافت ہو گیا ہے۔ اگر خدانخواستہ آپ یا آپ کا کوئی عزیز کسی وہم کا شکار ہے تو برائے مہربانی اسے سمجھانے یا اسے فکر نہ کرنے کی تلقین کرنے یا اس کے وہم کو مجنوں کی بڑ سمجھ کر اس سے لاتعلقی کرنے کے بجائے کسی ماہر نفسیات سے اس کا معقول علاج کروائیں۔

نفسیاتی بیماریاں اور روحانیات

''شیزوفرینیا'' کے مضمون میں میں نے ذکر کیا تھا کہ اس کی روحانی توجیہہ آگے چل کر بیان کروں گا۔ وہاں ڈاکٹر امانت اے محسن کے حوالے سے میں نے لکھا تھا کہ ماہرینِ نفسیات اس بیماری کی وجوہات تلاش کرنے میں ناکام رہے ہیں۔ اور یہ حقیقت ہے کہ ماہرین نفسیات جب تک علمِ روحانیت کا مطالعہ پورے یقین کے ساتھ نہیں کریں گے انہیں نفسیاتی بیماریوں کی وجوہات اور اسباب نظر نہیں آسکتے۔ جو لوگ خود کو ماہرین نفسیات کہتے ہیں، انہیں شاید یہ معلوم نہیں کہ نفسیاتی بیماریوں کا علاج محض آج ممکن نہیں ہوا۔ صدیوں سے علمِ روحانیت کے ماہرین ان کا علاج کرنے میں مصروف ہیں اور وہ آج بھی پوری کامیابی کے ساتھ ان بیماریوں کا علاج کر سکتے ہیں۔ کسی بیماری کا علاج کرنے کیلیے ضروری نہیں کہ معالج انگریزی میں لکھی ہوئی کتابیں پڑھے اور یورپ کی یونیورسٹیوں سے اسناد لے کر آئے۔ ضروری نہیں کہ ہر وہ شخص ہی علم اور ماہر ہو سکتا ہے جو انگریزی طریقہ، تعلیم کے مطابق ڈگریاں لے۔ انگریزی تعلیم کو متعارف ہوئے ابھی ایک آدھ صدی ہی گزری ہے، اس سے پہلے دنیا کے تمام علوم ''عربی'' اور ''فارسی'' میں ہی ہوا کرتے تھے۔ یا پھر زمانہ، قدیم میں ''یونانی'' زبان کے سر یہ سہرا تھا۔ حیرت ہے کہ ڈاکٹر امانت اے محسن نے بہ یک جنبشِ قلم اہلِ روحانیت کی نفی کی ہے اور کہا ہے کہ لوگ اپنے مریضوں کو جب عاملین، یا ماہرین روحانیات کے پاس لے کر جاتے ہیں تو اپنا وقت اور پیسہ برباد کرتے ہیں۔ یہ بات قطعاً درست نہیں۔ ڈاکٹر صاحب مغرب سے بے پناہ متاثر بلکہ خوفزدہ دکھائی دیتے ہیں۔ یہ صرف ڈاکٹر موصوف ہی پر موقوف نہیں، ہمارے ہاں کے زیادہ تر ''سائیکاٹرسٹ'' اسی طرح سوچتے ہیں۔ حالانکہ خود مغرب کے بڑے بڑے فلسفی اور سائنسدان روحانی طریقہ، علاج کے ساتھ متفق ہیں۔ ''ڈاکٹر ولیم جیمز'' کے نام سے کون واقف نہیں، جو ایک معروف فلسفی اور ماہر روحانیت ہیں، اور جن کی تحریروں سے دنیا کے بڑے بڑے فلسفی اپنے مضامین کے لیے حوالہ جات لیتے ہیں۔ اور ''البرٹ آئن سٹائن'' کا نام تو دنیائے سائنس میں سرِ فہرست لکھا جاتا ہے، جنہوں نے اپنی کتاب "Out of my latter years" میں روحانیت کو پورے قلبی یقین کے ساتھ تسلیم کیا ہے اور خود کو ایک روسی ماہر روحانیت ''گروجیف'' کا مرید لکھا ہے۔

عظیم مشرقی فلسفی اور حکیم الامت حضرت علامہ اقبالؒ کے الفاظ میں.........

''میری دانست میں حقیقتِ مطلقہ محض.........روح.........ہے''

اور یہ سب سے بڑی حقیقت ہے۔ نفسیاتی بیماریاں ساری کی ساری بیماریاں نہیں ہوتیں ان میں بہت سی روحانی کیفیتیں ہیں جو ہمارے ماہرین نفسیات سمجھنے سے قاصر ہیں۔ رسولِ کریم ﷺ کے زمانہ میں ابنِ صیاد نامی ایک یہودی نوجوان کے ساتھ بھی کوئی روحانی کیفیت کا مسئلہ تھا۔ خود رسولِ کریم نے اس کے مسئلہ میں ذاتی طور پر دلچسپی لی اور کوشش کی کہ اس کی کیفیت کی تہہ تک پہنچ کر اسے پہچانیں۔ آپ ﷺ نے یقیناً اس کی کیفیت کی حقیقت کو دیکھ لیا ہوگا۔ لیکن اس کا ذکر نہیں ملتا۔ البتہ ابنِ صیاد کے مسئلہ کو نہ صرف مسلمان علماء اور خصوصاً ابنِ خلدون نے اہمیت دی بلکہ ''ولیم جیمز'' نے بھی اس پر بہت کچھ لکھا۔

اگر ہم ڈاکٹر امانت اے محسن کی بات کو صحیح مان کر ہر نفسیاتی بیماری کو محض بیماری مان لیں تو ہمیں.........صوفیاء کے الہامات، کشف اور مراقبہ حتیٰ کہ انبیاءؑ کی وحی کو بھی شک کی نظروں سے دیکھنا پڑے گا۔ ''شیزوفرینیا'' کے بارے میں لکھتے ہوئے ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ ان لوگوں کو بعض اوقات غیبی آوازیں سنائی دینے لگتی ہیں۔ انہیں یوں لگتا ہے کہ کوئی شخص ان کی ہر ہر حرکت پر کمنٹری کر رہا ہے۔ اور کبھی یوں لگتا ہے کہ جیسے دو مختلف اشخاص بول رہے ہیں اور ان کے بارے میں باتیں کر رہے ہیں۔.........اور پھر اسی بیماری کے بارے میں چند سطریں آگے جا کر ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں کہ ''اس بیماری کی وجوہات اور اسباب ابھی تک

ماہرین کو معلوم نہیں ہو سکے"۔ میرا یہ کہنا ہے کہ اگر ابھی تک ماہرین اس کی وجوہات اور اسباب جانتے ہی نہیں تو حتمی طور یوں کہتے ہی کیوں ہیں کہ یہ ایک موذی نفسیاتی بیماری ہے۔ ہو سکتا ہے یہ ایک کیفیت ہو بالکل ویسی کیفیت جیسی کیفیت رسولِ اکرم ﷺ کے زمانہ میں یہودی نوجوان ابنِ صیاد پر طاری ہو جایا کرتی تھی۔ یا بالکل ویسی کیفیت جیسی عموماً سلسلہ تصوف سے متعلق لوگوں پر طاری ہو جاتی ہے۔ یوں کہنا تو اچھی بات نہیں کہ لازمی طور پر بیماری ہے اور اس کا علاج کرانے کیلیے بجلی کے شاک (E.T.C) لگوانے پڑتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ یہ بیماری ہی ہو لیکن اتنا ضرور ہے کہ روحانیت کے سلسلہ میں بھی اس طرح کے حقائق پائے جاتے ہیں۔ اور پھر وہ لوگ جو اس کام کو سمجھے ہیں، انہیں تنقید کا نشانہ بنانا درست نہیں۔ بے شک ہمارے معاشرے میں ہر ادارے کی طرح اس ادارے میں بھی جعلی لوگوں کی کمی نہیں اور بہت سے جعلی پیر لوگوں کو لوٹ رہے ہیں۔ لیکن ہر مرشد اور ہر عامل تو جعلی نہیں۔

یہ جو عاملین ہوتے ہیں نا!......... میرا مطلب ہے "جن نکالنے والے" یہ جن نکالنے کیلیے جو کچھ کرتے ہیں۔ وہ واقعتاً سب ڈرامہ ہوتا ہے اور یہ خود اس بات کو مانتے ہیں۔ یہ ایک طرح کے نفسیاتی ڈاکٹرز ہوتے ہیں۔ ان کے پاس آنے والے لوگ عموماً واقعتاً مریض ہوتے ہیں۔ یہ اپنے مریض کا بالکل اسی طرح نفسیاتی طریقے سے علاج کرتے ہیں جیسا کہ نفسیاتی ہسپتال میں ڈاکٹرز خود کرتے ہیں بعض اوقات تو ان سے بھی بہتر۔ اب بھلا بتایئے! اس مہنگائی کے دور میں ماہرین نفسیات کی دل دہلا دینے والی فیسیں کون ادا کر سکتا ہے، اور پھر اگر مریض کوئی غریب فیملی سے ہے تو ظاہر ہے اسے کسی ایسے عامل کے پاس ہی جانا پڑے گا جو بہت ہی کم فیس پر اس کی بیماری کو دور کر سکے۔ ہاں اگر وہ مریض سے یہ کہہ دیتا ہے کہ اس پر جن کا سایہ ہے تو......... تو اس میں حرج ہی کیا ہے۔ جن کا سایہ تو اس پر ہے۔ جن اس کے اندر موجود ہے، اس کے معدہ سے پیدا ہونے والی حرارتِ غریزی بہت بڑھ چکی ہے۔ اور خون کے خلیات میں ٹوٹ پھوٹ کا عمل بے ربط ہونے لگا ہے۔ اس کے دماغ میں موجود بعض مادوں میں کمی واقع ہونے والی ہے۔ اور بعض کیمیائی مادوں میں اضافی ہو چکا ہے.........."جن" کا سایہ تو اس پر ہے۔ اب اگر اس نے مریض کو یہ نہیں بتایا کہ "جن، ون" کچھ نہیں ہوتے تو اس نے کونسا جرم کیا ہے۔ ضروری تو نہیں کہ مریض یا اس لواحقین اس قدر سمجھدار اور پڑھے لکھے ہوں کہ جن نہ ہونے والی اس کی بات کو سمجھ سکیں۔ وہ اپنے مریض کو لے کر آتے ہیں، "عامل" مختلف طریقوں سے اس کا جن نکالنے کی کوشش کرتا ہے، اور مریض محض اپنی کسی ضد کی وجہ سے خواہ مخواہ اپنے گھر والوں کو کوستا رہا ہوں اور اسے کچھ بھی نہ ہو تو وہ اسے مارنے پیٹنے کی دھمکی دیتے ہیں، اور جن بڑے آرام سے نکل کر بھاگ جاتا ہے۔ اور مریض سچ مچ کا مریض ہو تو وہ اس کا باقاعدہ نفسیاتی علاج کرتے ہیں۔ اس کے مرض کو دور کرنے کیلیے ہر ممکن کوشش کرتے ہیں اور جتنی جس عامل کی مہارت ہوتی ہے۔ وہ اتنا ہی کامیاب ہوتا ہے، بالکل اسی طرح جیسے کوئی بھی ماہرِ نفسیات ہو سکتا ہے۔ البتہ جعلی "عاملین" کی تو بات ہی الگ ہے۔ ایسے لوگ تو ہمارے ہاں ہر شعبے میں پائے جاتے ہیں۔ اور ہر جگہ دھوکہ دہی سے عوام کو لوٹنے میں مصروف ہیں۔ اور پھر مغرب کے دیوانے یہ نہیں جانتے کہ یورپ اور امریکہ میں کتنے اس طرح کے عاملین ہیں۔ یاد رکھیے مسلمان دنیا کی سب سے زیادہ ماڈرن قوم ہیں اور اسلام سب سے زیادہ ماڈرن مذہب۔ ہمارے جن لوگوں کو یہ مذہبی انتہا پسندی نظر آتی ہے۔ انہیں غالباً مغربی اقوام کی حالت معلوم نہیں۔ "ہالی وڈ" میں بننے والی ہزاروں Horror Movies یعنی ڈراؤنی فلمیں کن لوگوں کے لیے بنائی جاتی ہیں۔ ہمارے یہاں تو اس قسم کی فلمیں نہیں بنتیں اور نہ ہی پسند کی جاتی ہے۔ محض اس لیے پسند نہیں کی جاتیں کہ ہمارے لوگ ان بے سروپا باتوں کو مانتے ہی نہیں۔ جب کہ امریکہ میں آئے روز ایک نئی ڈراؤنی فلم ریلیز ہوتی ہے......... کس لیے؟..... اس لیے کہ وہاں کے لوگ ان

فضولیات کو مانتے ہیں۔ اسلام تمام مذاہب کے بعد دنیا میں ظاہر ہوا ہے، لامحالہ یہ سب سے جدید Latest ہے۔ مسلمانوں یا پاکستانیوں میں اگر جن نکالنے والے عاملین ہیں تو یہ ایک ماڈرن مذہب کے پیروکار ہیں اور جتنے بھی بنیاد پرست ہوں۔ یہ مغرب کے عاملین سے زیادہ توہم پسند اور توہم پرست نہیں ہو سکتے۔ امریکی معاشرہ میں اس وقت بھی توہم پرستی عروج پر ہے۔ وہ لوگ صرف جنات اور بھوت پریت میں ہی یقین نہیں رکھتے بلکہ ہمارے ہاں کے عاملین سے کہیں بڑھ کر مریض کو مارتے پیٹتے اور زدوکوب کرتے ہیں۔ وہاں عاملین کو "وچ ڈاکٹرز" کہا جاتا ہے۔

اب ہم ذرا سی دیر اصل روحانی واردات پر نظر رکھتے ہیں۔ ضروری نہیں کہ شیزوفرینیا کا ہر مریض بیمار ہو، ہو سکتا ہے اس کے قلب کی ریسیونگ پاور ضرورت سے زیادہ ہو اور سنائی دینے والی آوازیں اس کے باطن سے آتی ہوں، یہ اس کے لیے روحانی اشارے ہوں۔ اگر ایسے عالم میں اسے سچ مچ کا مرشد مل جائے جو اس کی اس واردات قلبی کو سمجھتا ہو اور اس کی صحیح صحیح رہنمائی کر سکے۔ ضروری نہیں کہ ہر روحانی واردات میں غیب کی خبریں ہی بتائی جائیں۔ بلکہ غیب کی خبریں تو کسی روحانی واردات میں نہیں بتائی جاتیں .... روحانی واردات میں جو کچھ ہوتا ہے وہ فی الحقیقت صاحب حال کا اپنا اندرونی حال ہوتا ہے۔ اس کے من کا مجسمہ کتنا حسین ہے جسے تعمیر کرنے میں صرف اس کے والدین کے جینز ہی نے حصہ نہیں لیا بلکہ اس کے ماحول اور تربیت نے بھی پورا پورا کردار ادا کیا ہے۔ اسے جو کچھ سنائی دیتا ہے، ضروری نہیں وہ بیماری کا نتیجہ یا دماغ کا خلل ہو۔ ایسے لوگ دیکھے گئے ہیں جو اس قسم کی صورتحال میں اس کردار کا مظاہرہ کرتے ہیں جس کا مظاہرہ ہوش کے عالم میں وہ کبھی نہ کر سکتے۔ ایک صاحب حال جو حافظ قرآن نہیں تھا، لیکن نفسیاتی دورے کی کیفیت میں قرآن کریم کی تلاوت بغیر قرآن کریم کو دیکھے کر لیتا تھا۔ جرمن میں اس نفسی کیفیت پر کام جاری ہے۔ وہاں روحانیات کے باقاعدہ

ڈاکٹرز ہیں جو کسی شخص کی واردات قلبی کا جائزہ لیتے اور اس کے بارے میں بیماری سے ہٹ کر رائے قائم کرتے ہیں۔ انسانی باطن بہت پیچیدہ ہے، اس پر جتنا کام ماضی میں ہوا ہے .... نیوٹن کے اکتشافات مادی کے بعد نہیں ہو سکا۔ آج ہمارے ماہرین گویا مادی دور کی شخصی تباہ کاریوں کے بعد نئے سرے سے اس کام کا آغاز کیے ہوئے ہیں۔

کیا نشہ ایک نفسیاتی بیماری ہے؟

ہاں نشہ ایک نفسیاتی بیماری ہے۔ اور سچ تو یہ ہے کہ یہ ایک انتہائی موذی بیماری ہے۔ نشہ کا مریض چاہے جس بھی راستے اور ذریعے سے اس بیماری میں مبتلا ہوا ہے لیکن نشہ پر لگنے کے بعد وہ مریض ہی کہلائے گا۔ وہ نشہ کو چھوڑ نہیں سکتا، ہم سمجھتے ہیں کہ یہ اس کی ہٹ دھرمی ہے کہ وہ نشہ نہیں چھوڑتا .... وہ بڈ حرام ہے، کام نہیں کرنا چاہتا لیکن ہماری ساری باتیں درست ہونے کے باوجود غلط ہیں۔ وہ بیمار ہے اور اس کا علاج ہماری ذمہ داری ہے۔ اگر ہم نے اس کی حالت پر توجہ نہ دی تو وہ اپنی بیماری میں تنہا رہ جائے گا۔ اور اگر وہ تنہا رہ گیا تو اس کا مرض اور زیادہ بڑھ جائے گا۔ اسے نظر انداز کر دینا یا ڈانٹتے رہنا بالکل ایسا ہے جیسے ہم کسی جسمانی مریض مثلاً شوگر کے مریض یا یرقان کے مریض کو ڈانٹیں یا اس کی بیماری کا برا منائیں۔ آجکل تو نشہ کے مریضوں کیلیے باقاعدہ ہسپتال بنائے جا چکے ہیں۔ جہاں ایسے مریضوں کا علاج ہوتا ہے اور ایسے بے شمار صحت مند لوگ ہیں جو پہلے مریض ہوا کرتے تھے لیکن نفسیاتی ہسپتال میں نشہ کا علاج کرانے کے بعد ان کی بیماری جاتی رہی اور آج وہ تندرست اور توانا شہری ہیں۔ یہ بیماری ہمارے ہاں تو بہت بعد میں وارد ہوئی بلکہ درآمد کی گئی، ہم سے پہلے اہل یورپ اس موذی مرض کا شکار تھے، اور ان کے اہل دانش پریشان تھے کہ کس طرح اپنی قوم کے نوجوانوں کو اس بیماری سے بچایا جا سکتا ہے۔ چنانچہ اہل یورپ نے اس پر توجہ دی اور اس کے علاج دریافت کیے جو انتہائی کامیاب اور آسان ہیں۔ اور آجکل ہمارے ہسپتالوں

دستیاب ہیں۔ آیئے ذرا ہم علاج کے ان طریقوں پر تھوڑا سا غور کریں جنہیں اپنا کر ہم اپنے پیارے کو نشہ جیسے موذی مرض سے بچا سکتے ہیں۔

سب سے پہلی چیز ہے مریض کو علاج کیلیے راضی کرنا، مریض حقیقت سے بہت دور ہوتا ہے اور صحیح فیصلے کرنے قابل نہیں ہوتا۔ وہ اپنے علاج کا فیصلہ خود نہیں کر سکتا۔ یہ تو اہل خانہ کی خوش نصیبی ہوگی کہ ان کا مریض اگر اپنے علاج کیلیے خود...... یا پھر آسانی سے راضی ہو جائے۔ اور وہ راضی نہیں ہوتا تو بڑی مشکل کھڑی ہو جاتی ہے۔ اسے علاج کیلیے منانا ایک مشکل مرحلہ بن جاتا ہے ایسے میں والدین یا اہل خانہ اسے مارتے پیٹتے یا زبردستی کرتے ہیں، یا پھر باندھ کر ہسپتال لے جاتے ہیں، لیکن وہ چند دن بعد موقع ملتے ہی وہاں سے بھاگ آتا ہے۔ اگر مریض کو بخوشی راضی کر لیا جائے تو یہ سب سے بہتر ہوتا ہے۔ اور اس طرح مریض کو راضی کرنے کا عمل .... مداخلتی طریقہ .... کہلاتا ہے۔ یہ طریقہ زیادہ تر ان مریضوں کے لیے اپنانا پڑتا ہے جو خاندان کے لیے معتبر ہوتے ہیں اور انہیں سمجھانا اہل خانہ کیلیے مشکل ہوتا ہے۔ اس طریقہ میں مریض کے قریبی رشتہ دار اسے ایک بنی بنائی منصوبہ بندی کے تحت گھیر لیتے ہیں اور اسے اس کی معاشرتی ذمہ داریوں کا احساس اس طرح دلاتے ہیں کہ اسے اپنے آپ میں نادم ہونا پڑتا ہے۔ اسے اس کی زیادتیوں، اور رویوں کا احساس دلا کر یہ منواتے ہیں کہ اسے علاج کیلیے راضی ہو جانا چاہیے۔

ہمارے ہاں اہل خانہ مریض کا علاج ہسپتال میں کرنے کی بجائے خود کرنا چاہتے ہیں۔ اور اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ وہ اسے مریض نہیں سمجھتے۔ وہ مریض کا علاج کرنے کیلیے عموماً اس طرح کے اقدامات اٹھاتے ہیں۔

(۱) معاونت:۔ نشے کے مریض کا خاندان دو واضح حصوں میں تقسیم ہو جاتا ہے۔ ایک وہ ہوتے ہیں جو مریض سے نفرت کرنے لگتے ہیں۔ اور دوسرے وہ ہوتے ہیں جو

اس کو دیکھ کر اس سے بے طرح کی ہمدردی کرنے لگ جاتے ہیں۔ اس دوسری قسم میں عموماً مائیں، بہنیں اور بیویاں زیادہ شامل ہوتی ہیں۔ اس ہمدردی کے دھوکے میں اپنے مریض کی غلط معاونت کرنے لگتے ہیں۔ نتیجتاً مریض یہ سوچتا ہے۔ "اب نشہ کیوں نہ کروں؟ میری ماں اور بہنیں تو میرے ساتھ ہیں اور یہ تو مجھے برا نہیں سمجھتیں۔ مریض کو ان کے پیار میں بھی اپنا منفی فائدہ دکھائی دیتا ہے اور پہلے زیادہ نشہ پر لگ جاتا ہے۔ معاونت والے رویوں کی چند مثالیں یہ ہیں۔

مریض کو کسی کام کیلیے بھی نہ کہنا بلکہ اس کے حصہ کے کام بھی خود کر لینا۔

رات کو جاگ کر اس کا انتظار کرنا۔

دیر سے گھر آنے پر کھانا گرم کر کے دینا۔

نشہ کرتے ہوئے مریض کا خیال رکھنا کہ کہیں خود کو آگ وغیرہ نہ لگا لے۔

نشہ نشہ کرتے سونے والے مریض کو اٹھا کر بستر پر لٹا دینا۔

مریض کے بیوی بچوں کی کفالت کرنا۔

مریض کو تمام ذمہ داریوں سے فارغ کر دینا۔

مریض کی وجہ سے جھوٹ بولنا۔

مریض کو چوری چھپے پیسے دینا۔

مریض کو نشہ لا کر دینا۔

مریض کو قانونی نتائج نہ بھگتنے دینا۔

(۲) اشتعال انگیز رویے:۔ مذکورہ بالا گروپ کے علاوہ دوسرے وہ لوگ ہوتے ہیں جو مریض کے ساتھ اپنا رویہ بہت سخت کر لیتے ہیں۔ اتنا سخت کہ مریض ان سے شدید نفرت کرنے لگتا ہے۔ اور ان کے انتقام میں پہلے سے زیادہ جوش کے ساتھ نشہ کرتا

ہے۔ اشتعال انگیز رویوں کی چند مثالیں یہ ہیں۔

مریض کو مارنا پیٹنا۔

مریض کو باندھ کے رکھنا۔

حد سے زیادہ گالی گلوچ دینا۔

حقہ پانی بند کر دینا۔

بیوی کا روٹھ کر میکے چلے جانا۔

مکمل قطع تعلق کر لینا اور مریض کو بے یار و مددگار چھوڑ دینا۔

جھوٹے کیس میں جیل بھجوا دینا وغیرہ۔

ان رویوں کو مریض اپنے ساتھ ظلم سمجھتا ہے اور اسی آڑ میں مزید نشہ کرتا ہے۔ اپنے تجرنے میں ناکامی کے بعد اہلِ خانہ مایوس ہو جاتے ہیں اور کہتے کہ یہ نشہ نہیں چھوڑ سکتا اور وہ عموماً اس رویے کے مالک ہو جاتے ہیں کہ کوئی نشہ نہیں چھوڑ سکتا۔

(۳) مریض کی شادی کر دینا:۔ بعض لوگ اپنے نشہ باز مریض کا علاج یہ سمجھتے ہیں کہ اس کی شادی کر دیتے ہیں۔ انہیں ہر طرف سے یہی سننے کو ملتا ہے کہ ......"اس کی شادی کر دو، تو یہ خود بخود ٹھیک ہو جائے گا، ذمہ داری کا احساس بڑے بڑوں کو ٹھیک کر دیتا ہے۔" لیکن وہ یہ نہیں سوچتے کہ یہ نشہ کا مریض ہے۔ محض ذمہ داریوں سے بھاگا ہوا۔ کوئی لا اُبالی نوجوان نہیں جسے شادی کے بندھن میں باندھ کر قابو کیا جا سکے۔ وہ اپنے مریض کی شادی کرتے ہیں اور وہ پہلے حال سے بھی جاتا ہے۔ اگر وہ ہیروئن یا انجکشن کا مریض ہے تو پہلے سے بھی برے حالات کا شکار ہو جاتا ہے۔ اس کے سامنے جنسی مسائل آ کھڑے ہوتے ہیں۔ جن سے نمٹنے کیلیے وہ نشے کا سہارا لیتا ہے۔ اس کی بیوی جلد اس سے اکتا جاتی ہے اور ان دونوں کے مابین جھگڑا ہونے لگتا ہے۔ اور عموماً بیوی روٹھ کر میکے چلی جاتی ہے۔ اگر

بیوی میکے نہ بھی جائے تب بھی مریض کی شادی کے بعد اس کی بیماری ایک خاندان کی بجائے دو خاندانوں کی بیماری بن جاتی ہے۔ ایسے حالات میں اس سے نشہ چھوٹتا نہیں بلکہ وہ پہلے بھی زیادہ نشہ کرنے لگتا ہے۔ میرے اپنے ایک قریبی دوست "ملک محمود الحسن" کا یہی واقعہ ہے۔ جو میں اسی کتاب میں پہلے بھی تحریر کر چکا ہوں۔ اس کے والدین نے اس کی ہیروئن چھڑوانے کیلیے اس کی شادی کر دی.........اور اس طرح وہ پہلے سے بھی زیادہ مسائل کا شکار ہو گیا۔ وہ ایک بہت اچھا شاعر تھا، طبقہء شعراء میں اس کی بہت عزت تھی، خود میرے ساتھ جا کر اس نے کئی بڑے مشاعرے پڑھے۔ میں قبل ازیں اس کا ایک مشہور شعر بھی قارئین کی خدمت میں پیش کر چکا ہوں۔

اجنبی دھوپ کا مارا تھا اسے کیا معلوم
سانپ رہتا ہے کوئی سایہء دیوار کے ساتھ

اس کی شادی کر دی گئی.......کچھ عرصہ بعد اس کی دو بچیاں ہوئیں۔ اور اب وہ اس دنیا میں نہیں، خود کو انجکشن لگاتے ہوئے اس کی موت واقع ہوئی۔ اور یوں دو گھر ہمیشہ کیلیے برباد ہو گئے۔ چنانچہ مریض کی شادی کر دینا اس کے حق میں قطعاً مفید نہیں ہوتا بلکہ یہ اس کے لیے مزید بربادی کا باعث بنتا ہے۔

(۴) بیرونِ ملک بھیج دینا:۔ ماہرینِ نفسیات اسے جغرافیائی علاج کا نام دیتے ہیں اور انگریزی میں اسے Geographical treatment کہا جاتا ہے۔ یہ بہر حال خود اختیاری طریقوں میں کسی حد تک بہتر منصوبہ بندی ہے، لیکن ایسی مثالیں بھی موجود ہیں کہ مریض جب بیرونِ ملک سے واپس لوٹا تو اس نے پہلے نشہ کیا اور پھر گھر پہنچا۔ اگر مریض کا علاج یہیں مکمل کروا کر اسے بیرونِ ملک بھیج دیا جائے تو اس کے نتائج مزید بہتر نکل سکتے ہیں۔ منشیات کی عادت ایک بیماری ہے۔ اور دوسری بیماریوں کی طرح اس کا بھی

باقاعدہ علاج کیا جاتا ہے۔ چنانچہ ہمیں خود اس بیماری کا علاج کرنے کی بجائے اس کے ماہرین سے رجوع کرنا چاہیے، وہی ہمیں بہتر راستہ دکھا سکتے ہیں۔

منشیات کا علاج ممکن ہے!

مذکورہ بالا طریقہ ہائے کار وہ ہیں جو مریض کے لواحقین اپناتے ہیں اور کوشش کرتے ہیں کہ اس طرح ان کا مریض نشے کی بیماری سے باز آجائے گا۔ لیکن یہ خود اختیاری طریقے عموماً ناکام ہی ہوتے ہیں اور اکثر مریض پہلے سے بھی زیادہ تیزی کے ساتھ نشہ کرنے لگتا ہے۔ بعض لواحقین اپنے مریض کا علاج تو علاج گاہ سے ہی کرواتے ہیں۔ لیکن اگر ان کا مریض کسی وجہ سے دوبارہ نشہ کرنے لگے تو اس کی جانب سے مایوس ہو جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس کا علاج ممکن ہی نہیں۔ یہ بھی غلط ہے۔ اسے معالجوں کی اصطلاح میں "ریلیپس" کہا جاتا ہے۔ اس مرض کا سب سے زیادہ نقص ہی یہ ہے کہ مریض کسی بھی وقت ذرا سی غفلت سے دوبارہ مریض ہو سکتا ہے۔ اور اس پر دس پندرہ دن کے علاج کے بعد اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔ یہ علاج ایک طویل منصوبہ بندی کا تقاضا کرتا ہے اور جب تک مریض کے بارے میں اس کا ڈاکٹر خود نہ بتائے اسے مکمل طور پر تندرست نہیں سمجھا جا سکتا۔

ماہرِ نفسیات رفیع خاور صاحب نے مریض کے لواحقین کی آٹھ غلطیاں اپنی کتاب میں درج کی ہیں جو میں تحریر کر رہا ہوں تاکہ لواحقین کا فائدہ ہو سکے۔

(۱) مریض کو کوئی ذمہ داری سونپنا اور پوری نہ کرنے پر اس سے ناراض ہو جانا۔

(۲) مریض کی قسموں اور وعدوں پر مطمئن ہو جانا اور کی باتوں کا یقین کر لینا۔

(۳) مریض کے نشہ کرنے کی حمایت میں دوسروں کو قائل کرنا۔

(۴) مریض سے نشہ کی حالت میں بحث کرنا۔

(۵) ان لوگوں سے مشورہ کرنا جو اس بیماری کے متعلق بالکل نہیں جانتے۔

(۶) احساسِ گناہ کا شکار رہنا کہ کہیں ہماری غلطی کی وجہ سے تو نشہ نہیں کر رہا۔

(۷) نشے سے پیدا ہونے والے مسائل مریض کی بجائے خود برداشت کرنا۔

(۸) مسئلے کو بغیر پیشہ ورانہ مدد کے حل کرنے کی کوشش کرنا۔

ایک اہم بات جس کا تحریر کیا جانا ضروری ہے اور وہ یہ ہے کہ نشے کا مریض اکیلا خود مریض نہیں ہوتا بلکہ اس کے لواحقین بھی مکمل طور پر نفسیاتی مریض بن جاتے ہیں۔ ماہرینِ نفسیات چاہے یورپ و امریکہ کے ہوں، یا پاکستان کے سب کی یہی رائے ہے کہ نشے کی بیماری کا علاج صرف ایک مریض کے علاج سے ممکن نہیں......... ضروری ہے کہ مریض کے ساتھ ساتھ اس کے اہلِ خانہ کا بھی نفسیاتی علاج........ یا یوں کہہ لیجیے کہ تربیت جاری رہے۔ اس ضمن میں اہلِ خانہ کی سب سے اہم ذمہ داریاں کیا ہیں۔ ماہرین نے ان کو بھی 10 فرائض کا نام دیا ہے۔

اہلِ خانہ کے فرائض:۔

(۱) نشے کی بیماری کے حوالے سے مکمل آگاہی اور خود کو معالجین کی ٹیم کا حصہ تصور کریں۔

(۲) اپنے "معاونت" اور "اشتعال انگیز" رویوں کو پہچانیں۔

(۳) اپنے "معاونت" اور "اشتعال انگیز" رویوں کو فوراً ترک کر دیں۔

(۴) اپنے رنج اور دفاعی رویوں والی سوچوں کا جائزہ لیجیے۔

(۵) اپنے ذاتی مسائل کو حل کرنے کا آغاز کریں۔

(۶) اپنے مستقبل قریب کیلیے مناسب توقعات وابستہ کریں۔

(۷) اپنے روزمرہ کے معمول میں اس بیماری یا بیمار کی پریشانی داخل نہ ہونے دیں۔

(۸) یہ بات بھی ذہن میں رکھیں کہ مریض کا "ریلیپس" ہو سکتا ہے، یعنی وہ دوبارہ نشہ پر لگ سکتا ہے۔

(۹) اپنے جذبات پر قابو رکھنا سیکھیں۔

(۱۰) کاملیت کی بجائے ترقی کرنا سیکھیں۔

دنیا کا کوئی بھی شخص......... چاہے وہ جتنا بھی دکھی کیوں نہ ہو، وہ اپنے آپ کا دشمن نہیں ہوتا۔ وہ اپنے لیے جو سوچتا ہے، اپنے تئیں بہتر سوچتا ہے۔ تقریباً ہر نشہ باز کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ نشہ اس پر غالب نہ ہو۔ وہ دوسروں کو بتاتا ہے کہ نشہ پر اس کا کنٹرول ہے، وہ جب چاہے اسے چھوڑ دے۔ اور اپنے اس دعوے کو ثابت کرنے کیلیے کہ وہ وقتاً فوقتاً معمولی سی کوششیں بھی کرتا رہتا ہے۔ لیکن اپنی انہیں کوششوں کے دوران اسے معلوم ہوتا ہے کہ وہ تو اس بیماری میں مبتلا ہو چکا ہے۔ تب اس کے رویے ایک دم مختلف طرزِ عمل کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ وہ بعض اوقات خود کو کوستا اور ڈانتا ہے اور بعض اوقات اپنی حالت اور ناکامی پر رونے لگتا ہے۔ ماہر نفسیات "رفیع خاور" نے ایسے موقع پر اس کے مندرجہ ذیل رویے نوٹ کیے ہیں۔

(۱) نشہ کرنے کی رفتار کم کر دینا۔

(۲) نشے کی مقدار کو کنٹرول کرنے کی کوشش کرنا۔

(۳) مخصوص عرصہ کیلیے نشہ چھوڑ دینا۔

(۴) قوتِ ارادی سے نشہ چھوڑنے کا فیصلہ کرنا لیکن طرزِ زندگی نہ بدلنا۔

(۵) نشہ کی مقدار کو کم کر دینا۔

(۶) نشہ کرنے کا وقت مقرر کرنے کی کوشش کرنا۔

(۷) نشہ تبدیل کرنے کی کوشش کرنا۔

---

(۸) نشے کے ساتھ ساتھ کوئی دوسرا نشہ چلا لینا۔

مریض کو جب علاج کیلیے راضی کر لیا جاتا ہے تو پہلے مرحلہ کو "اعتراف" کا مرحلہ کہا جاتا ہے۔ اس مرحلہ میں مریض محض اعتراف کرتا ہے کہ وہ نشہ کا مریض ہے۔ اس کے بعد دوسرا مرحلہ "جھوٹے تعاون" کا مرحلہ کہلاتا ہے۔ اس عرصہ میں مریض جھوٹا تعاون کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ وہ دل سے نہیں چاہتا کہ نشہ چھوڑنے کی تکلیف گوارا کرے۔ وہ اپنے معالج کو دھوکا دینے کی کوشش کرتا ہے اور اسے کہتا ہے کہ......... اسکا مرض کم ہو رہا ہے۔

تیسرا مرحلہ........... "قبولیت" کا ہے۔ اس مرحلے میں مریض سچے دل کے ساتھ قبول کر لیتا ہے۔ کہ وہ مریض ہے، اور وہ سچے دل کے ساتھ نشہ ترک کرنا چاہتا ہے۔

اور چوتھا مرحلہ......... "جھکاؤ" کا ہے۔ اس مرحلے تک پہنچنے والا مریض لازمی طور پر علاج کیلیے راضی ہو جاتا ہے۔ بلکہ اس کا علاج پوری طرح سے کامیاب ہونے کی امید پیدا ہو جاتی ہے۔ منشیات کے کسی بھی مریض کا علاج اتنا مشکل نہیں جتنا کہ بعد از علاج اس کا اپنی نئی صحتمند زندگی پر کاربند رہنا مشکل ہے۔ میں خود ذاتی طور پر بہت سے ایسے مریضوں کو جانتا ہوں۔ جو علاج کے بعد دوبارہ نشے پر لگ گئے۔ اس عمل کو ڈاکٹرز کی زبان میں "ریلیپس" کہتے ہیں۔ بعض مریضوں سے تو میں نے یہاں تک سنا ہے......... وہ کہتے ہیں کہ:۔ "ہم نے تو علاج کروایا ہی اس لیے تھا..... تاکہ ہماری گرتی ہوئی صحت بحال ہو جائے اور ہم دوبارہ پوری لذت کے ساتھ اپنے نشے کو شروع کر سکیں۔" یہ بڑی پریشان کن صورتحال ہے۔ اب تک کے مطالعہ سے میں تو یہ سمجھا ہوں کہ کسی مریض کا علاج مسئلہ نہیں ہے۔ بڑا مسئلہ ہے وہ بعد کا کنٹرول......... جو مریض کو آئندہ زندگی میں نشہ سے بچنے کیلیے ضروری ہے۔ وہ کنٹرول کہاں سے آئیگا۔ اس مسئلہ پر ماہرین کی بھی گہری نظر ہے چنانچہ انہوں نے بارہ اقدامات تجویز کیے

ہیں۔ جن پر عمل کر کے مریض یا اس کے لواحقین اسے آئندہ نشہ پر لگنے سے بچا سکتے ہیں۔ ایک مرتبہ علاج کے بعد مریض کب نشے پر لگتا ہے، اس کے لیے ماہرین نے کچھ علامات نوٹ کی ہیں۔ اگر وہ علامات مریض میں دکھائی دینے لگ جائیں تو سمجھ لیجیے کہ آپ کا مریض دوبارہ نشے کی طرف مائل ہو رہا ہے۔ ان علامات کا انحصار دو مرحلوں پر ہے۔

(۱) اعصابی نظام کی کمزوری

(۲) معاشرتی، روحانی اور نفسیاتی مسائل۔

یہ مسائل نشہ چھوڑنے سے دس دن بعد پیدا ہونے شروع ہوتے ہیں۔ تاہم ان مسائل کی شدت تین ماہ سے چھ ماہ تک ہو سکتی ہیں۔ مریض مندرجہ ذیل مسائل کا شکار ہونے لگتا ہے۔

(۱) واضح طور پر سوچنے میں مشکلات پیدا ہوتی ہیں۔

(۲) یادداشت میں کمی واقع ہونے لگتی ہے۔

(۳) جذباتی یا محسوساتی طور پر غیر ضروری ردعمل کا مظاہرہ۔

(۴) نیند میں خلل۔

(۵) غیر مربوط حرکات و سکنات۔

(۶) ذہنی دباؤ کی شدت۔

مذکورہ بالا علامات سے نمٹنے کیلیے بھی معالجین نے طریقہ ہائے کار تجویز کیے ہیں۔ جو کہ درج ذیل ہیں۔

(۱) خیالات میں استحکام پیدا کرنا:

کسی عقل مند شخص سے زیادہ سے زیادہ گفتگو کریں۔ خاص طور پر آپ جو محسوس کر رہے ہوں۔ اس حوالے سے گفتگو۔

---

(۲) غبار نکالنا:

اپنے اندر جتنی بھی گھٹن یا دباؤ محسوس کریں اس کا اظہار کریں۔

(۳) حقیقت شناسی:

جس سے آپ گفتگو کر رہے ہوں اس سے یہ ضرور پوچھیں کہ میں جو کچھ محسوس کر رہا ہوں کیا یہ درست ہے؟۔

(۴) مسئلے کو حل کرنے کی مشق:

اگر کوئی الجھا ہو، مسئلہ درپیش ہو، تو اس کو حل کرنے کیلیے مخصوص طریقوں پر عمل کریں۔

(۵) ماضی پر نظر دوڑانا:

اس بات پر غور کریں کہ اگر پہلے کسی علاج کے بعد نشہ کر لیا تھا، تو اس کی وجوہات کیا تھیں، اور ان سے بچنے کی اب کیا تدابیر ہو سکتی ہیں؟۔

ان کے علاوہ خارجی طور پر بھی اپنا خیال رکھیں۔ اپنی تربیت خود کریں یا پھر مریض آپکا پیارا ہے تو اس کی تربیت پر خود نظر رکھیں۔ اس کے علم اور مطالعہ یا معلومات میں ہر وقت اضافہ کی سعی جاری رکھیں۔ تاکہ زندگی میں اس کے لیے نئی نئی دلچسپیاں پیدا ہوں۔

اس کے ماحول پر گہری نظر ہونی چاہیے۔ اس کے نشہ باز دوست اس کے نزدیک بھی نہ پھٹکنے پائیں۔ اور ہر ممکن طریقے سے اسے نشہ کے ماحول میں دوبارہ جانے سے روکیں۔

اس کی غذاء کا خاص خیال رکھا جائے۔ وہ بالکل بھی بھوکا نہ رہے۔ اور غذاء بھی حراروں سے بھرپور ہونی چاہیے۔ تاکہ اس کی اعصابی کمزوری جلد از جلد دور ہو اور وہ خود کو طاقتور محسوس کرے۔

ورزش اس کیلیے بے حد ضروری ہے۔ کھیل کود، دوڑ، رسہ پھلانگنا، وغیرہ جس سے اس کے دل کی

دھڑکن میں اضافہ ہو اور نظام دورانِ خون درست ہو۔

گپ شپ، موسیقی، پسند کا مطالعہ، ہنسنا، کھیلنا آنکھیں بند کر کے ہر قسم کے تفکرات کو ذہن سے نکالنے کی کوشش، اور حسین خوابوں کی دنیا بسانے کی مشق۔

خدا، رشتہ داروں، دوستوں اور ساتھیوں کے ساتھ اچھے تعلقات استوار کرنا اور روز کے روز اپنا احتساب کرنا۔ نفسیاتی، معاشرتی، روحانی اور جسمانی طور پر صحت مند رویے اپنانا اور ہمہ وقت ترقی کی طرف گامزن رہنے کی کوشش، آپ گویا آپ کے مریض کو نشے کے مرض سے ہمیشہ ہمیشہ کیلیے نجات دلا سکتی ہے۔

مذکورہ بالا تمام تفصیل کو ماہرین بحالی کا پروگرام کہتے ہیں۔ اور بحالی کے پروگرام کو مندرجہ ذیل نعرے دیے گئے ہیں۔

(۱) روز کے روز جیو!

(۲) آرام سے کام کرو!

(۳) جیو اور جینے دو!

اور اب کتاب ہٰذا کے آخر میں یورپ کے ماہرین کے تیار کردہ بارہ قدموں کے پروگرام کی بارہ شقیں درج کر رہا ہوں۔ تاکہ نشہ چھوڑنے کے خواہش مند افرادِ معاشرہ اپنے لیے یا اپنے پیاروں کیلیے فائدہ حاصل کر سکیں۔ یہ پروگرام میں نے ڈاکٹر "رفیع خاور" کی کتاب "نشہ اور شخصیت" سے لیا ہے۔ جس کے لیے میں انکا ممنون ہوں۔

> "بارہ قدموں کا پروگرام نشے کے مریضوں کیلیے سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ جس کے ذریعے وہ اپنی بحالی کو مضبوط کر سکتے اور پرکھ سکتے ہیں۔ بارہ قدموں کے پروگرام کی خاصیت یہ بھی ہے کہ یہ کسی مذہب سے متصادم نہیں۔ اور پھر بھی اس کی کیفیت روحانی

ہے۔ اسے نشے کے مریضوں نے صحت یاب ہونے کے بعد مل بیٹھ کر اپنے بھائیوں کیلیے تجویز کیا ہے۔ اس کی سب سے بڑی خاصیت یہ ہے کہ اسے کسی بھی بری عادت کو ترک کرنے کیلیے استعمال کیا جا سکتا ہے۔ اس پروگرام پر عمل پیرا ہونے والا بہت جلد سب کی آنکھوں کا تارا بن جاتا ہے۔ وہ ایسا پھول بن جاتا ہے جس کی خوشبو سے سب ہی لطف اندوز ہوتے ہیں۔ نشے سے بحالی کیلیے یہ پروگرام ازحد ضروری ہے۔ اور اسی پروگرام کی وجہ سے دنیا بھر کے لاکھوں نشہ باز نشہ چھوڑ کر خوبصورت زندگیاں بسر کر رہے ہیں۔ آیئے ہم اس پروگرام پر طائرانہ نظر ڈالیں۔

Step-1

We admitted that we were powerless over drugs/alcohol that our lives had become unmanageable.

"ہم مان گئے کہ ہم نشے کی بیماری کے سامنے بے بس تھے۔ جس نے ہماری زندگی کو غیر منظم بنا دیا تھا۔"

Step-2

Came to beleive that a power greater than ourselves could restoreus to sanity.

"ہمیں یقین ہو گیا کہ ہم سے بڑھ کر کوئی طاقت ہمیں پاگل پن سے نجات نہیں دلا سکتی۔"

Step-3

Made a dicision to turn our will and lives over to the care of God,as we understand him.

”ہم نے اپنی مرضی اور زندگی کو خدا کے حوالے کرنے کا فیصلہ کرلیا ہے۔“

Step-4

Made a searching and fearless moral inventory of ourselves.

”ہم نے بے خوف ہوکر اور غور سے اپنے اخلاقی کردار کی فہرست بنائی ہے۔“

Step-5

Admitted to God,to ourselves and to another human beings the exact nature of our wrongs.

”ہم نے خدا سے، اپنے آپ سے اور دوسروں سے اپنی غلطیوں کی اصل نوعیت کا اعتراف کرلیا ہے۔“

Step-6

Were entirely ready to have God remove all these defects of character.

”ہم مکمل طور آمادہ ہوگئے ہیں کہ خدا ہمارے کردار کی ان خامیوں کو دور کردے۔“

Step-7

Humbly asked him to remove our shortcomings.

”ہم خدا سے التجا کرتے ہیں کہ وہ ہماری کمزوریاں دور کردے۔“

Step-8

Made a list of all persons we had harmed,and became willing to make amends to them all.

”ہم نے ان تمام لوگوں کی فہرست بنائی ہے جنہیں ہم نے کبھی نقصان پہنچایا تھا۔ اور ان کی تلافی کرنے پر راضی ہوگئے ہیں۔“

Step-9

Made direct amends to such people wherever possible,except when to do so would injure us or others.

”ہم نے ہر ممکن طریقے سے ان لوگوں سے تلافی کی اور اس بات کا خیال رکھا کہ ہمیں یا دوسروں کو کوئی نقصان نہ پہنچے۔“

Step-10

Continued to take personal inventory

and when we were wrong promptly admitted it.

''ہم نے اپنی فہرست بنانے کے عمل کو جاری رکھا اور جہاں غلطی ہوئی ہم نے فوراً تسلیم کرلیا۔''

Step-11

Sought through prayer and meditation to improve our conscious contact with God as we understand him,praying for knowledge of His will for us and the power to carry that out.

''ہم نے دعا اور غور وفکر کے ذریعے خدا سے اپنے شعوری رابطہ کو مضبوط بنایا۔ اور اس کی رضا کے طلب گار رہے۔''

Step-12

Having had a spiritual awakening as the Result of these Steps,we tried to carry this message to alcoholics and to practice these principles in all our affairs.

''ان قدموں کے ذریعے روحانی طور پر پیدا ہونے کے بعد ہم نے انہیں دوسرے مریضوں تک پہنچایا اور خود ان اصولوں پر تمام عمر کاربند

رہنے کا عہد کیا۔''

نشہ اور اسلام

ہم نے گزشتہ ابواب میں ''نشہ اور اسلام'' کے حوالے سے بہت کچھ سیکھنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن ہم اگر نشہ کے بارے میں اسلامی مؤقف کو مختصر الفاظ میں دیکھنا چاہیں تو رسول اکرم ﷺ کی ایک ہی حدیث اقدس کافی ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:۔

''کُلُّ مُسْکِرٍ حَرَامٌ''.........نشے کی ہر چیز حرام ہے۔

دراصل اسلام ایک متوازن قسم کا نظامِ حیات ہے۔ یہ صرف چند مذہبی عبادات کا مجموعہ نہیں۔ جیسا دوسرے مذاہب میں ہے۔ اسلام کا مقصد مسلمانوں کی فلاح نہیں، بلکہ انسانوں کی فلاح ہے۔ چنانچہ اسلام میں جب کسی چیز کو حرام قرار دیا جاتا ہے، تو یہ دیکھا جاتا ہے کہ یہ چیز انسانیت کیلیے کتنی نقصان دہ ہے۔ نشے پر بھی یہ موقوف اسلام نے ہر اس چیز کو حرام قرار دیا ہے.........جو جسمانی، روحانی، معاشرتی، نفسیاتی، سماجی طور پر......حتی کہ کسی بھی طرح انسان کیلیے نقصان دہ ہو سکتی ہے۔ اسلام کا مقصد زمین پر ایک ایسے معاشرے کا قیام ہے جس میں کسی انسان پر کسی دوسرے انسان کی حاکمیت نہ ہو۔ حاکمیت صرف اللہ تعالیٰ کی ہو۔ اور تمام انسان خود کو زمین پر اللہ تعالیٰ کا خلیفہ سمجھیں۔ اس میں کسی مذہب کی بالادستی کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ہر وہ مذہب، وہ فرقہ، وہ جماعت.........جو خود کو راہِ راست پر اور دوسروں کو غلط راستے پر تصور کرتی ہے۔ فی الحقیقت غلط ہے۔ اسلام پوری انسانیت کے نظم ونسق کو دیکھتا، اور اس کیلیے راستے متعین کرتا ہے۔

اسلام کی دشمنی ''شراب'' کے ساتھ نہیں۔ بلکہ شیطان کے ساتھ ہے۔ جو شراب کے ذریعے انسانوں کے مابین نفاق اور دشمنی ڈال کر امن ومحبت کے راستے کی رکاوٹ ہے۔ اور اگر شراب کے علاوہ دیگر منشیات بھی کسی نہ کسی طرح انسانیت کو نقصان پہنچاتی ہیں تو

اسلام ان کو بھی حرام قرار دے گا۔

اب ہمارے سامنے ایک مسئلہ یہ ہے کہ بعض مذہبی پیشواء اور مفتیانِ شرع متین شراب کے بارے میں تو حرمت کا فتویٰ جاری کر دیتے ہیں۔ لیکن باقی قسم کی منشیات کو صرف مکروہ قرار دیتے ہیں۔ میرے نزدیک یہ ان کی صریح غلطی ہے۔ انہیں ماضی کی تقلید میں اس قدر بھی آنکھیں نہیں بند کرنی چاہییں کہ وہ حقائق کو نظر انداز کر دیں۔ شراب کسی طور بھی ہیروئن اور افیون یا انجکشن سے زیادہ نقصان دہ نہیں ہو سکتی۔ آج تک شراب ہمارے معاشرے میں تھی لیکن کبھی بھی ہم نے اپنی قوم کو اتنا زیادہ نڈھال نہ دیکھا تھا، جتنا کہ ہم نے ہیروئن کے بعد ملاحظہ کیا۔ کیا اہلِ فتویٰ کو یہ حقیقت دکھائی نہیں دیتی؟ میں تو اس وقت بے حد حیران ہوا، جب میں نے مفتیانِ شرع متین سے اس بارے میں فتویٰ طلب کیا، تو مجھے یہ جواب ملا کہ ہیروئن کو حرام قرار نہیں دیا جا سکتا۔ کیونکہ یہ شراب نہیں اور اس کے پینے سے انسان اپنے ہوش و حواس نہیں کھوتا۔ افسوس کہ ہمارے علماءِ دین کا طریقہء تحقیق بالکل غیر درست ہے۔ انہیں صرف یہ دکھائی دیا کہ ہیروئن سے فوری طور پر ہوش و حواس خراب نہیں ہوتے۔ لیکن انہوں یہ کیوں نہ دیکھا کہ ہیروئن تو چند دن استعمال کرنے کے بعد ہمیشہ ہمیشہ کیلیے انسان کو ہوش و حواس سے بیگانہ کر دیتی ہے۔ بظاہر ہمیشہ انسان ہوش میں رہتا ہے، لیکن وہ ہوش ہی کیا جو ماں باپ، معاشرہ، قانون، سماج، حتیٰ کہ اپنی نظر میں ہی انسان کو انسان نہ رہنے دے اور اسے انسانیت کے درجہ سے گرا کر جانوروں سے بھی بدتر مقام پر لا کھڑا کرے۔

میں نے اب تک جتنی کتب تحریر کی ہیں ان سب میں یہی تحریر مشکل نظر آئی ہے۔ کیونکہ کتابوں سے پڑھ کر تحقیق کرنا کچھ زیادہ مشکل کام نہیں۔ لیکن خود چل کر گلی کوچوں میں گھوم کر تحقیق کرنا کتنا مشکل کام ہے اس کا اندازہ مجھے اس مقالہ کے بعد ہوا۔ خصوصاً علمائے دین کے ہاں سے حوصلہ افزائی کی بجائے دل دکھانے والے خیالات سننے کو ملتے ہیں تو مایوسی

سی ہونے لگتی ہے۔ خیر خدا خدا کر کے یہ فریضہ بھی پایہء تکمیل تک پہنچا۔ اور اب میں محسوس کرتا ہوں کہ میں نے بہت اچھا کیا ہے۔ میری قوم کے نوجوان گزشتہ 30 سالوں سے منشیات کی لعنت کا بری طرح سے شکار ہو رہے ہیں اور لاکھوں نوجوان اپنی قیمتی جوانیوں کو اس زہر کی نذر کر کے ہمیشہ ہمیشہ کیلیے اس دارِ فانی سے رخصت ہو چکے ہیں۔ ایسے میں، میں نے ہر طرف نظر دوڑائی اور مجھے پورے معاشرے میں ایک شخص بھی ایسا نظر نہ آیا جو اس مسئلہ کو اہمیت دیتا اور حکومت یا اربابِ مذہب کو متوجہ کرتا............ کہ کچھ وقت ان مظلوموں کیلیے بھی نکالیں جو اس بیماری میں مبتلا ہو کر معاشرے کیلیے ناسور بن چکے ہیں۔

دنیا میں کسی مذہب کو سمجھنا اتنا آسان نہیں جتنا کہ اسلام کو سمجھنا........ دنیا کا ہر مذہب بھانت بھانت کی فضولیات کا مجموعہ بن چکا ہے۔ ہندومت، عیسائیت، بدھ مت، یہودیت، الغرض کوئی بھی، مذہب ایسا نہیں جس کی تعلیمات فی زمانہ کسی انسان کیلیے سمجھنا ممکن ہوں۔ ہندومت کی کٹھن عبادات، گنگا جل کا اشنان، طرح طرح کے منتر، لمبے لمبے بھجن اور نہ جانے کیا کیا..... بدھ مت کی گہری گہری ریاضتیں اور دور دراز کے سفر...... اور اگر عیسائیت کو لیجیے! تو بھلا کون ہے، جو رہبانیت کی زندگی اختیار کر سکے اور ساری عمر شادی نہ کرنے کا مشکل فریضہ سرانجام دے سکے؟ اگر ان مذاہب کی تعلیمات، اعمال اور احکامات کو سیکھنے اور سمجھنے کی کوشش کی جائے تو عمر بیت جاتی ہے۔ لیکن ان سب کے برعکس اسلام کی تعلیمات انتہائی سادہ اور آسان فہم ہیں۔ اور مختصر الفاظ میں یوں کہیے تو اسلام نام ہے صرف توازن کا۔ آپ اسلام کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتے تو محض اتنا جان لیجیے........ سب کے ساتھ مل کر ستھری اور کھری زندگی گزارنے کا نام اسلام ہے اور بس۔ اسلام میں ہر شخص کو اجازت ہے۔ دین کو نہ صرف سمجھے بلکہ اوروں کو بھی سمجھائے۔ اور اسلام کے کسی بھی عمل کیلیے خصوصی افراد یعنی "احبار و رہبان" کی ضرورت نہیں۔ کوئی بھی شخص کسی بھی وقت خود کو بطور خادمِ اسلام پیش

کر کے تمام تر فرائض کی ذمہ داری سنبھال سکتا ہے۔ نماز کی امامت کیلیے کسی خاص قسم کے پنڈت کی کوئی ضرورت نہیں۔ احکامات سمجھنے کیلیے یا قرآنِ حکیم کی تعلیمات سیکھنے کیلیے کسی خاص قوم یا خاندان کو ہونا ضروری نہیں۔ ہر متوازن بات اسلام کی شریعت ہے۔ جیسا کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا تھا۔ ”اچھی بات مومن کی گمشدہ پونجی ہے“۔.......... آپ قرآنِ حکیم کو شروع سے آخر تک پڑھ جایئے۔ آپ کو ہر جگہ معاشرتی، سماجی، خانگی، اقتصادی، قانونی اور اخلاقی احکامات اور دلائل سے واسطہ پڑے گا۔ اور ہر جگہ ہر دلیل سائنسی براہین کے ساتھ دکھائی دے گی۔

اسلام میں نشہ کی حیثیت متعین کرنے کیلیے ہمیں کسی گہرے تدبر یا بصیرت کی قطعاً ضرورت نہیں۔ بالکل سادہ سی بات ہے، نشہ انسان کیلیے نقصان دہ ہے اور انسان کی انتہائی معزز اور مکرم ہستی کیلیے توہین کا باعث ہے چنانچہ یہ تو ممکن ہی نہیں کہ اسلام نشے کی کسی قسم کو جائز قرار دے۔ نشے کی ہر قسم .... حرام ہے۔ اور حرام کام کرنے والے کو اللہ تعالیٰ اور رسول کریم ﷺ بالکل پسند نہیں فرماتے۔ اور حرام کاروں کیلیے اللہ نے ”ویل“ یعنی گہری جہنم مقرر کی ہے۔

میری اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ میری قوم کے نوجوانوں کو اس موذی مرض اور بھیانک بیماری سے محفوظ رکھے اور قوم کے راہنماؤں کو خوابِ غفلت سے نکال کر قوم کی حقیقی خدمت پر مائل فرمائے۔ اور میری قوم کے مذہبی پیشواؤں کو آپس کے اختلافات مٹا کر اسلام کا حقیقی مفہوم پوری امت تک پہنچانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

وما علینا الا البلاغ

ختم شد

اِظہارِ تشکّر

آخر میں، میں ان تمام ڈاکٹرز اور حکیم حضرات کا تہہ دل سے شکرگزار ہوں۔ جنہوں نے اس مشکل موضوع پر میری رہنمائی فرمائی۔ خصوصاً کیپٹن ڈاکٹر خالد مسعود چوہدری، جن سے میں نے باڈی سٹرکچر، ہارمونز، خون کے خلیات اور نظامِ عصبی کے بارے میں بہت کچھ دریافت کیا۔

ڈاکٹر خالد مسعود چوہدری میڈیکل کی دنیا میں ایک جانا پہچانا نام ہیں۔ وہ امراض دل، ڈیپریشن، خوف، فوبیا، اور امراض نشہ پر خاصا عبور اور طویل تجربہ رکھتے ہیں۔ انہوں نے مجھے ڈیپریشن کی حقیقت بتاتے ہوئے یہ بتا کر حیران کر دیا کہ ایک پریشان انسانی دماغ کے سٹرکچر کو اگر نقاط میں ظاہر کیا جائے تو اتفاقی طور پر بن جانے والی شکل ایک ایسے سگ جریش سے مشابہہ ہوتی ہے۔ جس کی زبان باہر کی طرف لٹک رہی ہو۔ اور پھر جب میری نظر قرآن کی مندرجہ ذیل آیت پر گئی۔ تو میری حیرت کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا۔

”فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ ۔ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ ۔

ترجمہ:۔ تو اس کی مثال کتے کی سی ہوگئی۔ کہ اگر سختی کرو تو زبان نکالے رہے۔ اور اگر یونہی چھوڑ دو تو بھی زبان نکالے رہے۔“

والسلام

ادریس آزاد

۱۵ نومبر ۲۰۰۳ء

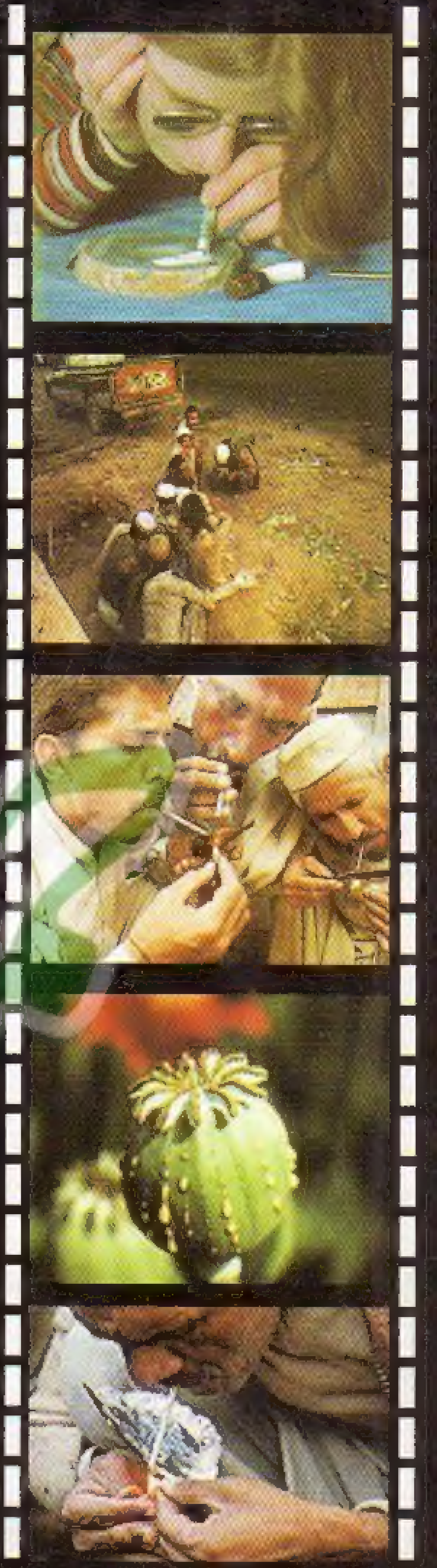

سیدی

منشیات کے موضوع پر ادریس آزاد کی یہ کاوش سراہے جانے کے قابل ہے۔ مصنف نے شراب، چرس، بھنگ، افیون، ہیروئن اور میڈیسن کے بارے میں جس عرق ریزی سے تحقیق کی ہے اس کی مثال پہلے موجود نہیں۔

ہمارے معاشرے میں منشیات اور ہیروئن نے جس تیزی کے ساتھ نفوذ کیا ہے یہ حیران کن اور بھیانک ہے لیکن ہمارے ارباب حکومت اور دانشور غفلت کی گہری نیند سو رہے ہیں۔ میں اس المیے کی سب سے بڑی وجہ ملک کے معاشی حالات کو سمجھتا ہوں۔ غلامی، غربت، بھوک، افلاس اور بے روزگاری کے ماحول میں پرورش پانے والی اقوام بالآخر نشے کی ہی سہارا لیتی ہیں۔ قوم کے سیاستدانوں، حکمرانوں اور خصوصاً دانشوروں کا یہ اولین فریضہ بنتا ہے کہ وہ اس خطرناک مسئلہ کی طرف سب سے پہلے توجہ دیں۔

(کیپٹن (ر) ڈاکٹر خالد مسعود چوہدری)

خزینہ علم و ادب
الکریم مارکیٹ اردو بازار - لاہور ۷۳۱۴۱۶۹